محمد اشرف شریف ○ ڈاکٹر اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقارب

محمد اشرف شریف ۰ ڈاکٹر اشتیاق احمد

طٰہٰ پبلی کیشنز

22-A حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو

طٰہٰ پبلی کیشنز قارئین کی خدمت میں ادبی و سیاسی حوالے سے معتبر کتب پیش کر کے دادو تحسین پا چکا ہے۔ اب ہم اسلامی موضوع پر ایک اچھوتی کتاب لائے ہیں۔ قارئین کا اعتماد ہی ہمارا منافع ہے۔ (ادارہ)

ناشر : محمد عفیف طٰہٰ
اشاعت دوم : فروری 2002ء
اہتمام : محمد کفیل احمد
مارکیٹنگ منیجر : محمد شاہد اکرم
کمپوزنگ : محمد لبیب جمیل
قیمت : 175 روپے
بیرون ملک : 15 امریکی ڈالر
اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

انتساب

ان بے شمار علماء کرام و محققین کے نام
دنیا جن کی قدر نہ جان سکی

قارئین محترم ہم لاکھ محتاط سہی پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی یا ابہام کتاب میں رہ گیا ہو۔ اگر کوئی مقام سہو آپ کے علم میں آئے تو ہمیں ضرور آگاہ کیجئے گا۔ ہم اپنی کوتاہی تسلیم کرتے ہوئے آپ کے ممنون ہوں گے۔

(مصنفین)

فہرست مضامین

نبی کریم ﷺ کی باندیاں

مصنفین بارے اہل علم کی رائے

☆ اس میں شک نہیں کہ سیرت طیبہؐ پر کافی کام ہو چکا ہے۔ حیات مبارکہ کے تقریباً سبھی گوشوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی کوشش نظر آتی ہے پھر بھی کئی ایک گوشے ایسے ہیں جن پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ ان میں ایک گوشہ حضور اکرم ﷺ کے نسبی رشتہ داروں اور قرابت داروں بارے معلومات کو یکجا کرنے سے متعلق تھا۔ یہ معلومات سیرت کی کتابوں اور تذکروں میں موجود تو تھیں مگر بکھری ہوئی تھیں۔ سیرت طیبہ کے دوسرے طالب علموں کی طرح اشرف شریف نے بھی اس تشنگی کو محسوس کیا بلکہ صرف محسوس ہی نہیں کیا۔ اس کمی کو پورا کرنے کا بیڑا بھی اٹھایا۔ انہوں نے نہایت عرق ریزی سے سیرت کے تذکروں میں بکھری ہوئی معلومات کو یکجا کیا ہے اور اسے کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں چونکہ یہ اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ اس لئے اس میں کچھ کمی کا رہ جانا فطری بات ہے۔ اصلاح کی گنجائش بہر حال موجود ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اسے قبول کرنے والا ذہن بھی موجود ہو۔ اگر قارئین کرام اور علماء عظام اس میں کسی خامی کی نشاندہی کریں تو مرتب کتاب کو اسے دور کرنے کا مشتاق پائیں گے۔ اس کوشش پر اللہ تعالیٰ اشرف شریف اور ڈاکٹر اشتیاق احمد کو جزائے خیر دے۔

اطہر ندیم

جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ دن لاہور

☆ اشرف شریف ہونہار بروا تو ہے لیکن تلخی حالات کی صرصر اور گردش روزگار کی سموم نے اس کے ''پات'' چکنے نہیں رہنے دیئے۔ اس نوجوان کو قسام ازل نے ان گنت تخلیقی و تحقیقی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس کی تحقیق و تفحص کا پہلا شاہکار ''نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقارب''

ادبیات اسلام کا ایک اچھوتا موضوع ہے۔اس موضوع پر خامہ فرسائی کر کے اس نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کی ''طبع مشکل پسند'' انفرادیت اور تنوع کو ترجیح دیتی ہے۔آج وہ اس ''بالی عمریا'' میں مولانا شبلی نعمانی' سلمان ندوی' نعیم صدیقی اور طالب ہاشمی کے قافلے کا مسافر بن چکا ہے۔اس ''اعزاز'' پر میں اسے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

حافظ شفیق الرحمٰن

(کالم نگار)

☆ نبی ﷺ کے آباؤ اجداد سے لے کر ننھیال' سسرال اور اولاد تک کا تعارف عقیدت بھرے دلکش انداز میں پیش کرنے پر محمد اشرف شریف اور حاجی اشتیاق احمد مبارکباد کے مستحق ہیں۔سلسلہ عالیہ قادریہ کو ان نوجوانوں کے علمی ذوق وشوق پر فخر ہے۔

حضرت پیر پائندہ محمد خان آف مالاکنڈ
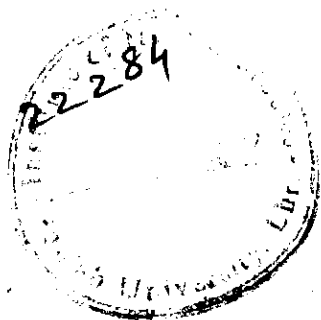
''اشرف بس میں خوشبو خوشبو ہو جاؤں''

میں نے جو دیکھا اس کے جلوے ایسے ہی خیرہ کن ہیں کہ بولنے اور لکھنے کی قدرت حیرت سے پتھرا گئی ہے۔ سمجھ نہیں آ رہی کہ قلم کے منہ میں عقیدتوں کی کون سی روشنائی زبان بنا کر ڈالوں۔ بہر حال جب نبی کریم ﷺ کی قرابت داریوں کے موضوع پر ہم نے کتاب کا سوچا تو یہ بات بڑی ہیجان انگیز تھی کہ ہم ایک منفرد کام کرنے جا رہے ہیں۔ عربی میں تذکرے اور انساب کے طور پر کافی کام موجود ہے لیکن اردو میں تو کسی ایک جگہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و اقارب کا تذکرہ تک ہماری نظر سے نہ گزرا تھا۔ اردو لکھنے پڑھنے والے کیسے کیسے بے مثال علماء و محققین گزرے ہیں۔ ذرا تصور کیجئے آپ کو خود ہمارے جوش و خروش کا سبب دریافت ہو جائے گا بس یوں سمجھ لیں ہم نے کوئی نئی دنیا ڈھونڈ نکالی تھی۔

جب تحقیق کا سلسلہ شروع ہوا تو درجنوں کتب سے حوالے دیکھنا پڑے۔ بہت سے صاحب علم حضرات سے گفتگو کرنا پڑی اور لائبریریاں کھنگالیں تو معلوم ہوا کہ اردو کی تمام تاریخ میں ایسی چار کتب لکھی جا چکی ہیں اور وہ بھی تمام عزیز و اقارب کی بجائے صرف نسب نامے کا احاطہ کرتی ہیں۔ یہ سب اب سے 45 برس پہلے تک کی کتب ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کتاب ہمیں کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی لہٰذا ان کی علمی حیثیت کا ہم کچھ اندازہ نہیں کر سکتے۔

لکھے ہوئے حرف اور قلم کی اللہ تعالیٰ خود قسم کھاتا ہے لہٰذا ہم نے بھی الفاظ اور قلم کی پاکدامنی کو ہر قسم کی آلائش و آلودگی سے بچانے کی کوشش کی ہے اور کسی قسم کا باعث نزاع معاملہ رقم نہیں کیا بلکہ اگر کسی شخصیت کے ذکر کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ وابستہ بھی تھا تو ہم اس سے گریز کرتے ہوئے گزرے ہیں۔ اسلامی تاریخ کی بہت سی شخصیات جو بظاہر ایک دوسرے کی

مخالف تھیں ان میں بڑی قریبی رشتے داری تھی۔ ہم نے اس پہلو کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ملت اسلامیہ میں اندرونی طور پر پائے جانے والے کچھ اختلافات ختم نہیں تو کم ضرور ہو سکیں۔

ہم اس کتاب کو مستقبل کے مؤرخین اور محققین کے علاوہ عام مسلمانوں کے استفادے کی دستاویز بھی بنانا چاہتے تھے۔ جس کے باعث بعض تحقیق طلب معاملات بارے بھی مختصر طور پر رائے بیان کر دی۔ انشاء اللہ بہت جلد آنے والی کتابیں اس حوالے سے تشنگی محسوس کرنے والوں کی ضرورت بہت اچھے طریقے سے پوری کر دیں گی۔

کتاب جن الفاظ اور جملوں سے ترتیب پاتی ہے ان کی تخلیق کیلئے درکار حرف ہر سینے میں محفوظ ہوتے ہیں۔ بس ان گونگے حرفوں کو الفاظ کی زبان اور جملوں کے معانی دینے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ اتنے سے کام کے لیے حوصلہ جمع کرتے کرتے عمر گزار دیتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو من کے اندر ہی اندر جستجو بھرے جوش کے ساتھ نئے نئے راز نئی الجھنیں کھولتے جاتے ہیں۔ گڈمڈ حرفوں کی ڈوریں جیسے ہی سلجھتی ہیں' وہ اسے کتاب بنا دیتے ہیں۔ اس کتاب پر بھی میں اور حاجی ڈاکٹر اشتیاق احمد جانے کب سے کام کر رہے تھے۔ دونوں جانے کب سے حرفوں کے ٹکڑے جوڑ جوڑ کر لفظ اور جملے بنا رہے تھے پھر ہم نے ان سارے لفظوں کو کاغذ پر لکھ دیا' یوں کتاب تیار ہو گئی۔ مجھے ڈاکٹر اشتیاق احمد کی رفاقت نے دوڑایا تو بہت مگر تھکنے نہیں دیا۔ ایسے مبارک کام میں ساتھ دینے پر میں ان کا دل سے مشکور ہوں۔

میرا ایمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بارے کسی بھی حوالے سے کیا جانے والا کام بارگاہ ربوبیت سے عطا ہونے والے خصوصی خزانوں کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ میں کتاب کی تکمیل کے مرحلے تک آتے آتے ہر دم دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے بھی فیضیاب ہوتا رہا۔ حضرت سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ اور چونیاں کے مجذوب بابا' باقر سائیں مرحوم کی دعاء و چشم عطا کے طفیل مجھ جیسا گناہگار اپنے آپ پر رشک کر رہا ہے۔

موضوع کی علمی اور تحقیقی وقعت کو سامنے رکھتے ہوئے مجھے بہت سے محققین سے بھی کچھ امور بارے رہنمائی حاصل کرنا پڑی۔ یہ لوگ ہر قسم کے نام و نمود سے بالاتر ہو کر اپنا کام کیے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی صاحب اور اشرف قدسی صاحب نے بہت شفقت سے رہنمائی کی۔ محترم طالب ہاشمی صاحب کا کام بھی میرے لیے بہت سی آسانیاں فراہم کرنے کا باعث

ہوا۔ میں ان کا بھی مشکور ہوں۔ سب سے زیادہ کارآمد حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم کا تحقیقی کام رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد بارے زیادہ تر تفصیلات میں نے انہی کی لکھی۔ کتاب سیرت ''ضیاء النبیؐ'' سے حاصل کیں۔ بعض مقامات پر کچھ ماخذ میں نے پیر محمد کرم شاہ صاحب ہی کے روایت کردہ بیان کر دیئے ہیں۔ تحقیقی نقطہ نظر سے یہ مناسب نہ تھا مگر پیر محمد کرم شاہ صاحب کی ثقاہت کے پیش نظر مجھے یہ ''تحقیقی نامناسبت'' بھی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

میرے ہی جیسے میرے دوست جو جفاکشی کی زندگی سے ابھی اتنا وقت نہیں پا رہے کہ اپنے علم کو کتابی صورت میں سامنے لاسکیں مگر وہ ہر طرح سے میری حوصلہ افزائی میں ضرور لگے رہتے ہیں۔ ان بے شمار دوستوں کا وجود میرے لیے ایک نعمت ہے۔ ان کی محبتوں کے باعث ہی اب میں علم وادب کی کھلی سڑک پر بڑے حوصلے سے چلا جا رہا ہوں۔ رانا محمد طفیل کا ساتھ بھی بڑی تقویت کا باعث رہا۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اس کاوش اور اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میری ماں کو صحت عطا فرمادے۔ میرے باپ اور بہن بھائیوں نے میرے حصے کے جو دکھ جھیلے ہیں۔ ان کے بدلے اللہ انہیں خیر کثیر سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور انہیں اپنے محبوب کے روضے پر حاضری نصیب فرمائے۔ آمین

شہر ترے کی گلیوں میں، میں کھو جاؤں
بس قدموں کی خاک ترے میں ہو جاؤں
مدحت کے یوں پھول چنوں کہ سرتاپا
اشرفؔ بس میں خوشبو خوشبو ہوجاؤں

محمد اشرف شریف

نجات کا ذریعہ

دل میں مدت سے آرزو تھی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے پھوٹنے والی لاکھوں نورانی کرنوں میں سے چند ایک کو اپنے مقدر کی تاریکی دور کرنے کا ذریعہ بنالوں۔
دل بہت کچھ کرنے کو تڑپتا رہا اور میں اس تڑپ کے بیان کرنے کو الفاظ تلاش کرتا رہا۔ میں لکھاری نہیں مگر عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویدار ضرور ہوں۔ محبوب رب کائنات نے اپنی محبت کے طفیل میری یہ کم مائیگی بھی ختم کر دی اور مجھے محمد اشرف شریف جیسے اپنی ذات میں یگانہ نوجوان محقق اور دانشور کا ساتھ عطا کیا۔ 1989ء سے 91ء تک ہم دونوں اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں اکٹھے پڑھے ہم دونوں ہی پنجاب یونیورسٹی کے نمایاں کھلاڑی رہے بعد ازاں وہ صحافت اور میں میڈیکل سے منسلک ہو گیا۔ ہم دونوں نے پیشہ وارانہ شعبوں میں بھی اپنے اپنے حصے کی کامیابیاں سمیٹیں۔ مجھے یاد ہے تھوڑا عرصہ قبل ہی جب اس کی پہلی کتاب ''آؤ پاکستان لوٹیں'' جو سیاسی موضوع پر مشتمل تھی، شائع ہوئی تو اس نے دعا کی تھی کہ ''اے اللہ مجھے وہ کچھ کرنے کی ہمت بھی عطا فرما جس سے اہل علم و ادب کنارہ کش ہو چکے ہیں۔'' آج ایک برس سے بھی کم مدت گزرنے پر وہ دو بڑے کام کر چکا ہے۔ گلاب کے پھول کی ساڑھے چار ہزار برس کی برصغیر میں تاریخ اور اس کی ایک ہزار اقسام پر اردو میں پہلی بار تحقیقی کام کیا گیا ہے۔ دوسرا بڑا کام ہم دونوں نے مل کر انجام دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داریوں پر کتاب مکمل کی جو اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب پر کام کرتے وقت یہ تو ذہن میں تھا کہ ہم ایک ایسا کام کر رہے ہیں جو اس

سے قبل سامنے نہیں آ سکا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اسے اپنی نجات کا ذریعہ بھی سمجھا۔
مجھے پیر پائندہ محمد خان آف سوات' مولوی محمد اشرف علی آف راجہ جنگ اور اپنے والدین کا
خصوصی تعاون حاصل رہا جن کی دعاؤں سے میں اپنے حصے کی ذمہ داریاں بڑی خوبی سے ادا
کر سکا۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں ہماری اس کوشش کو قبولیت کا مقام عطا کرے۔ آمین

حاجی ڈاکٹر اشتیاق احمد۔ ڈی ایچ ایم ایس
اسلام نگر نزد سندر اڈہ ملتان روڈ لاہور
فون نمبر 7541330

نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد

جناب عدنان سے حضرت عبدالمطلب تک

بعض علماء انساب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ مبارک حضرت عبداللہ سے حضرت آدم تک بیان کیا ہے اور کچھ نے حضرت عبداللہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تک شجرہ بیان کیا ہے لیکن درست قول یہی ہے کہ حضرت عبداللہ سے عدنان تک شجرہ نسب بلاشک وشبہ درست ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم انساب کے ماہر تھے۔ آپ بھی اس پر متفق ہیں کہ حضرت عبداللہ سے عدنان تک شجرہ مبارک بالکل درست ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی جب اپنا شجرہ بیان فرماتے تو عدنان پر ختم کر دیتے۔ اس سے تجاوز نہ کرتے' شجرہ بیان کرنے والے تمام علماء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ عدنان حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھے یعنی اس امر میں کسی قسم کا شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ طیبہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ تک جا پہنچتا ہے تاہم چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنا شجرہ مبارک جناب عدنان سے آگے بیان نہ کرتے لہٰذا اہل ایمان نے بھی بوجہ ادب اس سے آگے کا شجرہ بیان نہیں کیا' تاہم کچھ معروف علماء نے تحقیق کے نقطہ نظر سے اس سے آگے کا نسب بھی بیان کیا ہے۔

علماء کی بڑی تعداد کی یہ رائے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد و امہات اپنے اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل تھے۔ یہ سب بزرگ قیامت اور یوم حساب پر ایمان رکھتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو پسند کرتے تھے۔ شریعت

ابراہیمی کے احکام اور شعائر عرب کی جہالت پر مبنی فضا کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں منتقل ہوتے رہے۔ خانہ کعبہ اور حجاج کی خدمت کے امور اسی خاندان میں رہے حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود قبل از بعثت جب غار حراء میں عبادت کے لئے تشریف لے جاتے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف و تسبیح کے ان ہی طریقوں پر عمل کرتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتائے اور انہوں نے اپنی اولاد کو سکھائے۔

امام مسلم اور ترمذی واثلہ بن اسقع سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو چنا۔ اولاد اسماعیل سے کنانہ کو چنا۔ بنی کنانہ سے قریش کو چنا، قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے چنا'' نبی پاک خود جو شجرہ بیان فرماتے وہ اس طرح ہے (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان'')

سیرت کی مختلف کتب سے ہم ان بزرگوں کا تعارف پیش کرتے ہیں۔ اس تعارف میں ان بزرگوں کے ذاتی کمال و محاسن کے علاوہ ان کے زمانے کی کئی روایات اور رسوم سے بھی آگاہی حاصل ہوگی۔

عدنان

عدنان کے بارے میں علامہ ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں اہل عرب کے مانے ہوئے سردار تھے۔ ان کے والد کا نام ادد یا اد ہے' ان کے دو اور بھائی تھے جو باپ کی طرف سے سگے تھے۔ ایک کا نام نبط اور دوسرے کا نام عمرو تھا۔ کتب سیرت سے نبط اور عمرو بارے مزید کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ جب بلاد عرب کے جنوب میں واقع پہاڑی سلسلے میں حضور نامی پہاڑ کے قریب رہنے والے لوگوں نے اپنے نبی شعیب علیہ السلام کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دو انبیاء ارمیا اور ابرخیا کو وحی فرمائی کہ وہ بادشاہ بخت نصر کو حکم دیں کہ وہ عرب پر چڑھائی کرے۔ اور شعیبؑ کے قاتلوں اور بغاوت کرنے والوں کو سزا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء سے کہا کہ وہ بخت نصر کو یقین دلائیں کہ

اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہوگی اور وہ اس مہم میں کامیاب ہوں گے نیز بخت نصر کو یہ حکم بھی دیں کہ وہ عرب کے سردار عدنان کے بیٹے معد کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ معد کی عمر اس وقت بارہ برس کی بیان کی جاتی ہے۔ بخت نصر کو حکم دیا گیا کہ وہ معد کی حفاظت اور تربیت کا پورا پورا اہتمام کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایک عظیم شان والے نبی کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بخت نصر نے عرب پر یلغار کی تو عرب کے سارے جنگجو عدنان کی قیادت پر متفق ہو کر جمع ہو گئے۔ بخت نصر اور عدنان کے درمیان ذات العرق کے مقام پر میدان لگا جس میں خدا تعالیٰ کے اعلان کے مطابق اہل عرب جن میں حضرت شعیبؑ کے قاتلین بھی شامل تھے' کو شکست ہوئی اور بخت نصر بے شمار مال غنیمت اور قیدی مرد وزن لے کر واپس لوٹا۔ اس نے ان قیدیوں کو عراق میں دریائے فرات کے کنارے ابناء کے شہر میں آباد کیا حکم خدا کے مطابق دونوں نبی عدنان کے بارہ سالہ فرزند معد کو اپنے ساتھ لے آئے اور حران میں اپنے ساتھ ٹھہرایا۔ دونوں نے معد کو آسمانی کتب کی تعلیم دی اور ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ عدنان کی قیادت میں عرب متحد تھے۔ ان کی وفات کے بعد سب منتشر اور پریشان ہو گئے۔ جس سے عرب ویران ہو گیا۔ دوسری طرف بخت نصر بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ عدنان کے فرزند معد دونوں انبیاء کے ساتھ مکہ مکرمہ لوٹے۔ سب نے مل کر فریضہ حج ادا کیا۔ معد نے پہلے اپنا گھر بنایا۔ عدنان پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت اللہ شریف کو غلاف پہنایا۔ علماء عدنان کو عدن سے مشتق بتاتے ہیں۔ علامہ احمد بن زینی دحلان اس کے معنی قائم اور باقی رہنا بتاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کے شر سے انہیں محفوظ رکھنے کیلئے فرشتے مقرر کر دیئے تھے۔

معد

معد عدنان کے صاحبزادے تھے' ان کی عمر ابھی بارہ برس تھی کہ بخت نصر نے عرب قبائل پر حملہ کر دیا۔ اللہ کے حکم سے دو انبیاء نے معد کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ بخت نصر نے معد کو قتل کرنا چاہا تو دونوں انبیاء نے اسے روک دیا اور اسے بتایا کہ ان کی نسل سے ایک جلیل القدر نبی پیدا ہونے والا ہے۔ بخت نصر کی موت کے بعد معد ان انبیاء کے ساتھ مکہ واپس آئے اور اپنے بھائیوں کو یمن سے بلا کر مکہ میں آباد کیا۔ بخت نصر کے حملے اور انبیاء کی معد کی حفاظت

والی روایت علامہ زینی دحلان اور علامہ ابن خلدون نے بھی بیان کی ہے۔ علاوہ ماوردی کے مطابق اولاد اسماعیل علیہ السلام کے شرف و بزرگی کی بنیاد رکھنے والا پہلا شخص عدنان کا فرزند معد تھا۔ معد نے تہامہ پر قبضہ کرلیا جس کے باعث ان کی حکومت قائم ہوگئی۔ ان کے ہر حکم کی تہامہ کے عرب قبائل تعمیل کرتے۔ عرب کا مشہور شاعر مہلیل لکھتا ہے کہ:

ہمارا علاقہ تہامہ تمام اس وجہ سے امیر اور خوشحال ہوگیا کہ وہاں معد کی اولاد سکونت پذیر تھی۔ (اعلام النبوۃ الماوردی)

معد جنگ و جدال کے لئے ہر وقت تیار رہتے' انہیں لڑائی کا بے حد شوق تھا جس کے باعث لڑنے کے ہنر کی باریکیوں سے آگاہ تھے۔ فارغ وقت میں معد پہلوانی جیسی ورزشیں اور لڑائی کی مشق کیا کرتے لڑائی میں مہارت کے باعث آپ کو ابوالحرب بھی کہا جاتا ہے۔ آپ بہت چوڑے چکلے اور مضبوط جسم والے تھے۔

نزار

تہامہ کے سردار معد کے ہاں جب بیٹے کی پیدائش ہوئی تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً حکم دیا کہ بہت سے اونٹ ذبح کر کے تمام اہل تہامہ کی دعوت کا اہتمام کیا جائے۔ دعوت میں امیر غریب اپنے بیگانے سب مدعو تھے۔ آپ نومولود کو بار بار دیکھتے اور بار بار اور زیادہ دیکھنے کی خواہش ہوتی۔ سب بچے کی خوبصورتی پر رشک کررہے تھے۔ کسی نے پوچھا اے سردار بچے کی پیدائش کون سی ایسی بڑی بات ہے کہ آپ ہر چیز صدقہ کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ معد نے کہا کہ اس نعمت خداوندی کا شکر ادا کرنے کے لئے میں نے جو کچھ خرچ کیا ہے' وہ بہت حقیر چیز ہے۔ میں نے جتنا کثیر صدقہ کیا ہے' یہ سب اس بچے کی پیدائش کی برکتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ آپ نے کہا اِنَّ هٰذَا كُلُّهُ نَزْرٌ" لِحَقِّ هٰذَا الْمَوْلُوْدِ (اس وجہ سے ان کا نام نزار مشہور گیا) نزار اپنے زمانے میں تمام لوگوں سے زیادہ وجیہہ اور حسین تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ عقل و فہم میں بھی کوئی ان جیسا نہ تھا۔ نزار کی شخصیت بہت باوقار تھی۔ اس پر مزید یہ کہ حسن و فہم نے ان کو مزید جاذب نظر بنا دیا تھا لہٰذا یہ جب کسی سردار کے پاس جاتے تو بڑے بڑے سرداران کے رعب کے باعث بڑا احترام کرتے اور ان سے بہت محبت سے پیش آتے۔

بعض کتب میں سردار کے بجائے بادشاہ لکھا گیا ہے جو درست نہیں کیونکہ اس وقت پورے عرب کے سیاسی نظام میں صرف ایک دو بادشاہ تھے جن سے نزار کی ملاقاتیں ثابت نہیں ہوتیں۔

مضر

نزار کے فرزند مضر بھی اپنے باپ کی طرح نہایت خوبصورت تھے۔ پیر محمد کرم شاہ احمد بن زینی دحلان کے یہ الفاظ لکھتے ہیں کہ مضر اپنے حسن و جمال کی وجہ سے دلوں کو اپنا شیدائی بنا لیتے تھے جو شخص بھی ان کو دیکھتا' ان کا دیوانہ ہو جاتا کیونکہ ان کے چہرے پر بھی نور مصطفوی کے جلوے ضوفشاں ہوا کرتے تھے۔ مضر نہایت عقلمند اور دانا تھے۔ آپ کے کئی اقوال اس دور کے عربی ادب میں محفوظ ہیں۔ آپ کہا کرتے تھے کہ:

اپنے نفسوں کو مشکل باتوں کا عادی بناؤ اور ہوا و ہوس سے ان کا رخ پھیرے رکھو۔

بہترین بھلائی وہ ہے جو فوری کی جائے۔

صلاح اور فساد میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کسی دودھ دینے والے جانور کو دوبارہ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔

علامہ ابن کثیر کا کہنا ہے کہ حدی خوانی کا آغاز آپ نے ہی کیا' آپ کی آواز اتنی سریلی تھی کہ جب آپ کچھ گا رہے ہوتے تو دور چراگاہوں میں چرنے والے اونٹ بھی ان کے پاس جمع ہو جاتے (یہ چار بھائی مضر' ربیعہ' ایاد اور انمار تھے) ان کے بارے میں ایک بڑی دلچسپ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ جب ان کے باپ نزار فوت ہونے لگے تو انہوں نے وصیت کی کہ (یہ سرخ رنگ کا قبہ (لباس) اور اس سے متعلقہ چیزیں ایاد کی ہیں۔ ندوہ مجلس اور اس سے متعلقہ چیزیں انمار کی ہیں' اسی طرح چاروں میں مرنے سے قبل ہی ترکہ بانٹ دیا پھر وصیت کی کہ اگر کسی بات پر تم بھائیوں میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو فیصلے کے لیے تم نجران کے افعی جرہمی کے پاس چلے جانا' اتفاق سے تقسیم جائیداد کے معاملہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ چاروں بھائی تصفیے کے لئے نجران روانہ ہوئے۔ دوران سفر مضر نے گھاس دیکھی جس کو کسی اونٹ نے چرا تھا' وہ کہنے لگا جس اونٹ نے اس گھاس کو چرا ہے' وہ کانا ہے۔ ربیعہ نے کہا کہ وہ لنگڑا ہے۔ تیسرے بھائی ایاد نے کہا کہ وہ دم بریدہ ہے' چوتھے بھائی انمار نے کہا کہ وہ بھاگا ہوا ہے۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ انہیں ایک شخص ملا اس نے کجاوہ سر پر اُٹھایا ہوا تھا'

اس نے ان چاروں سے پوچھا کہ انہوں نے کہیں کوئی اونٹ تو نہیں دیکھا۔ مضر نے کہا کہ وہ کانا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ ربیعہ نے پوچھا کیا تمہارا اونٹ لنگڑا ہے اس نے کہا ہاں' ایاد نے پوچھا کیا وہ دم کٹا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں' اب انمار بولا' کیا وہ بھاگا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں: خدارا مجھے بتایئے کہ میرا اونٹ کہاں ہے' چاروں بھائیوں نے کہا کہ ہم نے تو اسے نہیں دیکھا۔ بدو نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ چاروں اس کی نشانیاں ٹھیک بتا رہے ہیں لیکن اونٹ کو دیکھا بھی نہیں' جھگڑا بڑھا تو وہ بھی فیصلے کے لئے افعی کے پاس پہنچ گیا۔ بدو نے کہا کہ ان لوگوں نے میرا اونٹ دیکھا لیکن اس بارے بتا نہیں رہے۔ افعی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بغیر دیکھے ساری نشانیاں کیسے بیان کردیں۔ مضر نے کہا کہ میں نے جب اس گھاس کو دیکھا جس کو اس نے چرا ہے تو وہ ایک طرف سے چری ہوئی تھی' دوسری طرف سے جوں کی توں لہلہا رہی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ وہ کانا ہے جو دیکھا ہے' اسے چر لیا جو نہ دیکھا چھوڑ دیا۔ ربیعہ نے کہا کہ اس کے ایک پاؤں کے نشان بالکل واضح اور دوسرے پاؤں کے نشان ادھورے تھے۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ لنگڑا ہے۔ ایاد نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ اس کی مینگنیاں صحیح سالم ہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ اس کی دم کٹی ہوئی ہے ورنہ اس کی مینگنیاں ٹوٹی ہوئی ہوتیں۔ انمار نے کہا میں نے دیکھا کہ اس نے گنجان گھاس چرنے کے لئے منہ ڈالا ہے لیکن اسے ادھورا چھوڑ کر آگے نکل گیا ہے۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ وہ بھاگا ہوا ہے۔ اس لئے اطمینان سے گھاس نہیں چر رہا۔ یہ سن کر جرہمی نے اس اونٹ کے مالک کو کہا کہ جاؤ ان لوگوں کے پاس تمہارا اونٹ نہیں پھر اس نے پوچھا آپ لوگ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نزار بن معد کے بیٹے ہیں اور آپ سے اس طرح کا فیصلہ کرانے آئے ہیں۔ اس نے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنی فہم و فراست کے مالک فیصلہ کرانے میرے پاس آئے ہیں۔ اس نے چاروں بھائیوں کی دعوت کی۔ آخر میں شراب پیش کی' کھانے سے فارغ ہو کر مضر نے کہا کہ ایسی بہترین شراب عمر بھر نہیں پی۔ کاش اس کے انگور کی بیل قبر پر نہ اگی ہوتی۔ ربیع نے کہا کہ ایسا لذیذ گوشت آج تک نہیں کھایا۔ کاش اس بکری کی پرورش کتیا کے دودھ سے نہ کی گئی ہوتی۔ ایاد نے کہا کہ میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا۔ کاش اس کی نسبت غیر باپ کی طرف نہ کی گئی ہوتی۔ انمار نے کہا کہ میں نے آج تک ایسی گفتگو نہیں

سی جو ہمارے مقصد کے لئے مفید ہو۔ جرہمی نے ان کی باتیں سنیں تو حیرت سے بت بن گیا۔ وہ اپنی ماں کے پاس گیا اور اپنے باپ بارے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں ایک سردار کی منکوحہ تھی۔ وہ لاولد تھا' میں نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ لاولد مر جائے چنانچہ میں نے ایک شخص سے بدفعلی کی جس سے تو پیدا ہوا جرہمی نے اپنے باورچی سے شراب بارے پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میں نے تمہارے باپ کی قبر پر انگور کی ایک بیل لگائی تھی۔ یہ شراب ان انگوروں سے کشید کی گئی۔ اب اس نے اپنے چرواہے سے گوشت کے بارے دریافت کیا' اس نے بتایا کہ بکری نے بچہ جنا اور مر گئی۔ میں نے اس بچے کی پرورش کتیا کے دودھ سے کی جرہمی چاروں بھائیوں کی ذہانت سے مبہوت ہو گیا۔

اس نے چاروں بھائیوں سے پوچھا کہ اے دانشمندان عرب تمہیں ان تمام باتوں کی اصلیت کیسے معلوم ہوئی۔ اس پر چاروں نے کہا کہ ہم نے جوں جوں شراب پی افسردگی واداسی کی کیفیت ہم پر ہوئی جبکہ شراب کی یہ خوبی ہے کہ اسے پی کر نشاط وخوش دلی کے احساسات جاگتے ہیں۔ ہم نے اندازہ کیا کہ شراب کیلئے انگور کس افسردہ جگہ سے حاصل کئے گئے۔ نباتات پر بھی ماحول کا اثر ہوتا ہے لہٰذا شراب بارے اس طرح اندازہ کیا کہ یہ قبر پر اُگے انگوروں سے کشیدہ ہے۔ اس کے بعد وہ بولے جو بھیڑ بکری اپنی ماں کے دودھ پر پلی ہو تو اس کا گوشت نیچے اور چربی اوپر ہوتی ہے جبکہ کتیا کے دودھ سے پلنے والے جانور کی چربی نیچے اور گوشت اوپر ہوتا ہے۔

تیسرے قیاس بارے کہا کہ ہم عرب ہیں تو بھی عرب کہلاتا ہے۔ ہم نے آپ کے آداب میزبانی سے اندازہ لگایا کہ آپ غیر عرب ہیں۔ ہمارے ہاں میزبان کھانا ساتھ کھاتے ہیں جبکہ آپ کھانا سجا کر باہر نکل گئے جس سے معلوم ہوا کہ آپ کی رگوں میں غیر عرب خون ہے جبکہ آپ ایک عرب کے فرزند کہلاتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا کہ آپ ولد الحرام ہیں۔ جرہمی یہ گفتگو سن کر ساکت رہ گیا اور ان کے درمیان فیصلہ کر کے نہایت تکریم سے رخصت کیا۔

علامہ زینی دحلان سیرت کی کتاب میں یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ ربیعہ اور مضر کو برا مت کہو کیونکہ وہ دونوں مومن تھے۔ دوسری روایت ہے کہ مضر کو برا بھلا نہ کہو کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھا۔ مضر کی قبر روحاء کے علاقے میں بیان کی جاتی ہے۔

الیاس

عرب کے لوگ انہیں سید العشیرہ کے لقب سے پکارتے تھے۔ سب سے پہلے بیت اللہ

شریف میں قربانی کا جانور لے کر جانے والے الیاس ہی ہیں۔ علامہ زینی دحلان ہی یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ "الیاس کو برا بھلا مت کہو وہ مومن تھے۔ اہل عرب میں ان کی مثال ایسی تھی جیسے لقمان حکیم اپنی قوم میں۔"

علماء انساب سے منقول ہے کہ جب الیاس جوان ہوئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں' ان پر انہیں سخت تنبیہہ کی اور تلقین کی کہ اپنے جلیل القدر باپ کی سنت اور طریقوں کی پابندی کریں۔ آپ کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور قوم نے پھر سے سیدھے راستے کو اختیار کر لیا جو ان کے صالح بزرگوں نے اپنے لئے پسند کیا تھا۔ آپ قبائل عرب کے سردار ہونے کے ناطے جملہ امور کا فیصلہ کرتے آپ کے اقوال میں سے چند ملاحظہ کریں۔

جو خیر کو بوتا ہے' وہ خوشی کی فصل کاٹتا ہے

جو برائی کو بوتا ہے وہ ندامت کی فصل کاٹتا ہے

مدرکہ

مدرکہ کا اصل نام عمرو تھا۔ علامہ طبری کے مطابق ان کی والدہ خندف کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کا نام لیلیٰ بنت حلوان تھا۔ لیلیٰ بنت حلوان کا تعلق یمن کے ایک قبیلے سے تھا۔ اپنی خوبیوں اور صفات کے باعث انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی اولاد کو باپ کے بجائے ان کی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ ایک روز عمرو اور ان کا بھائی عامر جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے کہ انہیں شکار مل گیا۔ دونوں بھائی اسے پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اچانک ایک خرگوش چھلانگیں لگاتا ہوا وہاں سے گزرا۔ اس سے ڈر کر اونٹ بدکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ عمرو نے عامر سے پوچھا۔ اونٹوں کے پیچھے جاؤ گے یا شکار پکاؤ گے۔ اس نے شکار پکانے کی حامی بھری۔ عمرو دوڑے اور تمام اونٹوں کو ہانک لائے' شام کو باپ کو واقعہ سنایا تو انہوں نے عمرو کو کہا تم مدرکہ اور عامر کو کہا کہ تم طانجہ ہو۔

خزیمہ

ان کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت اسلم تھا۔ ان کے ایک بھائی کا نام ہذیل تھا۔ ماں کی طرف سے بھی ان کا ایک بھائی تھا۔ اس کا نام تغلب بن حلوان تھا۔ خزیمہ کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔

خزیمہ کے ان بیٹوں بارے تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ لوگوں پر ان کے انعامات واحسانات بے شمار ہیں۔ ان کے فضائل ومکارم کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے کہ فضائل ومکارم جتنے تھے وہ تو سب کے سب تیزی سے خزیمہ کی ذات میں جمع ہو گئے تھے اور ان میں کوئی کمر باقی نہ رہا۔ سبل الہدیٰ والرشاد میں لکھا ہے کہ خزیمہ کی وفات ملت ابراہیمی پر ہوئی۔

کنانہ

امام طبری کے بقول ان کی والدہ کا نام عوانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان تھا جبکہ بعض ان کی والدہ کا نام ہند بنت عمرو بن قیس بتاتے ہیں۔ امام محمد بن یوسف کنانہ کا مطلب ترکش بیان کرتے ہیں۔ ان کی کنیت ابوالنضر تھی۔ ایک روز کنانہ حطیم میں سو رہے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ انہیں کہا گیا کہ ان چار چیزوں میں سے ایک چن لو۔ گھوڑے، اونٹ، تعمیرات اور دائمی عزت، آپ نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے یہ ساری نعمتیں عطا کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور قریش کو یہ ساری نعمتیں عطا فرما دیں۔

نضر

نضر کا اصل نام قیس تھا۔ چہرے کی دمک اور حسن کے باعث قیس نضر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ان کی والدہ کا نام برہ بنت مر بن اد بن طانجہ تھا۔ ابو عثمان الجاحظ ایک آزاد منش محقق تھے، وہ لکھتے ہیں:۔

"کنانہ کے والد خزیمہ کا جب انتقال ہوا تو زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کی بیوہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا لیکن وہ جلد ہی فوت ہو گئیں۔ ان کے شکم سے کوئی بیٹا پیدا ہوا نہ کوئی بیٹی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد کنانہ نے اپنی پہلی بیوی کے بھائی کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا۔ جس کا نام برہ بنت مر بن اد بن طانجہ ہے۔ ان کے شکم سے کنانہ کے فرزند النضر پیدا ہوئے۔" بہت سے لوگوں نے جب یہ سنا کہ کنانہ نے اپنے باپ کی بیوہ کو اپنی زوجیت میں لیا ہے تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ کنانہ نے اپنے باپ کی بیوہ کو زوجیت میں لے لیا اور اس کے شکم سے نضر پیدا ہوئے۔" اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں بیویوں کے نام بھی ایک تھے اور ان کا باہمی رشتہ بھی قریبی تھا لیکن ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس

سے کہ ہم اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پاک پر ناپسندیدہ اور مبغوض نکاح کا داغ لگائیں حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ابتداء سے آخر تک اسلامی نکاح کے مطابق ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتا رہا۔

مالک

ان کی والدہ کا نام عاتکہ ہے بعض نے عکرشہ کو ان کی والدہ بتایا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسری خاتون ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عاتکہ ان کا نام اور عکرشہ لقب تھا اور یہی مالک کی والدہ تھیں۔ نضر لوگوں کی ضروریات بارے ان سے دریافت کیا کرتے اور ان کی حاجات پوری کرتے' اس لئے انہیں قریش کہا گیا جو قریش سے ماخوذ ہے جس کے معنی تفتیش کرنا ہے۔ اپنے نامور والد کی طرح نضر کی اولاد بھی موسم حج میں حجاج کے پاس جاتی اور لوگوں کی خیریت دریافت کرتی۔ لوگوں کو کچھ ضرورت ہوتی تو اسے پورا کرتے۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ نضر کا نام قریش تھا۔ اس لئے ان کی اولاد قریش کہلائی بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ بے شک نضر اور اس کی اولاد میں غریب پروری اور مسافر نوازی کی صفات تھیں بااین ہمہ انہیں بنونضیر ہی کہا جاتا تھا۔ یہ قبیلہ قریش کے لقب سے اس وقت مشہور ہوا۔ جب قصی نے اطراف عرب میں سے اپنے قبیلے کے منتشر افراد کو مکہ میں جمع کیا۔ اس وقت لوگوں نے کہا کہ نضر کی اولاد جمع ہوگئی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن کے فرزند ابی سلمہ سے منقول ہے کہ جب قصی حرم میں اترا اور زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی اور پسندیدہ کام کئے تو اس وقت اسے قریش کہا گیا اور وہی پہلے شخص ہیں جنہیں قریشی کے نام سے پکارا گیا۔

فہر بن مالک

فہر کی والدہ کا نام جندلہ بنت عامر بن حارث بن مضاض الجرہمی تھا۔ یہ جماع قریش کے نام سے مشہور تھے۔ اپنے دور میں فہر اہل مکہ اور نواح کے قبیلوں کے سردار تھے۔ حسان بن عبدالکلال الحمیری نے یمنی قبائل کے بہت بڑے لشکر کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تاکہ وہ پتھر جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔ انہیں اکھیڑ کر لے جائیں اور ان پتھروں سے اپنے ہاں کعبہ تعمیر کریں اور لوگوں کو حکم دیں کہ وہ حج کرنے کیلئے مکہ کے بجائے یمن آئیں۔ ان کے بنائے ہوئے کعبہ کے گرد طواف کریں اور دیگر

مناسک حج ادا کریں۔ جب قریش اور دیگر قبائل نے یہ حالات دیکھے تو حسان کے ساتھ جنگ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے قریش اور دیگر عرب قبائل کے لشکر کے سپہ سالار فہر تھے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ جنگ میں حسان الحمیری کو شکست ہوئی۔ اسے جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ فہر کے بیٹے حارث نے اسے قید کیا تھا۔ عربوں کا بھی کافی جانی نقصان ہوا۔ فہر کے پوتے قیس بن غالب بن فہر اس جنگ میں کام آئے، حسان تین برس تک مکہ میں بطور جنگی قیدی رہا آخر اس نے فدیہ ادا کر کے رہائی پائی۔ وہ اپنے وطن لوٹ رہا تھا کہ راستے ہی میں مر گیا۔

غالب

ان کی کنیت ابو تیم تھی، ان کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام لوی اور دوسرے کا نام تیم تھا۔ بنی تیم کے جداعلیٰ یہی تیم تھے جو غالب کے بیٹے تھے۔

لوی

لوی کی والدہ کا نام عاتکہ بنت یخلد بن نضر بن کنانہ تھا، قریش میں عاتکہ نام کی خواتین جن کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پاک میں آتا ہے ان میں سے یہ پہلی عاتکہ ہیں۔ لوی کے دو سگے بھائی تھے۔ تیم کی ٹھوڑی میں نقص کی وجہ سے انہیں تیم الادرم کہا جاتا تھا۔ دوسرے بھائی کا نام قیس تھا۔ ان کی کوئی اولاد باقی نہیں، ان کے خاندان کے آخری فرد نے خالد بن عبداللہ القبشری کے زمانے میں وفات پائی۔ ان کی میراث کا حق دار کوئی فرد زندہ نہ رہا۔ لوی کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کی صفات سے متصف فرمایا۔ بچپن میں ہی آپ کی زبان سے ایسے جملے نکلتے جو ضرب المثل بن جایا کرتے۔

کعب

کعب کی شخصیت بڑی ممتاز تھی، وہ ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ قریش کو جمع کرتے اور انہیں خطاب فرماتے۔ ان کے خطابات ان کے سچے مومن ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے۔ انہیں نبی پاکؐ کی بعثت کی بشارت دیتے اور یہ بتاتے کہ آخری نبی ان کی اولاد سے ہوں گے۔ اپنی قوم کو تاکید کرتے کہ اگر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نصیب ہو تو فوراً ایمان لائیں۔ کعب ایسے شعر پڑھتے جن سے اس محبت و وارفتگی کا

اظہار ہوتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے دل میں موجزن تھی۔ سبل الهدیٰ والرشاد میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے سے کعب کا خطبہ ان الفاظ میں مروی ہے۔

رات کی تاریکی چھا جاتی ہے اور دن کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

زمین پنگھوڑا ہے اور آسمان پختہ عمارت ہے۔ پہاڑ میخیں ہیں اور ستارے نشانات ہیں۔

یہ ساری چیزیں بے مقصد پیدا نہیں کی گئیں۔

تا کہ تم ان تکوینی آیات سے منہ پھیر لو

بعد میں آنے والوں کا حال بھی وہی ہوگا جو پہلوں کا ہوا۔

مرد بھی عورت کی طرح ہے۔ انسان جوڑا جوڑا اور تنہا فنا کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پس صلہ رحمی کرو اور اپنے وعدوں کو ایفا کرو۔ اپنے سسرال کی حفاظت کرو۔

اور اپنے اموال میں اضافہ کرتے رہو۔

کیونکہ ان اموال پر ہی تمہاری مروت واحسان کا دارومدار ہے۔

کیا کسی ہلاک ہونے والے کو تم نے دیکھا ہے کہ وہ لوٹ آیا ہو

یا کسی مردہ کو دیکھا ہے کہ وہ قبر سے اُٹھ کھڑا ہو۔ دار آخرت تمہارے سامنے ہے۔

اپنے حرم کو آراستہ کرو‘ اس کی تعظیم کرو اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

اس سے ایک بہت شاندار اور اہم خبر آئے گی اور اسی سے ایک نبی کریم ظاہر ہوں گے۔

یہی خوشخبری موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امتوں کو دی۔

پھر آپ اس طرح کے شعر پڑھتے۔

ہر روز دن میں اور رات میں واقعات رونما ہوتے ہیں

ہم پر ان کی رات اور ان کا دن یکساں ہیں

اور اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا اسم گرامی محمدؐ ہے‘ تشریف لائیں گے۔

اور ہمیں ایسی خبروں سے آگاہ کریں گے جن کا خبر دینے والا سچا ہوگا۔

بخدا کاش اس وقت میرے کان اور آنکھیں میرے پاؤں اور ہاتھ صحیح ہوں۔

تو میں اس دعوت کو پھیلانے کے لئے سر بلند کر کے کھڑا ہوتا جیسے اونٹ کھڑا ہوتا ہے۔

اور اس طرح فخر وناز سے چلتا جس طرح نر سانڈ چلا کرتا ہے۔

اے کاش میں اس وقت موجود ہوتا جب کہ یہ قبیلہ حق کو نامراد کرنے کیلئے مصروف عمل ہوگا۔

کعب کی موت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان پانچ صدیوں سے زیادہ کا عرصہ ہے' ان کے یہ ارشادات گواہ ہیں کہ وہ دین ابراہیمی پر کاربند تھے۔

کعب کی اہل عرب کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی۔ اہل عرب نے اپنی تاریخ کا آغاز ان کے یوم وفات سے کیا۔ عام الفیل تک یہی سن تاریخ استعمال کرتے رہے۔ عام الفیل کے بعد اس واقعہ سے اہل عرب نے تاریخ کا کام لینا شروع کیا۔ وہ حج کے دنوں میں لوگوں کو خطبہ دیا کرتے تھے اور آپ کا خطبہ مشہور ہے۔ خطبے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں بھی لوگوں کو آگاہ کیا کرتے تھے۔ (الکامل الابن اثیر جلد دوم)

کعب پر حضرت عمر فاروق کا نسب نبی پاکؐ سے آملتا ہے۔

مرہ

مرہ بن کعب کی کنیت ابو یقظہ ہے۔ یہ حضورﷺ کے نسب میں چھٹے دادا ہیں۔ مرہ حضرت ابوبکرؓ کے بھی چھٹے دادا ہیں اور مرہ بن کعب پر حضرت ابوبکرؓ اور حضورﷺ کا سلسلہ نسب مل جاتا ہے۔

کلاب

کلاب کی کنیت ابوزہرہ ہے۔ ان کا نام حکیم ہے بعض علماء ان کا نام عروہ بتاتے ہیں۔ ان کو کلاب کے لقب سے پکارے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتوں کے ساتھ شکار کھیلا کرتے تھے۔ کلاب حضرت آمنہ کے تیسرے دادا تھے۔ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کا نسب جمع ہو جاتا ہے۔ عربی مہینوں کے موجودہ نام کلاب نے ہی تجویز کیے تھے۔

قصی

جناب قصی کا نام زید تھا اور آپ 400ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ان کی کنیت ابومغیرہ تھی۔ ان کو قصی کہنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کے والد کلاب کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیوہ فاطمہ بنت سعد اور دو بچے چھوڑے۔ بڑے کا نام زہرہ جبکہ دوسرے زید تھے جو اس وقت بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ ربیعہ بن حرام بن حنیبہ نے ان کی والدہ فاطمہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ جب وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر وطن روانہ ہونے لگا تو بڑے بھائی زہرہ کو قریب بلوغت دیکھ کر مکہ میں چھوڑ دیا اور زید کو کم سنی کی وجہ سے اپنے وطن ''عذرہ'' جو شام کی

سرحد کے قریب ہے۔ واپس جاتے ہوئے ساتھ لے گیا۔ زید نے ابتدائی سال اسی علاقے میں گزارے۔ ایک دن بنی قضاعہ کے کسی بچے نے انہیں غریب الوطنی کا طعنہ دیا تو آپ افسردہ ہو کر اپنی ماں کے پاس آئے اور ان سے حقیقت حال دریافت کی۔ ماں نے کہا کہ بیٹا آزردہ ہونے کی کیا بات ہے تو ایسے خاندان کا چشم و چراغ ہے جس کی سارے عرب میں عزت و تکریم کی جاتی ہے۔ تو اپنی ذات اور نسبت کے اعتبار سے یہاں کے لوگوں سے برتر ہے تو قریش کے مشہور سردار کلاب بن مرہ کا بیٹا ہے۔ تیرا قبیلہ مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں ہے۔ جب حج کا موسم آیا تو زید والدہ سے اجازت لے کر حاجیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ ان کی والدہ کے بطن سے ربیعہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رزاح بن ربیعہ تھا۔ ربیعہ کی دوسری بیوی سے بھی اس کے کئی بیٹے بیٹیاں تھیں۔

مکہ آ کر زید کچھ عرصہ اپنے بڑے بھائی زہرہ کے ساتھ رہائش پذیر رہے۔ جب جوان ہو گئے تو بنی خزاعہ کے سردار حلیل کی لڑکی حبی بنت حلیل کا رشتہ طلب کیا۔ حلیل اس وقت کعبہ کا متولی تھا۔ اس نے آپ کے خاندان کی شرافت کو دیکھتے ہوئے اپنی بیٹی کا نکاح قصی سے کر دیا' جس کے بطن سے آپ کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ عبدالدار' عبدالمناف' عبدالعزیٰ' عبد بن قصی۔

حلیل بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کعبہ کی تولیت کے فرائض انجام دینے سے قاصر ہے۔ اس نے اپنی بیٹی حبی کو اپنی جگہ متولی بنا دیا۔ حبی نے کہا کہ میں نہ تو کعبہ کا دروازہ کھول سکتی ہوں اور نہ ہی بند کر سکتی ہوں۔ اُس نے دروازہ کھولنے اور بند کرنے کی ذمہ داری اپنے بیٹے ابوغبشان کے سپرد کر دی۔ قصی نے شراب کا ایک مشکیزہ اور سارنگی کے عوض ابوغبشان سے کعبہ کی تولیت کا حق خرید لیا۔

بنوخزاعہ کو قصی کے متولی بننے نے برافروختہ کر دیا۔ اُنہوں نے تلوار کے زور سے یہ حق چھیننے کا فیصلہ کر لیا۔ قصی نے بھی اپنے بھائیوں کو مدد کیلئے پکارا۔ قصی کے مکہ میں موجود بھائی زہرہ اور ''عذرہ'' میں مقیم ماں کی جانب سے بھائی ارزاح بن ربیعہ اپنے تین دوسرے بھائیوں' ہمدردوں اور قبیلہ قضاعہ کے جوانوں کا لشکر لے کر مکہ پہنچ گئے' خوب جنگ ہوئی' دونوں طرف کے کئی آدمی مارے گئے مگر فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا چنانچہ طے پایا کہ فریقین عمرو بن عوف بن کعب کو اپنا ثالث مقرر کر لیں اور وہ جو فیصلہ کرے' اسے تسلیم کر لیں گے۔ علامہ احمد

بن زینی الدحلان السیرۃ النبویہ میں تحریر کرتے ہیں کہ جب فریقین نے عمرو کو اپنا حاکم مان لیا تو اس نے کہا کہ کل صحن کعبہ میں آپ کے جھگڑے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ دوسرے روز جب دونوں فریق صحن کعبہ میں جمع ہو گئے تو عمرو بن عوف کھڑا ہو گیا۔ اس نے اعلان کیا کہ کان کھول کر سن لو۔ فریقین کے درمیان جو خونریزی ہوئی ہے، میں نے اس کو اپنے ان دو قدموں کے نیچے روند دیا ہے۔ پس کسی فریق کے مقتولوں کا خون بہا دوسرے فریق پر نہیں تولیت کعبہ کے بارے میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کعبہ کا متولی میں قصی کو مقرر کرتا ہوں۔

کعب بن لوی کی اولاد میں سے قصی پہلا شخص ہے جس کو حکومت ملی اور ساری قوم نے برضا و رغبت ان کی اطاعت قبول کی۔ قصی کی شخصیت میں ہی حجابہ، افادہ، سقایہ، ندوۃ اور اللواء کے اعزازات جمع ہو گئے۔ اس نے تمام لوگوں کو اپنے اپنے حصے میں رہائشی مکانات بنانے کی اجازت دے دی۔ قصی کی دانشمندانہ اور جرأت مندانہ قیادت کے طفیل قریش کو عزت کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس باعث وہ قصی کے احسان مند تھے۔ اس کے ہر حکم کو دل و جان سے بجا لاتے ہر جوڑے کی شادی قصی کے گھر طے پاتی۔ جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو ساری قوم اس کے گھر میں جمع ہوتی۔ جنگ کی نوبت آتی تو جنگی علم باندھنے کا فریضہ قصی انجام دیتے۔ قصی نے ایک عمارت تعمیر کی، جس کا نام دارالندوہ رکھا گیا۔ اس کا دروازہ حرم شریف میں کھلتا تھا۔ قصی اس میں بیٹھ کر قوم کے مسائل باہمی مشورہ سے حل کرتے۔ ان کے حکم پر بچے بوڑھے سب وہاں حاضر ہو جاتے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے نابت نے زمام کار اپنے ہاتھ میں لی۔ ان کے بارہ بھائیوں اور اولاد نے کثیر قبیلہ کی شکل اختیار کر لی۔ نابت کی وفات کے بعد مفاض بن عمرو جرہمی نے بیت اللہ شریف کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصہ تو معاملات ٹھیک رہے لیکن پھر اقتدار نے ان کا دماغ خراب کر دیا اور وہ برائیوں میں گرفتار ہو کر دین حنیفہ سے دور ہو گئے۔ مکہ مکرمہ سے بنو جرھم کے اقتدار کا خاتمہ اس وقت ہوا جب بنو خزاعہ نے بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ اور بنی غبشان بن عبد عمرو قبائل نے مل کر بنو جرھم کے ساتھ جنگ کی۔

بنو خزاعہ عرصہ دراز تک مکہ مکرمہ پر حکمرانی کرتے رہے۔ ان کا ایک بد بخت فرد عمرو بن

لحی جو اپنے زمانہ میں اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ وہ ملک عرب میں بت پرستی کی لعنت پھیلانے کا باعث بنا۔ آخرکار قصی نے اس کا تختہ اُلٹ دیا۔ اس طرح صدہا سال بعد سیدنا اسماعیلؑ کی اولاد کو اپنا کھویا ہوا مقام واپس مل گیا۔ (تاریخ ابن خلدون جلد دوم)

قصی کے چار فرزند تھے۔ بڑے بیٹے کا نام عبدالدار ان سے چھوٹے عبد مناف تھے۔ عمر کے لحاظ سے عبدالدار اگرچہ بڑے تھے لیکن عبد مناف کی ذاتی خوبیوں کے باعث ساری قوم ان کی گرویدہ تھی۔ ان کی سخاوت کے باعث قریش ان کو الفیاض کے لقب سے پکارتے تھے۔ قصی کو بڑے بیٹے سے زیادہ محبت تھی۔ اُنہوں نے پانچوں مناسب پر عبدالدار کو فائز کر دیا لیکن امام محمد بن یوسف الصالحی لکھتے ہیں۔

''قصی نے اپنے مناصب کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ سقایہ اور ندوہ عبد مناف کو تفویض کیا۔ ان کی ذریت میں سے نبی پاکؐ پیدا ہوئے۔ حجابہ اور لواء عبدالدار کو دیا یعنی خانہ کعبہ کی خدمت اور جھنڈا اور ایام منیٰ میں حاجیوں کی میزبانی کا فریضہ عبدالعزیٰ کو سونپا ان کی اجازت کے بغیر کوئی اپنا چولہا گرم نہیں کر سکتا تھا اور وادی کی حفاظت کی ذمہ داری عبد قصی کو سونپی۔'' یہی قول درست ہے۔ قصی کو وفات کے بعد حجون میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد سارے لوگ اپنی میتوں کو وہیں دفن کرنے لگے۔

قصی کے چند حکیمانہ اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

جس نے کسی سفلہ مزاج اور کمینہ خصلت آدمی کا احترام کیا۔ وہ گویا اس کی کمینگی میں حصہ دار ہے۔ عزت و تکریم سے جس کی اصلاح نہیں ہوتی۔ ذلت و رسوائی اس کی اصلاح کر دیتی ہے۔

عبد مناف

عبد مناف کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے بطحا کا چاند کہا جاتا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں ایک پتھر ملا جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔ ''میں مغیرہ بن قصی ہوں۔ میں قریش کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کریں اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ عبد مناف بتوں سے بغض رکھتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا نور ان کے چہرے پر چمکتا تھا۔"

اپنی سخاوت اور غیر معمولی سیاسی فہم و فراست کی وجہ سے اپنے والد کے بعد یہی اپنی قوم کے سردار مقرر ہوئے۔

ہاشم

عبد مناف کے چار بیٹے ہاشم' مطلب' عبد شمس' نوفل تھے۔ اپنے باپ کی تقسیم پر نہ عبد مناف نے کوئی اعتراض کیا اور نہ ان کی زندگی میں ان کے بیٹوں نے عبد الدار کے بیٹوں سے کوئی جھگڑا کیا مگر جب دونوں بھائی عبد الدار اور عبد مناف فوت ہو گئے تو عبد مناف کے بیٹے خاموش نہ رہ سکے۔ وہ اپنے آپ میں شجاعت اور سخاوت کی موجود بلند خوبیوں کے باعث چچا زاد بھائیوں کی نسبت مناصب کے خود کو زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ آخر انہوں نے اپنا حق لینے کا ارادہ کر لیا۔ بنو عبد مناف' بنو زہرہ' بنو اسد' بنو تیم بن مرہ بنو حارث اور بنو فہر نے خوشبو والے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر بنو عبد مناف کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔

بنو عبد الدار نے بھی مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ ان کا ساتھ دینے کے لئے بنو مخزوم' بنو ہم' بنو جمح' بنو عدی بن کعب نے خون سے بھرے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر عہد کیا۔ بعض دانشمند افراد کی کوششوں سے ان کے درمیان یہ طے پا گیا کہ رفادہ' قیادہ اور سقایہ کے مناصب عبد مناف کے بیٹوں کو ملیں گے۔ حجابہ اور لواء کے مناصب عبد الدار کے بیٹوں کے سپرد کیے جائیں گے اور دار الندوہ دونوں کے درمیان مشترک رہے گا۔

چنانچہ گھڑ سوار دستوں کی قیادت عبد شمس بن عبد مناف کو دی گئی۔ عبد شمس کے بعد امیہ' امیہ کے بعد حرب اور حرب کے بعد ابو سفیان کو یہ منصب ملا۔ جنگ کے وقت لشکر کے سپہ سالار اس خاندان کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ افادہ کا منصب عبد مناف کے بعد ہاشم کو ان کے بعد عبد المطلب کو ان کے بعد ابو طالب کو ان کے بعد ان کے بھائی عباس کو ملتا رہا۔ یہ سلسلہ بنو عباس میں ان کی خلافت کے خاتمہ تک جاری رہا۔ سقایہ کا منصب بھی عبد مناف کے بعد ہاشم' ان کے بعد مطلب کو ملا۔ جب ہاشم کے فرزند شیبہ (عبد المطلب) بڑے ہو گئے تو انہیں ملا۔

حضرت ہاشم کا نام عمرو یا عمر تھا۔ یہ اور عبد شمس جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ جب پیدا ہوئے

تو ہاشم کے پاؤں کا انگوٹھا عبد شمس کے سر کے ساتھ چسپاں تھا۔ اس کو الگ کرنے کیلئے تیز دھار آلہ استعمال کیا گیا جس سے خون کے چند قطرے ٹپک پڑے۔ جس پر لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ ان کی اولاد کے درمیان خون ریزی ہوگی۔

ہاشم اور ان کے بھتیجے امیہ کے درمیان عداوت کی پہلی وجہ حسد تھی۔ ہاشم کی سرداری اور بلند حیثیت دیکھ کر امیہ ان سے بڑا بننے کی کوشش کرتا۔ آخر اس نے مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ عسفان کے کاہن کو فیصلے کا اختیار دیا گیا۔ کاہن نے کہا کہ قسم ہے چمکنے والے چاند کی، دمکنے والے ستارے کی۔ برسنے والے بادل کی اور فضا میں اڑنے والے پرندوں کی کہ ہاشم امیہ سے مفاخر میں گوئے سبقت لے گیا۔

امیہ بازی ہارنے کے باعث طے شدہ شرط کے مطابق دس سال تک شام میں خود اختیار کردہ جلاوطنی کی زندگی گزارتا رہا۔

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ قریش کے ہاں جاہلیت کے زمانے میں ایک رسم ''احتفاد'' کے نام سے مروج تھی۔ جب کوئی خاندان مفلس و قلاش ہو جاتا۔ وہ شہر سے دور صحرا میں نکل جاتے۔ وہاں جا کر اپنے خیمے نصب کر دیتے پھر ان خیموں میں روپوش ہو جاتے، وہیں فاقوں سے دم توڑ دیتے اور کسی کو خبر نہ ہونے دیتے کہ وہ مفلس اور کنگال ہو گئے ہیں۔ جب ہاشم کو اس ہولناک رسم کا پتا چلا تو آپ نے اپنی قوم کو اکٹھا کر کے ایسے غریب خاندانوں کی مدد کرنے کا کہا اور سب کو اپنے مال میں سے کچھ حصہ ان مفلسوں کے لئے چھوڑنے پر تیار کر لیا۔ ہاشم نے ہر غنی کے ساتھ ایک مفلس خاندان کو ملا دیا۔ اس حکمت عملی سے ساری قوم جمع ہوگئی۔

ایک بار قحط کے باعث لوگوں کو کئی روز تک کھانے کو کچھ نہ ملتا۔ ہاشم شام سے آٹا اور گندم خرید کر لائے اور حج کے ایام میں لدے ہوئے اونٹوں کے ساتھ مکہ لوٹے۔ روٹیاں پکائی گئیں۔ اونٹ ذبح کئے گئے، ان کے گوشت کے سالن کو شوربے والا بنایا گیا۔ اس شوربے میں روٹیاں کوٹ کوٹ کر ثرید بنایا اور سب کو کھانے کی دعوت دی۔ اس وجہ سے آپ کا نام ہاشم پڑ گیا۔ ہاشم کا مطلب روٹیاں توڑ کر شوربے میں ملانے والا ہے۔

ہاشم وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قریش کے دو سفروں کا آغاز کیا۔ ایک تجارتی سفر سردیوں میں جبکہ دوسرا تجارتی سفر گرمیوں میں ہوتا۔ عبد مناف کے بیٹوں نے اہل مکہ کیلئے

مختلف حکمرانوں سے اجازت نامے حاصل کیے تھے تاکہ یہ لوگ ان ممالک سے آزادی کے ساتھ تجارت کر سکیں اور کوئی ان سے دسترس نہ کرے۔ یہ لوگ جہاں بھی جاتے وہاں کی حکومت ان کی جان اور تجارتی کاروانوں کی حفاظت کی ضمانت دیتی۔ حضرت ہاشم کی عمر ابھی پچیس سال تھی کہ آپ اپنے تجارتی کارواں کو لے کر شام کے علاقے میں گئے اور وہیں بیمار ہو کر وفات پائی۔ آپ کا مزار غزہ شہر میں ہے۔

حضرت ہاشم ایک دانشمند اور فطین شخص تھے۔ ان کا ایک خطبہ بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

''اے لوگو: ہم آل ابراہیم ہیں' اولاد اسماعیل ہیں' نضر بن کنانہ کے فرزند ہیں۔ قصی بن کلاب کے بیٹے ہیں اور مکہ کے مالک ہیں اور حرم میں رہنے والے ہیں۔ حسب کی بلندی اور بزرگی کی پختگی ہمارے لئے ہے' جس نے کسی کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہے۔ اس کی مدد ضروری ہے اور اگر وہ پکارے تو اس کو لبیک کہنا لازمی ہے۔ بجز اس کے کہ اس کی دعوت اپنے قبیلہ سے سرکشی اور قطع رحمی کی ہو۔ اے قصی کے بیٹو تم اس طرح ہو جس طرح درخت کی دو ٹہنیاں ہوتی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک ٹوٹ جائے تو دوسری بھی وحشت اور نقصان سے دو چار ہوتی ہے۔ تلوار کی حفاظت اس کی نیام ہی سے ہو سکتی ہے جو آدمی اپنے قبیلہ پر تیر اندازی کرتا ہے۔ وہ خود بھی اپنے تیر کا نشانہ بنتا ہے۔ اے لوگو: حلم اور بردباری بزرگی ہے' صبر کامیابی کی کلید ہے۔ اچھائی ایک خزانہ ہے اور سخاوت سرداری ہے اور جہالت کمینگی۔ دن بدلتے رہتے ہیں۔ زمانہ تغیر پذیر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنے کام کی طرف منسوب کیا جاتا اور اپنے عمل کے باعث اس سے باز پرس کی جاتی ہے۔ اچھے کام کرو لوگ تمہاری تعریف کریں گے۔ فضول باتوں سے دامن کش رہو۔ بے وقوف لوگ تم سے علیحدہ رہیں گے۔ اپنے ہم نشین کی عزت کرو' تمہاری مجلسیں آباد رہیں گی۔ اپنے شریک کار کی حفاظت کرو لوگ تمہاری پناہ لینے کے مشتاق ہوں گے۔ اپنی ذات کے ساتھ بھی انصاف کرو۔ تم پر اعتماد کیا جائے گا۔ مکارم اخلاق کی پابندی کرو کیونکہ اس میں تمہاری بلندی ہے اور کمینہ عادتوں سے دور رہو کیونکہ اس سے عزت خاک میں مل جاتی ہے اور ناموری کا قصر منہدم ہو جاتا ہے۔''

حضرت عبدالمطلب

عبد مناف کے چار بیٹوں میں سب سے بڑے ہاشم اور سب سے چھوٹے مطلب تھے۔

ہاشم کی شادی عمرو بن لبید الخزرجی کی بیٹی سلمٰی کے ساتھ ہوئی۔ سلمٰی کے ہاں جب بچے کی ولادت کا وقت آیا تو ہاشم نے انہیں ان کے میکے یثرب بھیج دیا۔ جب مولود مسعود پیدا ہوا تو اس کے سر کے بالوں میں چند سفید بال تھے۔ اس لئے انہیں شیبہ یعنی بوڑھا کہا جانے لگا اور یہی نام تجویز ہوا۔ ہاشم تجارتی کارواں کے ہمراہ شام گئے اور راستے میں فوت ہو گئے۔ شیبہ اور ان کی والدہ سلمٰی یثرب میں ہی رہ گئے۔ اس واقعے کے سات سال بعد بنو حرث بن عبد مناف کا ایک شخص یثرب سے گزرا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک بچہ نشانہ بازی کرتے ہوئے خود کو بطحاء کے سردار ہاشم کا بیٹا قرار دے رہا تھا۔ وہ مکہ آیا اور ہاشم کے بھائی مطلب کو بتایا کہ اس کا بھتیجا مدینہ میں برے حالات میں پرورش پا رہا ہے۔ مطلب گئے اور بھتیجے کو مکہ لے آئے مگر شیبہ کی والدہ نے مکہ آنے سے انکار کر دیا۔ مطلب جب مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے بچے بارے دریافت کیا۔ مطلب نے ایسے ہی کہہ دیا کہ یہ میرا غلام ہے جس پر پورے مکہ میں شیبہ کو عبدالمطلب کہا جانے لگا۔ مطلب نے لوگوں کو بعد میں بتایا بھی کہ یہ اس کے بھتیجے ہیں لیکن اب شیبہ کی عبدالمطلب کے طور پر ہی شناخت پختہ ہو چکی تھی۔

عبدالمطلب جب اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی عمر کو پہنچے تو آپ کے شفیق چچا مطلب نے آپ کے باپ کی جائیداد ان کے حوالے کر دی نیز رفادہ سقایہ وغیرہ کے مناصب جو ہاشم کے سپرد تھے' وہ بھی ان کے حوالے کر دیئے۔

بنو جرہم کو بنو خزاعہ نے جب مکہ سے جلاوطن کیا تو اُنہوں نے بیت اللہ شریف کے اندر سونے کے جو دو ہرن آویزاں تھے اور تلواریں' زرہیں اور دیگر قیمتی سامان تھا۔ وہ سب زمزم کے کنوئیں میں پھینکا اور پھر اسے مٹی سے بھر دیا۔ چنانچہ سینکڑوں برس تک زمزم کا کنواں بند پڑا رہا اور لوگ اس کے مقام کو بھول گئے۔ ایک روز حضرت عبدالمطلب حطیم میں سو رہے تھے کہ انہیں خواب میں حکم دیا گیا کہ اُٹھو اور طیبہ کو کھودو۔ دوسری رات حکم ہوا' برہ کو کھودو' تیسری رات کہا گیا' مضنونہ کو کھودو۔ آپ کو کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کس چیز کے کھودنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ چوتھی رات آواز آئی۔ زمزم کو کھودو اور ساتھ ہی تفصیل بتائی گئی کہ:

"زمزم تیرے پدر نامور کی میراث ہے۔ یہ چشمہ ہے نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے اور نہ اس

کی مرمت کی جاتی ہے۔ اس سے حجاج کرام کو سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان میں ہے۔ جہاں کالا کوا چونچیں مار رہا ہے۔ چیونٹیوں کی بستی کے بالکل قریب ہے۔

جب تفصیلات کا علم ہو گیا تو حضرت عبدالمطلب دوسرے دن اپنے بیٹے حارث کے ساتھ۔ کدال لے کر اساف اور نائلہ کے درمیان جہاں مشرکین بتوں کے لئے جانور قربان کیا کرتے تھے۔ وہاں پہنچے دیکھا کہ ایک کوا وہاں چونچیں مار رہا ہے۔ آپ نے کھدائی شروع کر دی۔ قریش نے پہلے تو اسے فضول کام گردانا پھر جب کامیابی کے آثار نمایاں ہوئے تو وہ بھی کنویں کی کھدائی میں شامل ہونے کی ضد کرنے لگے۔ حضرت عبدالمطلب کے انکار کے بعد جھگڑا بڑھ گیا۔ بنی سعد بن ھزیم کی کاہنہ کو ثالث مقرر کیا گیا۔ وہ شام کی سرحد کے قریب رہتی تھی۔ راستے میں ایک جگہ پانی ختم ہو گیا اور پیاس سے تمام لوگ قریب مرگ تھے کہ حضرت عبدالمطلب کے اونٹ نے قدم اُٹھایا تو نیچے سے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ قریش نے یہ کرامت دیکھی تو کہا عبدالمطب اب آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ زمزم پر تمہارا حق ہے۔ ہم حصہ داری کا دعویٰ واپس لیتے ہیں چنانچہ دونوں گروہ واپس آ گئے۔ کھدائی مکمل کی گئی تو سونے کے دو ہرن' قیمتی تلواریں اور زرہیں برآمد ہو گئیں۔ قریش نے حصے کا مطالبہ شروع کر دیا جس پر قرعہ اندازی کی گئی تو کعبہ کے حصہ میں ہرن' حضرت عبدالمطلب کے حصے میں تلواریں اور زرہیں اور قریش کے حصے میں کچھ بھی نہ آیا۔ آپ نے سونے کے ہرنوں کو پگھلا کر پترے بنوائے اور کعبہ شریف کے دروازے پر منڈھا دیئے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ دو مینڈھے رکھ دیئے گئے جو بعد میں چوری ہو گئے۔ (الکامل الابن اثیر)

حبشہ کے بادشاہ نے یمن فتح کیا تو ارباط کو وہاں کا گورنر اور ابرہہ کو اس کا نائب مقرر کیا۔ دونوں میں سیاسی کھینچا تانی نے زور پکڑا اور آخر ابرہہ غالب آ گیا۔ اس نے شاہ حبشہ کو خوش کرنے کیلئے ایک خوبصورت گرجا تعمیر کرایا۔ اس نے سوچا کہ مکہ کے لوگ کعبہ کی وجہ سے عرب کے سردار بنے ہوئے ہیں اور ہر برس تجارتی قافلے یہاں آتے ہیں۔ حجاج جب یہاں آتے ہیں تو کاروباری امور بھی ساتھ ہی طے کرتے جاتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ کعبہ کی یہ مرکزی حیثیت ختم کر دی جائے تو اہل مکہ مفلس اور غریب ہو جائیں گے لہٰذا اس نے اپنے

گرجے کو کعبہ کی حیثیت دینے کا ارادہ کیا۔ اہل عرب کو جب اس مذموم ارادے کی خبر ہوئی تو ان کے غیض وغضب کی کوئی حد نہ رہی۔ بنی کنانہ کا ایک شخص ابرہہ کے گرجا میں گیا اور موقع پر پاخانہ کر کے اسے گندا کر دیا۔ اس واقعہ پر ابرہہ مزید طیش میں آ گیا اور لشکر لے کر مکہ کو روانہ ہوا۔

ابرہہ کے ایک حبشی فوجی افسر اسود بن مقصود نے تہامہ کی چراگاہوں سے قریش کے اونٹ ہانکے اور انہیں اپنے لشکر میں لے گیا۔ ان میں حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی شامل تھے۔ حضرت عبدالمطلب اس سلسلے میں بات کرنے کی غرض سے ابرہہ کے پاس گئے تو وہ آپ کی وجاہت اور آپ کے ساتھ آپ کے بیٹوں کے ادب کو دیکھ کر بڑے احترام سے پیش آیا اور آنے کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ بادشاہ کے سپاہیوں نے میرے دو سو اونٹ پکڑ لئے ہیں۔ وہ مجھے واپس دیئے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ نے اپنی غرض تو بیان کر دی مگر اس گھر کے بارے کچھ نہیں کہا جو آپ کے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا کہ کوئی بھی میرے حملے سے کعبہ کو نہیں بچا سکتا۔ حضرت عبدالمطلب واپس آ گئے اور قریش کو حکم دیا کہ وہ مکہ سے نکل جائیں اور پہاڑوں کی غاروں اور چوٹیوں میں پناہ گزین ہو جائیں پھر آپ اپنے بیٹوں اور چند دوسرے آدمیوں کو لے کر خانہ کعبہ کے پاس آئے اور اس کے حلقہ کو پکڑ کر فریاد کرنے لگے۔

''اے اللہ بندہ بھی اپنے کجاوے کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب کل تیرے گھر پر غالب آ جائے اور نصب کر دی جائے اور اگر تو ان کو اور ہمارے قبلہ کو آزاد چھوڑنے والا ہے تو جس طرح تیری مرضی ہو تو اس طرح کر۔''

دوسرے روز ابابیل کی ایک ٹکڑی سمندر کی طرف سے اڑتی ہوئی آئی۔ ہر پرندے کی چونچ اور دونوں پنجوں میں چنے اور مسور کے دانوں کے برابر کنکر تھے۔ یہ کنکر جس سر پر گرتے۔ اس کے فولادی خود کو چیرتے ہوئے جسم کے پار ہو جاتے۔ ابرہہ کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ سپاہی واپسی کا راستہ ڈھونڈنا چاہتے تھے لیکن وہ مل نہیں رہا تھا۔ وہ نفیل بن حبیب جو

ان کا رہنما بن کر ساتھ آیا تھا' اس کو تلاش کرنے لگے تاکہ وہ انہیں یمن واپسی کا راستہ بتائے مگر وہ تو بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا تھا اور ان پر خدائی عذاب کا ہولناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس نے کہا:

''اب بھاگنے کا راستہ کہاں جب کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تعاقب میں ہے اور ہونٹ کٹا ابرہہ مغلوب ہے۔ اب اسے غلبہ نصیب نہیں ہوسکتا۔''

ابرہہ کے لشکر میں تیرہ ہاتھی تھے محمود کے علاوہ سارے ہاتھی ہلاک ہوگئے اور محمود نامی ہاتھی نے کیونکہ حرم شریف کی طرف پیش قدمی سے انکار کر دیا تھا' اسی لئے وہ بچ گیا۔ ابرہہ کی حالت بڑی قابل عبرت تھی۔ واپسی کے راستہ میں اس کا انگ انگ گل کر گرنے لگا۔ اس کے جسم میں پیپ اور خون سرایت کر گیا تھا۔ جس سے غضب کی بو آتی' جب اس کو لے کر صفاء پہنچے تو وہ پرندے کے ایک چوزے کی طرح تھا۔ مرنے سے پہلے اس کا سینا پھٹا' اس کا دل باہر نکلا اس طرح وہ ایک دردناک انجام سے دوچار ہوا۔ یہ واقعہ یکم محرم کو پیش آیا۔ یہی وہ مبارک برس ہے جس میں محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی نعمت اہل دنیا کو نصیب ہوئی۔

ابرہہ کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیف بن ذی یزن کو یمن پر غلبہ عطا فرمایا۔ اس نے اہل حبشہ کو یمن سے جلاوطن کر دیا۔ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دو برس بعد وقوع پذیر ہوا۔ قریش مکہ کا ایک وفد اسے کامیابی پر مبارکباد دینے یمن پہنچا اس میں عبدالمطلب بن ہاشم' امیہ بن عبد شمس اور عبداللہ بن جدعان وغیرہ شامل تھے۔ سیف حضرت عبدالمطلب کے انداز تقریر اور پروقار شخصیت سے بہت متاثر ہوا اور آپ سے اپنا تعارف کرانے کو کہا۔ آپ نے کہا کہ میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ہوں۔ بادشاہ نے کہا پھر تو تم ہمارے بھانجے ہوئے۔ اس نے ایک مہینہ تک آپ اور آپ کے ساتھیوں کو مہمان بنائے رکھا نہ جانے دیتا نہ ملاقات کا موقع دیتا پھر ایک روز اس نے علیحدگی میں عبدالمطلب کو بلایا اور کہا کہ ہمارے پاس ایک کتاب موجود ہے جسے ہم خفیہ رکھتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا' جس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہوگا۔ اس کے ذریعے تمہیں بھی قیامت کے دن تک سارے عرب کی قیادت نصیب ہوگی۔ سیف نے کہا

کہ اس بچے کی پیدائش کا زمانہ آ گیا ہے یا وہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس کا نام نامی محمدؐ ہوگا۔ اس کے والد اور ماں فوت ہوں گے اور اس کا دادا اور چچا اس کی کفالت کریں گے۔ وہ خداوند رحمٰن کی عبادت کرے گا۔ شیطان کو ٹھکرا دے گا۔ آگ کو بجھا دے گا۔ بتوں کو توڑ دے گا۔ اس کی بات فیصلہ کن ہوگی۔ اس کا حکم سراپا انصاف ہوگا۔ حضرت عبدالمطلب نے مزید وضاحت چاہی تو سیف بولا اس غلافوں والے گھر کی قسم۔ اے عبدالمطلب! تو اس کا دادا ہے۔ اس میں ذرا جھوٹ نہیں۔

عبدالمطلب سجدے میں گر پڑے۔ بادشاہ نے کہا کہ سر اُٹھایئے۔ آپ کا سینہ ٹھنڈا ہے۔ کیا آپ نے اس چیز کو محسوس کیا ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ عبدالمطلب نے کہا کہ بے شک اے بادشاہ بے شک میرا ایک بیٹا تھا' جو مجھے بہت عزیز تھا۔ میں نے اس کی شادی ایک عفت مآب خاتون سے کی جس کا نام آمنہ بنت وھب ہے۔ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا میں نے محمدؐ نام رکھا۔ اس کا باپ فوت ہو چکا ہے۔ اس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے۔ اس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں' جن کا آپ نے ذکر کیا۔

سیف نے کہا پھر اپنے اس بچے کی حفاظت کیا کرو اور یہود سے محتاط رہا کرو کیونکہ وہ اس کے دُشمن ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں کبھی اس پر غالب نہیں ہونے دے گا اور جو باتیں میں نے آپ سے کی ہیں' وہ اپنے ساتھیوں کو نہ بتایئے گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ حسد نہ کرنے لگیں۔ اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ عنقریب اس کی بعثت سے قبل میں اس دُنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو میں اپنے سواروں اور پیدل سپاہیوں کے ساتھ یہاں سے ترک سکونت کر کے یثرب کو اپنا دارالسلطنت بناتا کیونکہ میری کتاب میں یہ لکھا ہے کہ یثرب میں اس کا دین مستحکم ہوگا اور اس شہر میں آپ کا مدفن ہوگا۔ (سیرت ابن کثیر جلد اول)

بعض علماء نے اس گفتگو میں حضرت عبدالمطلب سے یہ بات بھی منسوب کی ہے کہ میرے پوتے کے والد اور والدہ دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ یہ درست نہیں کیونکہ سیف نے عام الفیل کے تقریباً دو برس بعد حکومت سنبھالی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی۔ اس پر تمام علماء متفق ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عبدالمطلب وفد کے ہمراہ جب سیف کو مبارکباد دینے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت دو ڈھائی برس بنتی ہے۔ اس

وقت حضرت آمنہ حیات تھیں۔

سیف بن ذی یزن نے قریش کے وفد کو دوبارہ دربار میں طلب کیا۔ ہر ایک کو ایک ایک سو اونٹ دس غلام دس دس کنیزیں، دس رطل چاندی، دس رطل سونا اور عنبر کا ایک بھرا ہوا برتن دیا لیکن حضرت عبدالمطلب کو ہر چیز دس گنا دی۔

حضرت عبدالمطلب وہ پہلے شخص ہیں جو غار حرا میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے۔ جب رمضان کا چاند دیکھتے۔ حراء میں تشریف لے جاتے۔ مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔ آپ کے جسم اطہر سے خالص کستوری کی خوشبو آتی۔ قریش کو جب قحط کی مصیبت گھیر لیتی تو وہ آپ کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے بارش برسا دیتا۔

تاریخ ابن ہشام، طبقات ابن سعد، علامہ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ جیسی بنیادی کتب اور پھر ان کتب سے حوالے لے کر جن لوگوں نے سیرت النبیؐ پر کام کیا۔ ان سب نے ایک بہت بڑی غلطی کی۔ وہ یہ کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے زیادہ سے زیادہ تعارف کے شوق میں بعد کے زمانے میں گھڑے ہوئے واقعات اور قصائد کو بھی ان بزرگوں کے نام کے ساتھ جوڑ دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ادب جاہلیہ سے بھی استفادہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہمارے زمانے کے لوگوں کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد بارے جو معلومات پہنچی ہیں۔ وہ زیادہ تر گھڑے ہوئے افسانوں اور شعری انداز کی ہیں اور شعر میں شاعر اپنے ممدوح میں وہ صفات بھی دکھا دیتا ہے جو سرے سے موجود نہیں ہوتیں۔ اسی طرح شاعر جب کسی کی برائی کرتا ہے تو ہر برائی بھی ڈھونڈ نکالتا ہے لہٰذا یہ تمام نسبی قصائد ایک الگ کتاب کا تقاضا کرتے ہیں جو انشاء اللہ جلد آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔

دوسری طرف سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کام کرنے والوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے یا اس کے بعد کے قریبی زمانے کے ان افراد سے نبی پاکؐ کے آباؤ اجداد بارے بہت کم روایات نقل کی ہیں جو علم انساب پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت بڑے عالم انساب تھے۔ آپ نے یہ علم اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی منتقل کیا تھا۔ جن سے کئی صحابہ کرام اور تابعین نے یہ علم سیکھا۔ قریش کے شاعروں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی شان میں حد سے زیادہ

ہجوگوئی شروع کردی تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ قریش کے خلاف جوابی اشعار لکھوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حسان رضی اللہ عنہ تم جن لوگوں کے خلاف لکھو گے وہ میرے رشتہ دار ہیں۔ ان کی مائیں میری پھوپھیاں ہیں۔ ان کے باپ میرے چچا ہیں۔ ان کی خواتین میری چچازاد ہیں۔ تم انہیں برا کہو گے تو اس میں مجھ پر بھی حرف آئے گا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بے چینی بڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا ایسا کرو اپنے اشعار ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دکھا دیا کرو چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علم انساب سے کام لے کر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی ایسی رہنمائی کی کہ کفار تڑپ اُٹھے کہ حسان رضی اللہ عنہ ہمیں اس طرح برا کہہ رہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاف بچ جاتے ہیں۔ اس پر قریش نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس منصوبے کا خالق قرار دیا کہ وہی ہمارے نسب سے ایسے واقف ہیں کہ حسان رضی اللہ عنہ جسے برا کہتے ہیں یا جس کے خاندان کو برا کہتے ہیں، اس کی چھینٹیں نبی پاک ؐ کے دامن کو ہرگز چھو کر بھی نہیں گزرتیں۔

موجودہ کتاب میں ہم نے اختلافی موضوعات سے گریز کی روش اختیار کی ہے۔ جس سے ممکن ہے تحقیق کا پہلو متاثر ہوا ہو، تاہم دستیاب مواد میں سے بہترین مواد پیش کرنے کی غیر جانبدارانہ کوشش ضرور کی ہے۔ اللہ اس فکر کے جذبے کو مزید قوت دے۔ آمین۔

نبی پاک ﷺ کے والدین کریمین

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب

حضرت عبداللہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے اور لاڈلے فرزند تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دس بیٹے عطا کرے تو ایک بیٹے کو وہ راہ خدا میں قربان کر دیں گے۔ جب حضرت عبداللہ کی عمر اٹھارہ بیس برس ہوئی تو آپ نے اپنی چھ بیٹیوں اور دس بیٹوں کے سامنے قرعہ ڈالا جو حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ حضرت عبداللہ سے محبت ایک طرف لیکن یہاں معاملہ اللہ سے کیئے گئے وعدے کا تھا لہٰذا چھری لائی گئی بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے آستینیں چڑھائی جانے لگیں۔ اس کی اطلاع بجلی کی طرح مکہ کے ہر گھر میں پہنچ گئی۔ قریش کے سردار اپنے کام دھندے اور مصروفیات چھوڑ کر دوڑے آئے۔ سب عبدالمطلب کی منت سماجت کرنے لگے کہ وہ بیٹے کو ذبح نہ کریں مگر آپ کسی کی بات نہیں سن رہے تھے۔ آخر چند دانا لوگوں نے کہا کہ اے سردار اگر بیٹوں کو ذبح کرنے کی رسم کا آغاز تمہارے جیسی ہستی نے کر دیا تو پھر اس رسم کو بند کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اپنی قوم کے بچوں پر رحم کرو۔ اس کے نتائج بہت خوفناک ہوں گے آخر ایک راہبہ کی تجویز پر حضرت عبداللہ کے عوض اونٹوں کی قربانی کرنے کا فیصلہ ہوا۔ حضرت عبدالمطلب جب بھی قرعہ ڈالتے وہ عبداللہ کے نام نکلتا۔ آپ ہر بار دس اونٹ بڑھا کر پھر قرعہ ڈالتے یہاں تک کہ سو اونٹوں کے نام قرعہ نکلا۔ آپ نے تین بار قرعہ ڈالا تینوں بار وہ

اونٹوں کے نام نکلا۔اس طرح حضرت عبداللہ کی جان بچ گئی۔

اب حضرت عبدالمطلب کو اپنے لاڈلے بیٹے کی شادی کی فکر ہوئی۔آپ کی نظر قریش کے بنوزہرہ خاندان کے سردار وھب بن عبدمناف بن زہرہ کی نور نظر آمنہ پر جا ٹھہری۔ وھب نے جب دیکھا کہ بنوہاشم کے سردار عبدالمطلب نے ان کے گھر قدم رنجہ فرمایا ہے اور اپنے لخت جگر کیلئے ان کی نور نظر کا رشتہ طلب کیا ہے تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔اُنہوں نے بسروچشم پیغام قبول کرلیا۔کتب سیرت میں منقول ہے کہ حضرت عبداللہ کو اپنے زمانے میں عورتوں کی طرف سے ایسے ہی مشکل اور صبر آزما حالات کا سامنا کرنا پڑا جو حضرت یوسفؑ کو اپنے زمانہ میں عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے پیش آئے۔کئی عورتوں نے سرراہ آپ کا راستہ روک کر محبت جتائی بعض نے تو اپنے جذبات کے ہاتھوں بے بس ہوکر اپنے حسن و شباب کی رعنائیاں حضرت عبداللہ کے قدموں پر نچھاور کردینے کا کھل کر اظہار کردیا۔کچھ نے آپ کے عوض قربانی کیلئے سو اونٹ دینے کا اعلان کیا لیکن حضرت عبداللہ کو ان کی کب پرواتھی۔آپ نے ہر بار حسینوں کی تمام پیشکشوں کو یہ کہہ کر ٹھکرادیا کہ ’’حرام سے تو موت بہتر ہے اور میں تم میں حلال کو واضح نہیں دیکھ رہا۔میں اس بات کو کیسے قبول کرلوں جو تم چاہتی ہو۔کریم ہمیشہ اپنی عزت اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے۔‘‘

علامہ ابن کثیر البدایہ جلد دوم میں ابن اسحٰق سے روایت کرتے ہیں کہ رسم کی ادائیگی کے بعد جناب عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل دیئے۔راستے میں خانہ کعبہ کے قریب انہیں ایک عورت ملی جس کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بنی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی میں سے تھی۔وہ ورقہ بن نوفل بن اسد کی بہن ام قتال تھی۔اس عورت نے ان دونوں باپ بیٹوں کو ساتھ ساتھ وہاں سے گزرتے دیکھا تو حضرت عبداللہ سے پوچھا۔ عبداللہ تم کہاں جارہے ہو۔وہ بولے‘ مجھے والد اپنے ساتھ لئے جارہے ہیں۔جہاں بھی یہ لے جائیں گے‘ وہیں چلا جاؤں گا۔وہ عورت یعنی ام قتال نے عبداللہ سے کہا۔کیا تم کوئی قربانی کے اونٹ ہو کہ تمہیں نکیل پکڑ کر جہاں کوئی چاہے‘ لے جائے؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا۔یہ میرے والد ہیں نہ میں ان کی حکم عدولی کرسکتا ہوں نہ ان سے جدائی برداشت کرسکتا ہوں۔‘‘ (باپ کے سامنے بیٹے سے ایسی گفتگو بعید از حقائق ہے۔)

بہر کیف یہ کہہ کر عبداللہ اپنے والد عبدالمطلب کے ساتھ آگے بڑھ گئے جو انہیں لے کر وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کے پاس گئے جو ان دنوں اپنے قبیلے بنی زہرہ کے سردار تھے اور ان سے درخواست کی کہ وہ عبداللہ کو اپنی فرزندی میں لے لیں یعنی اپنی بیٹی آمنہ سے ان کی شادی کر دیں۔ چونکہ دونوں خاندانوں کا تعلق آخر میں بنی اسماعیل ہی تک جاتا تھا۔ اس لئے وہب بن عبد مناف نے اپنی بیٹی آمنہ کی شادی جو اپنے قبیلے میں ''سیرت النساء'' کہلاتی تھیں۔ عبدالمطلب کے بیٹے سے بخوشی و خوشدلی کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن عبدالمطلب حضرت آمنہ بنت وہب کو رخصت کرا کے اس مکان میں لائے جو انہوں نے ان کے لئے لیا تھا اور وہیں حضرت آمنہ کے شکم مبارک میں وہ حمل قرار پایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر منتج ہوا۔ اس استقرار حمل کی اطلاع پا کر ایک عورت اس مکان میں آئی تو اس وقت حضرت عبداللہ وہاں موجود نہ تھے۔ مالک مکان نے اس عورت سے پوچھا۔ ''کچھ یاد ہے کہ تم نے عبداللہ سے کیا تمنا کی تھی؟ عورت نے پوچھا کون سی تمنا؟ مالک بولا: کوئی تمنا! ارے تم کل کی بات آج بھول گئیں۔ عورت بولی۔ کل کی بات آج کیسے یاد رکھ سکتی ہوں جبکہ عبداللہ کے پاس کل والی چیز ہی نہیں ہے تو آج مجھے اس سے کیا مطلب؟ کہتے ہیں کہ شادی کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی جس نور سے شادی سے قبل چاند کی طرح چمکتی تھی، وہ ان کی پیشانی سے حضرت آمنہ کے شکم مبارک میں منتقل ہو گیا تھا اور اس عورت کی مراد حضرت عبداللہ کی پیشانی کے اس نور سے تھی۔

جب ام قتال کے بھائی ورقہ بن نوفل کو حضرت آمنہ کے شکم مبارک میں عبداللہ سے استقرار حمل کی اطلاع ملی تو وہ بہت خوش ہوا کیونکہ اس سے قبل جو کتابیں وہ پڑھا کرتا تھا۔ ان میں لکھا تھا کہ اس کی قوم میں ایک عظیم المرتبت نبی پیدا ہو گا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ عورت جس نے عبداللہ سے پوچھا تھا کہ عبداللہ تم کہاں جا رہے ہو اور وہ عورت بھی مالک سے جس کی گفتگو کا ذکر سطور بالا میں آیا ہے۔ ام قتال ہی تھی اور وہی حضرت عبداللہ سے سب عورتوں سے زیادہ شادی کی مشتاق تھی۔ ام قتال ہی تھی جسے عبداللہ کی آمنہ بنت وہب سے شادی کا سب عورتوں سے زیادہ ملال ہوا تھا۔

ابن کثیر ابن عباسؓ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جناب عبداللہ اپنے والد کے ساتھ قبیلہ

زہریہ کی طرف جا رہے تھے تو انہیں راستے میں ایک کاہنہ فاطمہ بنت مرالخثعمیہ ملی اور اس نے ان کے چہرے پر نور نبوت دیکھ کر ان کے ساتھ شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور اس کے لئے انہیں سو اونٹوں کی پیشکش بھی کی لیکن وہ اس کے جواب میں دو شعر سنا کر اپنے والد کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

اس روایت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اس کاہنہ فاطمہ کو حضرت عبداللہ سے آمنہ کی شادی اور آمنہ کے شکم مبارک میں اس شادی کے نتیجے میں استقرار حمل کی خبر ہوئی تو وہ رو پڑی اور اپنی ناکامی پر ام قتال کی طرح بہت سے حسرت آمیز اشعار کہے۔

ایک بار حضرت عبدالمطلب مکہ سے یمن جا رہے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ راستے میں تبر نامی ایک یہودی نے آپ کو بتایا کہ آپ کے ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے پر حکومت کے آثار ہیں اور نبوت کے آثار بنو زہرہ کی طرف منتقل ہوتے نظر آتے ہیں۔ اس نے تاکید کی کہ جب تم مکہ واپس جاؤ تو وہاں بنی زہرہ میں شادی کر لینا چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے ہالہ بنت وہیب سے خود شادی کی جس سے حضرت صفیہؓ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ کی شادی ان کی چچازاد حضرت آمنہ سے کر دی۔

شادی کے بعد جب گھر کی ذمہ داریاں پڑیں تو حضرت عبداللہ کو اپنے باپ کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ جانا پڑا۔ تجارتی مصروفیتوں سے فراغت پا کر آپ واپس مکہ روانہ ہوئے تو راستے میں بیمار ہو گئے۔ قافلہ جب مدینہ پہنچا تو آپ کی طبیعت مزید خراب ہو گئی اس لئے وہ اپنے ننھیال میں رک گئے تاکہ طبیعت سنبھلے تو سفر شروع کر دیں۔ آپ وہاں ایک ماہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ ان کی اچانک وفات سے سب کو صدمہ ہوا ہوگا لیکن حضرت آمنہ پر جو قیامت ٹوٹی۔ اس کا اندازہ وہی کر سکتی ہیں۔ کتب سیرت میں حضرت آمنہ سے ایسے اشعار ملتے ہیں جو آپ نے اس موقع پر کہے۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے اور ان کے دل کی کیفیت اور فصاحت و بلاغت کا اندازہ کیجئے۔

عَفَا جَانِبُ الْبطحَآءِ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ   وَجَاوَرَلَحْدًا خَارِجًا فِی الْغَمَائِمِ

''بطحا وادی کے کنارے نے ہاشم کے بیٹے کو موت کی نیند سلا دیا۔ وہ مختلف پردوں میں لپٹا ہوا مکہ سے باہر لحد کا پڑوسی بن گیا۔''

دعَتهُ المنَا یَا دَعْوَۃً فا جابھا وماترکتْ فِی النّاس مثلَ ابْنِ ھاشمْ

''موتوں نے اسے اچانک دعوت دی جسے اس نے قبول کرلیا اور موت نے لوگوں میں ہاشم کے اس بیٹے کا کوئی مثیل باقی نہیں چھوڑا۔''

عشیۃَ راحوایحملُوْنَ سَرِیْرہٗ تعاوِرُہٗ اَصْحابُہٗ فِی التَّزَاحم

''عشاء کے وقت جب اس کے دوست اس کی چارپائی کو اٹھا کر لے جا رہے تھے تو وہ انبوہ کی وجہ سے باری باری کندھا بدل رہے تھے۔''

فانْ تک غالتُہ المنُوْنُ وریْبُھا فقدْ کَان معْطاءً کثیراً لتَراحمْ

''اگرچہ موت اور اس کی مشکلات نے اس کو جھپٹ لیا ہے لیکن وہ درحقیقت بہت سخی اور بہت رحم کرنے والا تھا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو فرشتوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے ہمارے معبود تیرا نبی یتیم ہوگیا۔ اس کا باپ نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کا محافظ اور مددگار ہوں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں اس کا دوست ہوں' نگہبان ہوں' مددگار ہوں' پروردگار ہوں' رزق دینے والا اور ہر معاملے میں اس کے لئے کافی ہوں۔ پس تم اس پر درود پڑھا کرو اور اس کے نام کی برکت حاصل کیا کرو۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ہے۔ آپ کا تعلق قریش کے مشہور قبیلے بنی زہرہ سے تھا۔ حضرت آمنہ شکل وصورت اور عادات واوصاف کے لحاظ سے اپنے قبیلے کی تمام لڑکیوں میں ممتاز تھیں۔ حضرت آمنہ نہایت نرم دل اور حساس طبیعت کی مالک تھیں۔ آپ کو شعر کا ستھرا ذوق حاصل تھا۔ آپ کی زبان دانی اور شعری ذوق کی پختگی ان اشعار سے نمایاں ہے جو آپ نے حضرت عبداللہ کی وفات پر کہے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ دونوں میاں بیوی شرافت اور

حیاء میں یکتا تھے۔ دونوں میں انتہا درجے کی محبت اور الفت تھی۔ حضرت عبدالمطلب اپنے لاڈلے کی آمنہ سے شادی پر بہت فخر کیا کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کی باہمی محبت کا ایک ثبوت یہی کافی ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات کے بعد حضرت آمنہ لگ بھگ چھ سات برس حیات رہیں۔ اس زمانے میں عورت کیلئے ایک سے دوسرا اور دوسرے کو چھوڑ کر تیسرا نکاح کر لینا کوئی معیوب بات نہ تھی۔ آپ جوان تھیں مگر آپ نے دوسری شادی نہ کی اور باقی زندگی اپنے فرزند کی پرورش اور حضرت عبداللہ کی یاد میں بسر کر دی۔

حضرت آمنہ جب اپنے بزرگوار سسر حضرت عبدالمطلب کے کاشانہ اقدس میں رونق افروز ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت عبداللہ کی جبین سعادت سے آپ کے شکم طاہر میں پہنچا تو یہاں نور پاک کی عجب شان تھی۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں۔

ایک روز میں خواب اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھی کہ کوئی میرے پاس آیا اور اس نے پوچھا آمنہ، تجھے علم ہے کہ تو حاملہ ہے۔ میں نے جواب دیا نہیں پھر اس نے بتایا تم حاملہ ہو اور تیرے بطن میں اس اُمت کا سردار اور نبی تشریف فرما ہیں جس دن یہ واقعہ پیش آیا، وہ سوموار کا دن تھا۔'' (الوفاء ابن جوزی۔ جلد اوّل)

''حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ حمل کے ایام بڑے آرام سے گزرے جب وقت پورا ہو گیا تو وہی فرشتہ جس نے مجھے پہلے خوشخبری دی تھی۔ وہ آیا۔ اس نے آکر مجھے کہا ''کہو کہ میں اللہ واحد سے اس کے لئے ہر حاسد کے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔'' حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں جس رات رحمت دو عالمؐ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ میں نے ایک نور دیکھا جس کی روشنی سے شام کے محلات جگمگا اُٹھے، یہاں تک کہ میں ان کو دیکھ رہی تھی۔ ہم واقعات کو آگے بڑھانے کیلئے حضرت آمنہ ہی کا بیان نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے اور آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ کی ناف پہلے سے کٹی ہوئی تھی۔ وہب بن زمعہ کی پھوپھی کہتی ہیں کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالمطلب کو اطلاع دینے کے لئے آدمی بھیجا۔ آپ اس وقت حطیم میں اپنے بیٹوں اور قوم کے مردوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ پوتے کی ولادت کی اطلاع پر آپ کی خوشی و مسرت

کی حد نہ رہی۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ نے ولادت کے وقت جو انوار و تجلیات دیکھی تھیں اور آوازیں سنی تھیں۔ ان کے بارے میں حضرت عبدالمطلب سے عرض کیا۔ عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر کعبہ شریف میں گئے اور وہاں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور جو انعام اس نے فرمایا تھا' اس کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دودھ پلایا۔ اس دودھ پلانے کی مدت میں کئی روایات ہیں بعض سات دن بیان کرتے ہیں۔ کچھ چار دن اور کچھ ایک دن بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد ثوبیہ اور دیگر بیبیوں کا دودھ پلانا بیان کیا جاتا ہے جبکہ کچھ لوگ حضرت آمنہ کے سوا تمام خواتین کے دودھ پلانے کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضاعت کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے گئیں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت رضاعت چار برس بیان کی جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت آمنہ نے فرزند کی دیکھ بھال کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ جب نور نظر کی عمر چھ سال ہوگئی اور غمزدہ ماں کو یقین ہوگیا کہ اس کا لخت جگر اب یثرب کے طویل اور مشکل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے قابل ہوگیا ہے تو انہوں نے اپنے سسر حضرت عبدالمطلب سے اپنی اس دیرینہ آرزو کا ذکر کیا اور اجازت چاہی کہ یثرب جا کر اپنے دولہا کی قبر کی زیارت کریں جو اپنی ایک جھلک دکھا کر ہجر کے جنگلوں میں چھوڑ گئے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب بہو کی درخواست کو مسترد نہ کر سکے اور انہیں یثرب جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت آمنہؓ اپنی کنیز ام ایمن اور فرزند نیک بخت کو لے کر یثرب روانہ ہوئیں۔ آپ نے حضرت عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی نجار کے ہاں ایک ماہ تک قیام کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو بچپن میں اپنے یہاں قیام کے واقعات یاد فرمایا کرتے تھے۔ جب اس مکان کو دیکھتے جہاں اپنی پیاری امی جان کے ساتھ قیام کیا تھا' تو فرماتے:

''اس مکان میں' میں اپنی والدہ کے ساتھ اُترا تھا اور میں نے بنی عدی بن نجار کے تالاب میں تیرنے میں مہارت حاصل کی۔''

یہاں قیام کے دوران ایک یہودی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا کہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔ اس نے تمام یہودی علماء کو بتا دیا پھر کیا تھا کہ یہودی جمع ہو ہو کر آپ کو

دیکھنے آئے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو یہودیوں کی جانب سے اندیشہ پیدا ہوا لہٰذا آپ نے مکہ جانے کی تیاری شروع کر دی۔ ابواء کے مقام پر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ان کا نور نظر جو پہلے ہی یتیمی کی زندگی گزار رہا ہے۔ اب عنقریب اپنی ماں کے سائے سے بھی محروم ہونے کو ہے تو آپ کا دل بھر آیا۔ آپ کے حساس دل نے زبان کو تحریک دی اور یہ اشعار پڑھے۔

اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِی الْمَنَامِ

فَاَنْتَ مَبْعُوْثٌ اِلَی الْاَنَامِ — تُبْعَثُ فِی الْحِلِّ وَ فِی الْحَرَامِ

تُبْعَثُ فِی التَّحْقِیْقِ وَالْاِسْلَامِ — دِیْنِ اَبِیْکَ الْبَرِّ اِبْرَاھَامِ

فَاللّٰہُ اَنْھَاکَ عَنِ الْاَصْنَامِ — وَاَلَّا تُوَالِیْھَا مَعَ الْاَقْوَامِ

”یعنی میں نے جو خواب میں دیکھا ہے اگر وہ صحیح ہے۔“

”تو آپ تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے جائیں گے۔ حلال اور حرام سب جگہ آپ نبی ہوں گے۔ آپ کو اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین اسلام پر مبعوث کیا جائے گا۔ میں آپ کو بتوں سے خدا کا واسطہ دے کر روکتی ہوں کہ آپ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر ان سے دوستی نہ کریں۔“

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

کُلُّ حَیٍّ مَیِّتٌ“ وَکُلُّ جَدِیْدٍ بَالٍ – وَکُلُّ کَبِیْرٍ یَفْنٰی وَ اَنَا مَیِّتَۃٌ“ وَ ذِکْرِیْ بَاقٍ وَوَلَدْتُ طُھْرًا۔

”ہر زندہ موت کا مزہ چکھے گا۔ ہر نئی چیز پرانی ہو جائے گی اور ہر بڑی چیز فنا ہو جائے گی۔ میں تو مر رہی ہوں لیکن میرا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا۔ میں نے ایک پاکباز بچہ جنا ہے۔“

علامہ زرقانی شرح مواہب الدنیہ میں ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد علامہ سیوطی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ اشعار اس بات پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ موحدہ تھیں۔ انہوں نے دین ابراہیمی کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ آپ کا فرزند اسلام کے ساتھ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوگا اور بتوں کی دوستی سے اپنے فرزند کو منع فرمایا۔ کیا یہی توحید نہیں کیا ان عقائد کے علاوہ توحید کسی دوسری چیز کا نام ہے۔ پیر محمد کرم شاہ ضیاء النبی میں لکھتے ہیں:

"ماں کی مامتا نے جب اپنے لخت جگر پر الوداعی نظر ڈالی ہوگی تو ان کے قلب حزیں پر کیا گزری ہوگی۔ باپ کا سایہ پہلے ہی اُٹھ چکا تھا۔ ماں کی آغوش محبت اب چھوٹ رہی ہے۔ یہ دردناک سانحہ پیش آ رہا ہے تو سفر میں جہاں نہ شفیق دادا پاس ہیں نہ سو جان سے فدا ہونے والے چچا کہیں قریب ہیں۔ یہ جگہ یثرب سے بھی کافی فاصلہ پر ہے اور مکہ بھی ڈیڑھ دو سو میل دور ہے۔ بے بسی اور بے کسی کی اس حالت میں سیدہ طاہرہ آمنہ نے اپنے نور نظر کو اپنے خالق کریم کے سپرد کیا۔ ایک صابرہ' شاکرہ بیوہ کی آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسوؤں نے یقیناً رحمت الٰہی کے دامن کو پکڑا ہوگا اور اپنے بچے کے سر پر پھیلا دیا ہوگا۔" حضرت آمنہ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مستورہ گاؤں کے قریب ابواء نامی مقام پر دفن کیا گیا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا ایمان

سیرت مبارکہ کی مختلف کتب میں جید علماء اور محققین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان بارے جو تحقیق کی ہے۔ اسے ہم پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ بہت سے افراد کے ذہن اس بارے دھند سے نکل کر واضح منظر دیکھنے کے قابل ہوسکیں۔

علامہ علی بن برہان الدین لکھتے ہیں۔

ذَكَرَ الْعَلَامَةُ ابْنُ حَجَرِ الْهَيْتَمِيُّ حَيْثُ ذَكَرَ اَنَّ الْحَقَّ الْوَاضِحَ الَّذِيْ لَا غُبَارَ عَلَيْهِ اِنَّ اَهْلَ الْفَتْرَةِ جَمِيْعُهُمْ نَاجُوْنَ وَهُمْ مَنْ لَمْ يُرْسَلْ لَهُمْ رَسُوْل " يُكَلِّفُهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللهِ عَزَّوَجَلَّ فَالْعَرَبُ حَتّٰى فِيْ زَمَنِ اَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَاءِ يْلَ اَهْلُ فَتْرَةٍ لِاَنَّ تِلْكَ الرُّسُلَ لَمْ يُؤْمَرُوْا بِدَعَايَتِهِمْ اِلَى اللهِ تَعَالٰى وَ تَعْلِيْمِهِمُ الْاِيْمَانَ

"علامہ ابن حجر الہیتمی نے ذکر کیا کہ روشن حق یہ ہے جس پر کوئی گرد و غبار نہیں کہ اہل فترۃ سب کے سب نجات یافتہ ہیں اور اہل فترۃ وہ لوگ ہیں جن کی طرف کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو جو انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مکلف بنائے۔ پس اہل عرب بنی اسرائیل کے انبیاء کے زمانہ میں بھی اہل فترۃ تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے رسولوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اہل عرب کو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ ان کا حلقہ تبلیغ صرف بنی اسرائیل تک محدود تھا۔"

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اہل فترۃ میں سے تھے۔ ان کے پاس حضرت

اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہ آیا لہٰذا انہوں نے نہ کسی نبی کا انکار کیا نہ کسی کی دعوت مسترد کی اس لئے وہ نجات یافتہ ہیں۔

امام فخرالدین رازی ان علماء میں سے ہیں جن کا مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا دامن شرک و کفر سے کبھی داغدار نہیں ہوا۔ وہ لکھتے ہیں

اِنَّ اٰبَاءَ الْاَنْبِيَآءِ مَاکَانُوْا کُفَّارًا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اَلَّذِیْ يَرَاکَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِيْنَ قِيْلَ مَعْنَاهُ اَنَّه کَانَ يُنْقِلُ نُوْرُهٗ مِنْ سَاجِدٍ اِلٰی سَاجِدٍ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ جَمِيْعَ اٰبَاءِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کَانُوْا مُسْلِمِيْنَ

”بیشک انبیاء کرام کے آباؤ اجداد کافر نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری وہ ذات ہے جو آپ کو دیکھتی ہے۔ جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ سجدہ کرنے والے کی پیشانیوں میں منتقل ہوتے رہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضورؐ کا نور ایک سجدہ کرنے والی پیشانی سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی پیشانی میں منتقل ہوتا رہا۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ آباء واجداد مسلمان تھے۔“

اب ذرا احادیث مبارکہ سے بھی اس سلسلے میں استفادہ کر کے دیکھیں۔

اَخْرَجَ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ عَنْ طُرُقٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ يُنْقِلُنِیْ مِنَ الْاَصْلَابِ الطَّيِّبَةِ اِلَی الْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ مُصَفًّی مُهَذَّبًا لَا تَنْشَعِبُ شُعْبَتَانِ اِلَّا کُنْتُ فِیْ خَيْرِهِمَا

”ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں کئی سندوں سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مجھے پاک پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل فرماتا رہا۔ ہر آلائش سے پاک کر کے ہر آلودگی سے صاف کر کے جہاں کہیں سے دو شاخیں پھوٹیں وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شاخ میں منتقل کیا جو ان دونوں میں سے بہتر تھی۔“

اَخْرَجَ التِّرْمِذِیُّ وَحَسَّنَهٗ وَالْبَيْهَقِیُّ عَنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی حِيْنَ خَلَقَنِیْ جَعَلَنِیْ مِنْ خَيْرِ خَلْقِهٖ ثُمَّ حِيْنَ خَلَقَ الْقَبَائِلَ جَعَلَنِیْ مِنْ خَيْرِهِمْ قَبِيْلَةً وَحِيْنَ خَلَقَ

الانفس جعلنی من خیر انفسھم ثم حین خلق البیوت جعلنی من خیر بیوتھم فانا خیرھم بیتا وخیرھم نفسا

''امام ترمذی نے اس روایت کو اپنی سنن میں اور امام بیہقی نے حضرت عباس سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے جب مجھے پیدا فرمایا تو مجھے بہترین مخلوق سے کیا پھر جب قبائل کو پیدا فرمایا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں کیا پھر جب نفوس کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے کیا جن کے نفوس بہت بہترین تھے پھر جب خاندانوں کو پیدا کیا تو مجھے بہترین خاندان میں رکھا۔ پس میں ان سب سے بلحاظ خاندان اور بحاظ نفس بہتر ہوں۔

اخرج الطبرانی فی الاوسط والبیھقی فی الدلائل عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لی جبرئیل قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا ولم اجد رجلا افضل من محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ولم اجد بنی اب افضل من بنی ھاشم

''طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ کہتی ہیں۔ اللہ کے محبوب رسولِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے بتایا کہ میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو کھنگالا۔ پس میں نے کسی مرد کو اے جان جاں! آپ سے افضل نہیں پایا اور کسی خاندان کو بنی ہاشم کے خاندان سے افضل نہیں پایا۔''

جس خاندان اور جن ہستیوں کی نیکی اور فضیلت کی گواہی خود خدا کا مقرب فرشتہ جبرائیل دے رہا ہو۔ ان کے ایمان پر کیا ذرہ بھر بھی شک کیا جا سکتا ہے؟ علماء کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان بارے اس آیت قرآنی سے رجوع کیا۔

وَاِذْقَالَ اِبْرَاھِیْمُ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ○ اِلَّاالَّذِیْ فَطَرَنِیْ بِانَّہٗ سَیَھْدِیْنِ وَجَعَلَھَا کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ ۔ (۲۸،۲۶،۴۳)

''اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہا کہ میں بیزار ہوں۔ ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ پس وہی مجھے ہدایت دے گا اور کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو باقی رہنے والا آپ کی اولاد میں۔''

اس آیت کی تشریح حضرت ابن عباس سے یوں منقول ہے۔

قَوْلُهٗ تَعَالٰی جَعَلَهَا کَلِمَةً بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بَاقِیَةٌ" فِیْ عَقِبِ اِبْرَاهِیْمَ

"کہ لا الہ الا اللہ کا کلمہ حضرت ابراہیم کی نسل میں باقی رہے گا۔"

یعنی ہر زمانہ میں چند افراد ایسے رہیں گے جو اس کلمہ توحید پر پختہ ایمان رکھتے ہوں۔

اَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ فِیْ تَفْسِیْرِهٖ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ عَنْ اِبْنِ جُرَیْجٍ فِیْ قَوْلِهٖ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ' قَالَ لَا یَزَالُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ اِبْرَاهِیْمَ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نَاس" عَلَی الْفِطْرَةِ یَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ۔

"ابن منذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ کی تفسیر نقل کی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے کچھ آدمی دین فطرت پر رہیں گے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔"

غزوہ حنین میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر سوار ہو کر یہ رجز پڑھ رہے تھے کہ

"میں سچا نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"

علماء کرام لکھتے ہیں کہ اگر نبی پاک کے آباء اور والدین مومن اور موحد نہ ہوتے تو آپ کیوں ان کی فرزندی پر فخر کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان بارے علماء کا ایک تیسرا مسلک بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَحْیٰ لَهٗ اَبَوَیْنِ حَتّٰی اٰمَنَابِهٖ وَهٰذَا الْمَسْلَکُ مَالَ اِلَیْهِ طَائِفَة "کَبِیْرَة" مِّنْ حُفَّاظِ الْمُحَدِّثِیْن وَغَیْرِهِمْ مِنْهُم اِبْنُ شَاهِیْنَ وَالْحَافِظُ اَبُوْبَکْرٍ اَلْخَطِیْب اَلْبَغْدَادِیْ وَالسُّهَیْلِیْ وَالْقُرْطَبِیْ وَالْمُحِبُّ الطَّبْرِیْ وَالْعَلَّامه نَاصِرُ الدِّیْن اِبْنُ الْمُنِیْرِ وَغَیْرِهِمْ

"اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضور کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ حفاظ محدثین میں سے ایک بہت بڑا گروہ اس مسلک کی طرف مائل ہوا ہے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں۔ ابن شاہین' حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی' ابوالقاسم سہیلی' ابوعبداللہ القرطبی' محب طبری' علامہ ناصرالدین ابن المنیر وغیرھم۔"

مذکورہ بالا آیات' احادیث مبارکہ اور محققین کے اقوال کو سامنے رکھیں تو یہ بات واضح

ہوتی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آباء زمانہ فترۃ میں تھے۔ ان کے پاس کوئی نبی نہ آیا لہذا انہوں نے کسی نبی کی دعوت مسترد نہیں کی۔ جس کے جرم میں ان پر کفر کی تہمت لگائی جائے بلکہ یہ تمام خدائے واحد کو ماننے والے تھے اور سب یہ جانتے تھے کہ ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی مبعوث ہوگا۔ ان تمام کا نسب پاکیزہ رہا اور تقریباً تمام بزرگ اس خواہش کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ کاش نبی پاک ان کے زمانے میں پیدا ہوں اور وہ ان کے ساتھیوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل کر پائیں۔ اس صورت میں ان بزرگوں کے ایمان پر شک کی گنجائش نہیں۔

نبی پاک ﷺ کے چچا اور ان کے اہل و عیال

حارث بن عبدالمطلب

ایک روز حضرت عبدالمطلب حطیم میں سو رہے تھے کسی نے خواب میں آ کر کہا احفر طیبہ‘ طیبہ کو کھودو۔ انہوں نے پوچھا۔ طیبہ کیا ہے تو کہنے والا غائب ہو گیا۔ دوسری رات جب آپ پھر بستر پر آ کر لیٹے۔ آنکھ لگی تو پھر آواز آئی۔ احفر برہ‘ برہ کو کھودو آپ نے پوچھا برہ کیا ہے۔ کہنے والا پھر غائب ہو گیا۔ تیسری رات پھر آواز آئی۔ احفر مضنونہ‘ مضنونہ کو کھودو۔ آپ نے پوچھا مضنونہ کیا ہے۔ وہ ایکبار پھر غائب ہو گیا۔ جب چوتھی رات آئی اور وہ اپنی خوابگاہ میں آرام کرنے کے لئے لیٹے تو آنکھ لگ گئی اور ساتھ ہی آواز آئی۔ احفر زمزم‘ زمزم کو کھودو‘ آپ نے پوچھا زمزم کیا ہے۔ آج خواب میں آنے والا سوال پر غائب نہ ہوا بلکہ تفصیلات بتانے لگا۔

”زمزم تمہارے نامور باپ کی میراث ہے۔ یہ چشمہ ہے نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے اور نہ اس کی مرمت کی جاتی ہے۔ اس سے حجاج کرام کو سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان ہے جہاں کالا کوا چونچیں مار رہا ہے۔ چیونٹیوں کی بستی کے بالکل قریب۔“

جب تفصیلات کا علم ہو گیا تو دوسرے دن آپ اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کے ہمراہ کدال لے کر آ گئے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کا حارث کے سوا کوئی بیٹا نہ تھا۔ حارث کو ساتھ لے کر حضرت عبدالمطلب اساف اور نائلہ کے درمیان جہاں مشرکین بتوں

کے لئے جانور قربان کیا کرتے تھے۔ وہاں پہنچے خواب میں بیان کی گئی نشانی دیکھی۔ ایک سیاہ کوا وہاں چونچیں مار رہا ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے حارث کے ساتھ کھدائی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسی تہہ تک پہنچ گئے جس سے کامیابی کے امکانات روشن ہو گئے۔ آپ نے فرط مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ قریش نے شروع میں تو کھدائی کے کام کو بے کار کی محنت سمجھ کر پروانہ کی مگر جب کامیابی کے آثار نمایاں ہونے لگے تو انہوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ چاہ زم زم ہم سب کے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔ اس لئے ہمیں بھی اس کے کھودنے میں شریک کرو۔ آپ نے صاف انکار کر دیا آپ نے فرمایا یہ انعام اللہ تعالیٰ نے صرف مجھ پر کیا ہے۔ اس میں کسی کی شرکت مجھے منظور نہیں۔

آپ کے فرزند حارث نے بھی اس موقع پر دلیری سے کام لیا اور اپنے عظیم باپ کے انکار کو حرف آخر سمجھ کر تلوار نکال لی اور قریش کے سامنے کھڑے ہو گئے کہ جس کسی نے ان کے باپ کے ساتھ زبردستی کرنے کا ارادہ کیا تو وہ اس کا سر اڑا دیں گے۔"

زم زم کا چشمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سینکڑوں برس تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ قریش اور دیگر اہل عرب اس چشمے کی برکات اور وجود سے باخبر تھے۔ مگر وہ اس کو تلاش نہ کر پائے۔ اب یہ چشمہ خدا تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب پر منکشف کر دیا۔ قریش اور عبدالمطلب میں جب کھدائی کا جھگڑا بڑھا تو فیصلے کے لئے سعد بن ھزیم کی ایک کاہنہ کو ثالث مقرر کیا گیا۔ بنی سعد کا قبیلہ شام کی سرحد کے قریب تھا۔ راستے میں جب پانی ختم ہوا اور دونوں فریقوں کو اندیشہ ہوا کہ وہ راستے میں پیاسے ہی دم توڑ جائیں گے تو خدا کی رحمت سے حضرت عبدالمطلب کے اونٹ کے پاؤں کے نیچے سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے خود بھی پیاس بجھائی اور مخالفین کو بھی پانی دیا۔ حضرت عبدالمطلب اور ان کے فرزند کے اس سلوک پر قریش نے مصالحت کا اعلان کر دیا اور زم زم کے چشمہ پر حضرت عبدالمطلب کا حق تسلیم کر لیا۔

ابرہہ نے جب کعبہ پر لشکر کشی کی تو اپنے ایک افسر اسود بن مقصود کو مکہ کی طرف بھیجا۔ تہامہ کی چراگاہوں میں قریش، کنانہ اور ہذیل قبائل کے جو اونٹ چر رہے تھے۔ یہ حبشی افسر انہیں ہانک کر ابرہہ کے پاس لے آیا۔ ان اونٹوں میں دو سو اونٹ حضرت عبدالمطلب کے

تھے۔ان کی واپسی کے لئے حضرت عبدالمطلب نے حارث کو ساتھ لے کر ابرہہ سے ملاقات کی۔ابرہہ کے انکار اور بیت اللہ پر حملے کے اعلان پر آپ اپنے بیٹوں اور چند دیگر افراد کے ساتھ خانہ کعبہ میں آئے اور اس کے حلقے کو تھام کر اللہ سے ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی کی دعا کرنے لگے۔حارث آپ کے فرماں بردار فرزند تھے۔انہوں نے بھی حرب فجار میں شرکت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل وفات پائی۔ان کے فرزند مرہ بن حارث نوفل بن حارث' امیہ بن حارث ابوسفیان مغیرہ بن حارث اور عبداللہ بن حارث تھے۔مغیرہ بن حارث جو ابوسفیان کے نام سے مشہور ہے۔اسے بعثت سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ احباب میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ابوسفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی بھی تھا کیونکہ اس نے بھی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا۔اس کی ماں کا نام غزنہ بنت قیس بن طریف بن عبدالعزیٰ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر تھا۔ابو سفیان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عمر تھا۔نہایت خوبصورت فنون سپہ گری میں ماہر اور شعروشاعری کا دلدادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہم عمر جوانان قریش میں ان کو سب سے محبوب رکھتے تھے لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز کیا تو مغیرہ بن حارث آپ کی تائید و حمایت کی بجائے مخالفین میں شامل ہوگیا اور حق کی مخالفت کو اپنا وطیرہ حیات بنالیا یہاں تک کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہنے سے بھی گریز نہ کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو بھی مغیرہ کی اسلام دشمنی میں کوئی کمی نہ آئی۔امام حاکم اپنی مستدرک میں لکھتے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان جتنی لڑائیاں ہوئیں۔ابوسفیان نے ان سب میں مشرکین کی طرف سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اس کا یہ خلاف توقع طرز عمل اور دشمنی پر مبنی رویہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بڑے دکھ کا باعث ہوا اور آپ اس سے سخت بیزار ہو گئے۔آخر اس نے فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اپنے نوعمر فرزند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔نبی کریم ﷺ اس کی بیس برس کی ایذا رسانی یاد کر کے ہر بار رُخ پھیر لیتے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو یہ حضرت عباسؓ کی پناہ میں آ گیا اور پھر ام المومنین حضرت ام سلمیٰ ؓ سے اپنی سفارش کرائی لیکن نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کی مسلسل بے التفاتی کے باعث اپنے بیٹے کے ہمراہ ویرانوں میں جا کر مرنے کا ارادہ کیا تو رحمت کا دریا جوش میں آ گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد کو معاف کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنے چچا کے بیٹے کو وضو سکھاؤ اور نہلا کر لاؤ۔ فتح مکہ کے موقع پر مغیرہ بن حارث، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں شامل تھے۔ اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کئی اشعار لکھے اور انتقال پر ملال پر ایک غمناک مرثیہ لکھا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوسفیان ہے۔ جس کی بنا پر ابوسفیان بن حرب بن امیہ اور ان کے درمیان نام کی مماثلت سے بعض اوقات الجھاؤ محسوس ہوتا ہے۔ حارث بن عبدالمطلب کے ایک اور فرزند حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں میں شامل تھے اور ان کے کارنامے بھی اپنے بھائی مغیرہ رضی اللہ عنہ سے کسی طرح کم نہیں۔ جناب حارث کے ایک اور فرزند عبیدہ بن حارث جنگ بدر میں شریک تھے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے لشکر کفار سے عرب کے رواج کے مطابق پہلے عتبہ وشیبہ پسران ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر میدان میں آگے آئے اور جنگ مبارزہ کے لئے للکارا۔ ان سے مقابلہ کے لئے لشکر اسلام سے انصار کے تین شخص عوف ومعوذ پسران عفراء اور عبداللہ بن رواحہ نکلے۔ عتبہ نے ان سے لڑنے سے انکار کر دیا اور چلا کر کہا۔ اے محمدؐ ہمارے مقابلے کے لئے ہماری ذات برادری کے لوگوں کو یعنی قریش میں سے مہاجرین کو بھیجو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر حکم دیا کہ عتبہ کے مقابلے کو حمزہ بن عبدالمطلبؓ، عتبہ کے بھائی شیبہ کے مقابلے کو عبیدہ بن حارثؓ اور عتبہ کے بیٹے ولید کے مقابلے کو علی بن ابی طالبؓ جائیں۔ نبی پاک ﷺ کے یہ تینوں قریبی عزیز اور ہاشمی گھرانے کے جوان یہ حکم سنتے ہی میدان میں آ گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حریفوں کو ایک ایک وار میں واصل جہنم کیا جبکہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ شیبہ کے ہاتھوں زخمی ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اُٹھا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے جہاں انہوں نے اپنی جان سپرد خدا کر دی۔

جناب حارث بن عبدالمطلب کے فرزند حضرت نوفل بن حارث کے بیٹے مغیرہ بن نوفل

بن حارث بن عبدالمطلب کی شادی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ بنت العاص بن الربیع سے اس وقت ہوئی جب امامہ کے پہلے شوہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ 40 ہجری میں شہید ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامہ سے نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق کیا۔ حضرت علی کے فرزند محمد اوسط ان ہی خاتون کے بطن سے تھے جبکہ بعض روایات کے مطابق مغیرہ بن نوفل سے بھی امامہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔

جناب حارث کی اولاد کا ذکر کرتے ہم کچھ آگے نکل آئے۔ آیئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور بچپن میں چلتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ شام سے تجارتی قافلہ لے کر واپس آ رہے تھے تو راستے میں بیمار ہو کر مدینہ میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہر گئے اور بیماری کا حال باپ کے پاس کہلا بھیجا۔ حضرت عبدالمطلب نے جناب حارث کو حضرت عبداللہ کی خبر گیری اور بحفاظت مکہ لانے کے لئے بھیجا۔ حارث کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عبداللہ فوت ہو کر بنو نجار کے قبرستان میں مدفون ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ میں روح فرساں اور جاں گسل خبر جا کر سنائی تو بنو ہاشم پر رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالمطلب اور جناب ابوطالب کے علاوہ جناب حارث بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں اُٹھائے گھوما کرتے تھے۔ ان کا انتقال اعلان نبوت سے پہلے ہو چکا تھا۔ ان کی اولاد کی اسلام اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور خدمات بہت لازوال ہیں۔ جناب حارث کے بیٹوں میں مغیرہ' نوفل اور مرہ کے علاوہ طفیل' امیہ اور عبداللہ بھی تھے۔ نبی کریم ﷺ کو بارہ برس کی عمر میں نبی کے طور پر پہچان کر شام کے بحیریٰ نامی راہب نے قریش کے تجارتی قافلے کی ضیافت کی تو بحیریٰ کے اصرار پر حارث ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خیمے سے ضیافت میں لے گئے تھے۔

❁ ❁

زبیر بن عبدالمطلب

نبی کریم کے یہ چچا بڑے بہادر اور انصاف پسند تھے۔ جزیرہ عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل نہ تو کوئی منظم حکومت تھی اور نہ باقاعدہ عدالتیں موجود تھیں جو مظلوموں کی دادرسی کر سکتیں۔ سارا عرب معاشرہ قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا۔ اگر کوئی شخص دوسرے قبیلے کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو مقتول کا قبیلہ صرف اس قاتل سے انتقام نہ لیتا بلکہ اس کے سارے قبیلے سے انتقام لیا جاتا مکہ مکرمہ میں قریش کے دس قبائل آباد تھے جو دیگر عرب قبائل کے خلاف ایک دوسرے کے اتحادی تھے۔ اگر کوئی عرب قبیلہ قریش کے کسی ایک قبیلے پر حملہ آور ہوتا تو سارے قریشی قبائل مل کر اس حملہ آور کا مقابلہ کرتے کوئی بھی یہ دیکھنے کی زحمت نہ کرتا کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون۔

حضرت عبدالمطلب کے تمام بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے دل دردمند عطا فرمایا تھا۔ خصوصاً زبیر بن عبدالمطلب اس صورت حال سے بہت بیزار تھے۔ انہیں ہرگز یہ پسند نہ تھا کہ کسی بے سہارا مسافر پر مکہ کا کوئی رئیس زیادتی کرے اور وہ بے بس تماشائی بنے رہیں ایک بار یمن کا ایک تاجر اپنے سامان تجارت کے ساتھ مکہ پہنچا۔ مکہ میں عاص بن وائل نامی ایک بڑا امیر آدمی رہتا تھا۔ یہ شخص اکثر مسافروں سے دھوکہ بازی اور فریب سے ان کا مال ہتھیا لیا کرتا۔ اس نے یمنی تاجر سے سامان کا سودا کیا اور سامان اپنے قبضے میں لینے کے بعد اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ یمنی بے چارا مسافر تھا۔ یہاں اس کی جان نہ پہچان۔ اس نے عاص بن وائل کے دوست قبائل عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی بن کعب سے اس کی شکایت کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کی مدد کریں۔

ان قبائل نے مدد کے بجائے الٹا اسے جھڑک دیا۔ یمنی نے ان سے مایوس ہو کر ایک اور کام کیا۔ طلوع آفتاب کے بعد جب قریش حرم کعبہ میں حسب معمول اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے تو وہ قریب واقع جبل ابی قبیس پر چڑھ گیا اور وہاں کھڑے ہو کر بلند آواز سے فریاد کی۔

"اے فہر کی اولاد اس مظلوم کی فریاد سنو! جس کا مال و متاع مکہ شہر میں ظلما چھین لیا گیا ہے۔ وہ غریب الدیار ہے اپنے وطن سے دور اپنے مددگاروں سے دور ہے۔ وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔ اے مکہ کے رئیسو! میری فریاد سنو۔ مجھ پر حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔ عزت و حرمت تو اس کی ہے جس کی شرافت کامل ہو جو فاجر اور دھوکہ باز ہو اس کے لباس کی تو کوئی عزت نہیں ہونی چاہیے۔"

حرم میں موجود سارے قریشیوں نے یہ فریاد سنی لیکن سب سے پہلے جس نے ایک مسافر اور بے یار و مددگار کی فریاد پر لبیک کہا۔ وہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ زبیر اس مظلوم کی آہ و زاری پر مضطرب ہو کر کھڑے ہوئے اور اعلان کیا۔ "اب اس فریاد کو نظر انداز کر دینا ہمارے بس کی بات نہیں۔"

چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں بنی ہاشم' بنی زہرہ بنی تیم بن مرہ قبائل جمع ہوئے۔ ابن جدعان نے ایک پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس اجتماع میں شریک تمام شرکاء نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عہد کیا کہ "وہ سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے۔ یہاں تک کہ ظالم' مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے جب تک سمندر صوف (اون) کو تر کرتا ہے اور جب تک حراء اور شبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے۔"

اس عہد یا معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ عہد قدیم میں بنو جرھم نے بھی اس قسم کا ایک معاہدہ کیا تھا اور جن تین آدمیوں نے اس معاہدے کے لئے بھاگ دوڑ کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا۔ ان تینوں کا نام فضل تھا اور فضل کی جمع فضول ہے۔ یہ تین افراد فضل بن خضالہ' فضل بن دداعہ اور فضیل بن حارث تھے۔ نئے معاہدے کے بھی وہی مقاصد تھے۔ اس لئے اس کو بھی حلف الفضول کے نام سے شہرت ملی۔ جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص بن وائل کے گھر گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس تاجر کا مال

واپس کر دے۔ اب اس فریبی کو انکار کی مجال نہ تھی لہٰذا مجبوراً تاجر کو اس کا مال واپس کر دیا۔ اس موقع پر جناب زبیر بن عبدالمطلب نے اپنی مسرت کا اظہار یوں کیا:۔

"یہ معاہدہ کرنے والوں نے قسم اٹھائی ہے کہ سرزمین مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔ یہ ایسی بات ہے جس پر ان سب نے متفقہ معاہدہ کیا ہے۔ پردیسی اور فقیر جوان کے ہاں آئے گا۔ ہر قسم کے جور و ستم سے محفوظ ہو گا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بیس برس تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ میں شرکت فرمائی۔ بعثت کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شرکت پر اظہار مسرت فرمایا کرتے تھے۔ ارشاد گرامی ہے کہ

"میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں موجود تھا جب حلف الفضول طے پایا۔ اس معاہدے سے الگ ہونے کے بدلے اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کے لئے تیار نہیں اور اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو میں اسے قبول کروں گا۔"

اس طرح زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک سے ایک ایسا معاہدہ وجود میں آیا جس کا واسطہ دے کر فریاد کی جاتی تو لوگ بلا تامل تلواریں لے کر فریادی کی مدد کو دوڑے آتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چچا کا انتقال بعثت سے قبل ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب پندرہ برس تھی تو آپ نے قریش کے ساتھ حرب فجار میں شرکت کی۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خود حفاظت فرمائی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ و قتال میں حصہ نہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے نہ کوئی شخص مارا گیا نہ زخمی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمولیت صرف اس حد تک تھی کہ آپ کے سارے چچا اس لڑائی میں شریک تھے۔ آپ اپنے چچا جناب حارث بن عبدالمطلب زبیر بن عبدالمطلب، حجل، مقوم، ابوطالب، قثم، غیداق، عباس، ضرار اور ابولہب کو اپنے ہم عمر چچا حضرت حمزہ کے ساتھ تیر وغیرہ دیتے جاتے اور چچا یہ تیر مخالف لشکر پر برساتے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ "میں ان تیروں کو روکا کرتا تھا۔ جو میرے چچوں پر چلائے جاتے تھے۔" بعض روایات میں یہ جملہ بھی آتا ہے کہ "میرے چچا دشمن پر تیر برساتے تھے اور میں ترکش سے تیر نکال نکال کر انہیں دیا کرتا تھا۔ زبیر بن عبدالمطلب کے دو بیٹے عبداللہ اور طاہر اور دو ہی بیٹیاں ضباعہ اور ام الحکیم ہیں۔

ابولہب بن عبدالمطلب

صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر جب ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے اسے دی تو اپنے بھتیجے کی ولادت کی خوشخبری سن کر اس نے ثوبیہ کو آزاد کردیا۔ پیر محمد کرم شاہ محفل میلاد کے حق میں بحث کے دوران ''ضیاء النبی'' میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ ابولہب کی موت کفر پر ہوئی اور اس کی مذمت میں پوری سورۃ نازل ہوئی لیکن میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار مسرت کی برکت سے پیر کے روز سارے ہفتے کے مسلسل عذاب کے بعد اسے پانی کا گھونٹ پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی اس روز کمی کردی جاتی ہے۔''

دوسرے چچوں کی طرح ابولہب بھی شروع میں آپ سے محبت کا برتاؤ کرتا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ساتویں روز جب حضرت عبدالمطلب نے تمام قریش کو جمع کرکے عقیقہ کیا تو ابولہب نے بھی اس تقریب میں خوشی خوشی شرکت کی تھی اور ان سات دنوں میں ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ نے کئی بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا۔

حضرت عبدالمطلب جب حرم شریف میں حاضری کے لئے جاتے تو کعبہ کے سائے میں ان کے لئے مخصوص نشست گاہ بنائی جاتی۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی مجال نہ تھی کہ اس پر قدم رکھ سکے حتیٰ کہ ان کے بیٹے بھی ازراہ ادب اس نشست سے دور ہٹ کر بیٹھتے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو بے جھجک اپنے ذی وقار دادا کی نشست پر بیٹھ جاتے۔ ایک بار ابولہب اور ایک دو دوسرے چچوں نے آپ کو ایسا کرنے سے منع کیا تو حضرت

عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے فرمایا۔ میرے بچے کومت روکو اس کو آگے آنے دو بخدا اس کی بڑی شان ہوگی۔'' ابولہب اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ حرب فجار میں بھی شریک تھا۔ اس جنگ میں قریش کے ہر قبیلے کا الگ الگ فوجی دستہ تھا۔ بنو ہاشم کے دستے کے سربراہ زبیر بن عبدالمطلب تھے جبکہ قریش اور تمام حلیف قبائل کا سپہ سالار حرب بن امیہ تھا۔ ابولہب اپنے بھائی زبیر بن عبدالمطلب کی کمان میں بڑے جوش وخروش سے اس لڑائی میں شریک تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تقریب میں حضرت عبدالمطلب کے تمام بیٹے اور تمام قابل تذکرہ افراد مدعو تھے۔ ان میں ابولہب بھی شریک تھا۔ یہاں تک ابولہب آپ سے محبت کرنے والا دکھائی دیتا ہے مگر جونہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت فرماتے ہیں اور دعوت اسلام دیتے ہیں تو یہ چچا دشمنی پر اتر آیا۔ بعثت کے بعد تین سال کا عرصہ خاموشی سے تبلیغ کرتے گزرا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ دعوت توحید کے دائرہ کو وسیع کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اس حکم خداوندی کی تعمیل ضروری تھی لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی ہفتے تک اس سوچ میں مستغرق رہے۔ رات اور دن اسی فکر میں بیت جاتے۔ آپ گھر میں گوشہ نشین رہے۔ اس خاموشی اور عزلت گزینی کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں بیمار تو نہیں۔ پیاری اور شفیق پھوپھیاں عیادت کی نیت سے آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ میری صحت بالکل ٹھیک ہے لیکن میں اس سوچ میں کھویا رہتا ہوں کہ اپنے رب کے اس حکم کی تعمیل کیسے کروں۔ انہوں نے عرض کیا کہ بھتیجے آپ بے شک عبدالمطلب کی ساری اولاد کو بلا کر یہ پیغام پہنچائیں لیکن عبدالعزیٰ (ابولہب) کو نہ بلائیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانے گا۔

دوسرے روز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوعبدالمطلب کو بلا بھیجا وہ بھی آئے اور عبدمناف کی اولاد میں سے بھی چند لوگ پہنچ گئے۔ سب کی تعداد پینتالیس کے لگ بھگ تھی۔ کھانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مدعا بیان کرنے کو نہ اٹھے تھے کہ ابولہب نے گفتگو شروع کر دی۔ اس نے کہا ''یہ تمہارے چچے اور چچازاد بھائی ہیں۔ اب جو تم کہنا چاہتے

ہو کہو لیکن یہ بات نہ بھولنا کہ تمہاری قوم میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ سارے اہل عرب کا مقابلہ کر سکے۔ مناسب تو یہ ہے کہ جو کام تم نے شروع کیا ہے تمہارے قبیلے والے اور قریبی رشتہ دار تمہیں اس سے روک دیں۔ ان کے لئے یہ آسان ہے بجائے اس کہ قریش کے سارے خاندان تمہارے خلاف متحد ہو کر مقابلہ کیلئے کھڑے ہو جائیں اور عرب کے سارے لوگ ان کی تائید کر رہے ہوں۔ اے میرے بھتیجے! کوئی آدمی ایسا فتنہ وفساد کا پیغام لے کر اپنی قوم کے پاس نہیں آیا جس فتنہ وفساد کے پیغام کو لے کر تم آئے ہو۔"

ابولہب کہتا رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ فرمائی۔ چند روز کے بعد پھر آپ نے رشتہ داروں کی دعوت فرمائی اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ دوسرے لوگوں نے تو آپ کو معقول جواب دیا لیکن ابولہب نے بڑی رذالت کا ثبوت دیا وہ بولا: اے فرزندان عبدالمطلب' یہی چیز ہمارے لئے ذلت و رسوائی کا باعث بنے گی۔ تم آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لو۔ اس سے پہلے کہ دوسرے لوگ اس کے ہاتھوں کو پکڑیں۔ اس وقت اگر تم اس کو ان کے حوالے کر دو گے تو تم ذلیل و رسوا ہو گے اور اگر تم اس کا دفاع کرو گے تو وہ تمہیں تہ تیغ کر دیں گے۔"

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ابولہب کی یہ بات سن کر ضبط نہ کر سکیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اے بھائی! کیا تمہیں یہ بات زیب دیتی ہے کہ اپنے بھتیجے کو بے یار و مددگار چھوڑ دو۔ بخدا آج تک ہمیں اہل علم یہ بتاتے رہے ہیں کہ عبدالمطلب کی نسل سے ایک نبی ظاہر ہوگا۔ بخدا یہ وہی نبی ہیں۔ ابولہب کہنے لگا کہ یہ ساری باتیں بے سروپا اور خوش فہمیاں ہیں اور پردہ نشین عورتوں کی باتیں ہیں۔ جس وقت قریش کے سارے خاندان تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور جزیرہ عرب کے سارے قبیلے ان کی مدد کر رہے ہوں تو اس وقت ہمیں اپنی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

ابولہب کی گفتگو کے بعد جناب ابو طالب اُٹھے اور اعلان کر دیا کہ "بخدا جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت اور دفاع کریں گے۔" ان دو اجتماعات میں صرف عبدالمطلب کا خاندان اور قریبی عزیز مدعو تھے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے اجتماع کا اہتمام فرمایا۔ اس میں قریش کے سارے قبیلوں کو دعوت دی گئی اور صفاء کی پہاڑی پر نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر سب کو مخاطب فرمایا۔

''حاضرین: اگر میں تمہیں کہوں کہ پہاڑ کی دوسری جانب ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لئے بڑھتا چلا آرہا ہے تو کیا تم میری بات تسلیم کر لو گے وہ بولے ہم تسلیم کریں گے کیونکہ آج تک آپ کی زبان سے ہم نے کبھی ایسی بات نہیں سنی جو غلط ہو۔ اس پر نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ اے گروہ قریش! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچاؤ کیونکہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ میں عذاب شدید سے پہلے تمہیں واضح طور پر بروقت ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔'' حاضرین میں ابولہب بھی موجود تھا۔ اس بدبخت نے آپ کی گفتگو سن کر کہا۔

''تو برباد ہو! کیا اسی لئے ہمیں آج جمع کیا تھا۔''

اللہ کے محبوب نے تو اس گستاخی کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنے بے پایاں حلم اور عالی ظرفی کے باعث سکوت فرمایا لیکن آپؐ کے غیور رب نے اسی وقت اس بدبخت اور گستاخ کی مذمت میں پوری ایک سورۃ نازل فرما دی۔ تبت یدا ابی لھب یعنی ابولہب کے وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں، جن کی ایک انگلی سے میرے محبوب کی طرف اشارہ کیا اور وہ خود بھی تباہ و برباد ہو جائے۔

قریش کے تمام قبیلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت حق سے نہ روک سکے تو اُنہوں نے جناب ابو طالب کو دھمکیاں اور ترغیبات دینا شروع کر دیں۔ جناب ابو طالب کو اس کا بڑا رنج تھا کہ ان کے قریبی عزیز بھی غیروں کی طرح بن چکے تھے۔ اُنہوں نے ایک قصیدہ لکھا جس میں بنو ہاشم اور خصوصاً بنو عبدالمطلب کے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ اپنے بھتیجے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالے نہ کریں گے۔ اس پر بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب دونوں خاندانوں نے وعدہ کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے دوران کے دشمنوں کے سامنے خود سینہ سپر ہو جائیں گے۔ البتہ ابولہب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا اور خاندان بنو ہاشم کا ایک سرکردہ آدمی تھا۔ اس نے اپنے خاندان کے مؤقف کے عکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں اپنی ہر چیز داؤ پر لگانے کی قسم کھالی۔ اس کی زندگی کا لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ پہنچانے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ظلم و ستم کے

پہاڑ توڑنے میں صرف ہونے لگا۔ اس کے اس کام میں اس کی بیوی ام جمیل جس کا نام اروی بنت حرب بن امیہ تھا اور جو ابوسفیان کی بہن تھی سب سے پیش پیش تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ابولہب کے ساتھ اس عورت کو بھی عذاب جہنم کا سزاوار قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل، ربیعہ بن عباد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ''میں نے ذوالمجاز کے میلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ فرماتے دیکھا لوگوں کا جمگھٹا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک شخص لگا ہوا ہے جس کی آنکھیں بھینگی اور چہرہ چمکدار ہے۔ بالوں کی دولٹیں اس کے گلے میں لٹکی ہوئی ہیں۔ وہ بلند آواز سے چیخ رہا ہے۔ (نعوذ باللہ) ''یہ شخص بے دین ہے کاذب ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم جدھر جاتے ہیں۔ وہ آپ کے پیچھے جاتا ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے انہوں نے بتایا کہ یہ ان کا چچا ہے اور اس کا نام ابولہب ہے۔

جب سورت تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی کا جذبہ عناد سہ آتشہ ہوگیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لبوترہ سا پتھر تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں حرم شریف میں آئی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے۔ انہوں نے جب اس ظالم عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آتے دیکھا تو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بڑی بدزبان عورت ہے۔ فحش کلامی اس کی فطرت ہے۔ بہتر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے تشریف لے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بدکلامی اور ہرزہ سرائی سے اذیت پہنچائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکر فکر نہ کرو وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ جب وہ قریب پہنچی تو کہنے لگی۔ اے ابوبکر ؓ تیرے دوست نے میری ہجو کہی ہے۔ انہیں کیا ہوگیا ہے کہ میرے بارے شعر کہنے لگے ہیں۔ حضرت ابوبکر ؓ نے کہا کہ بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو شعر نہیں کہا کرتے وہ کہنے لگی آپ سچے ہیں اور یہ کہتے ہوئے واپس چلی گئی کہ سارے قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار عبدمناف کی بیٹی ہوں اور جس کا باپ عبد مناف ہو کسی کو زیب نہیں دیتا کہ اس کی مذمت کی جسارت کرے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہؐ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک وہ کھڑی رہی۔

ایک فرشتہ اپنے دونوں پروں سے مجھ پر پردہ کیے رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہیں میرے علاوہ بھی کوئی یہاں نظر آ رہا ہے تو وہ کہنے لگی تم میرے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ بخدا مجھے تو تمہارے پاس اور کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ابولہب کی بیوی آئی اور کہنے لگی۔ یا محمد ﷺ تو نے کس بنا پر میری ہجو کہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بخدا میں نے تیری مذمت نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تیری ہجو کہی ہے۔ وہ کہنے لگی تو نے مجھے کبھی ایندھن سر پر اٹھائے دیکھا کہ مجھے حمالة الحطب کہا ہے اور کبھی میرے گلے میں کھجور کی چھال کی رسی دیکھی ہے کہ میرے بارے میں کہا فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ "مِّنْ مَّسَد اس کے اس قول سے ان مفسرین کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ جنہوں نے حمالة الحطب کا معنی چغل خوری کرنے والی کیا ہے اور اس رسی سے وہ رسی مراد ہے جو آگ سے بنی ہوگی اور ستر گز لمبی ہوگی اور دوزخ میں اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ ابولہب اور ام جمیل کے کہنے پر ہی ان کے بیٹوں نے نبی پاک کی معصوم صاحبزادیوں کو طلاق دے دی تھی۔

حضرت ابوطالب عبدمناف بن عبدالمطلب

ابوطالب کی کنیت اور حضورؐ کی پرورش

حضرت ابوطالب کا نام عبدمناف تھا جبکہ ابوطالب ان کی کنیت تھی۔ حضرت ابوطالب اور حضرت عبداللہ دونوں فاطمہ بن عمرو بن عائذ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابوطالب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع دن سے بہت چاہتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے انتقال کے وقت نبی پاک ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری حضرت ابوطالب کو عطا فرمائی تھی۔ ابوطالب کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ اس کے باوجود آپ اور آپ کی اہلیہ فاطمہ بنت اسدؓ نے اپنے بچوں سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کا فریضہ ادا کیا۔

مذہبی حالات

اس زمانے میں عرب کے اندر راہبوں، کاہنوں، جادوگروں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں کی کثرت تھی۔ لوگ کسی خاص مذہب کے پیروکار نہ تھے۔ چند نیک طبیعت افراد البتہ اپنی زندگی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتے لیکن سو فیصد علم نہ ہونے کے باعث وہ بھی پوری طرح دین حنیفہ پر عمل پیرا نہ ہو پاتے۔ اس صورتحال میں جو شخص خدا کی تلاش میں نکلتا وہ یا تو دُنیا ترک کر کے ویرانوں میں جا بیٹھتا یا پھر کاہن یا قیافہ شناس بن جاتا۔

قیافہ شناسی

بنی ازد خاندان قیافہ شناسی میں بہت مشہور تھا۔ ان کا ایک ماہر قیافہ شناس ایک بار مکہ مکرمہ آیا۔ حضرت ابوطالب نبی پاکؐ کو بھی لے کر اس کے پاس گئے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر دیکھا پھر دوسرے بچوں کو دیکھنے لگا۔ جب فارغ ہوا تو کہنے لگا۔ ابھی ابھی میں نے ایک بچہ دیکھا تھا اسے میرے پاس لاؤ حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے بارے اس کا اشتیاق دیکھا تو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا دیا۔ وہ بار بار اصرار کرتا کہ وہ بچہ میرے پاس لاؤ بخدا اس کی شان بڑی بلند ہوگی لیکن حضرت ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر چلے گئے اور اس کے اصرار کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے نہ کیا۔

بحیری سے ملاقات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح علم تھا کہ ان کے شفیق چچا کی مالی حالت کمزور ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک دس سال کے لگ بھگ ہوئی تو آپ نے لوگوں کے ریوڑ اجرت پر چرانے شروع کر دیئے۔ ابن خلدون کی روایت کے مطابق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب تیرہ برس یا سترہ برس کی تھی تو حضرت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے شام جانے کی تیاری کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور فرمایا ''اے چچا! آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔ میرا نہ باپ ہے اور نہ ماں۔'' چنانچہ ابو طالب آپ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ راستے میں جرجیس راہب جو بحیریٰ کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے اپنی خانقاہ کے قریب حضرت ابو طالب کے قافلے میں آپ ﷺ کو دیکھ کر پہچان لیا کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ اسے خیال آیا کہ کتب میں مرقوم نشانیوں کے اعتبار سے اس نوجوان کو قریب سے بھی دیکھا جائے لہٰذا اس نے سارے قافلے کی دعوت کا اہتمام کیا۔ سارا قافلہ اس کے طرز عمل سے حیران تھا۔ ایک شخص نے پوچھ ہی لیا کہ اے بحیریٰ ہم لوگ پہلے بھی یہاں سے گزرتے ہیں مگر تم نے کبھی ہمیں دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔ آج کیوں یہ اہتمام کیا جا رہا ہے؟ بحیریٰ نے اسے فقط مہمان نوازی کہہ کر ٹال دیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث بن عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت میں لے گئے جہاں بحیریٰ نے نبی پاک ﷺ سے کچھ گفتگو کی۔ اس کے بعد بحیریٰ ابو طالب سے مخاطب ہوا۔ اے سردار! آپ اپنے بھتیجے کو لے کر وطن لوٹ جائیں۔ یہودیوں سے ہر وقت ہوشیار رہیں۔ اگر انہوں نے اس بچے کو دیکھ لیا تو وہ ان کو پہچان لیں گے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

ابو طالب اور حارث دونوں بھائی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جلدی سے لے کر شام پہنچے اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کو لے کر مکہ واپس آئے۔ ابو طالب کو اپنے بھتیجے کی نبوت اور حیثیت کا یقین تھا۔ ایک بار مکہ مکرمہ میں قحط سالی تھی۔ بڑے عرصے سے بارش نہ

ہوئی تھی۔لوگ بنو ہاشم کو ان کی نیک خصلت اور کعبہ کی خدمت کے باعث بزرگ مانتے تھے۔ تمام اہل مکہ حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور بارش کیلئے دعا کی درخواست کی۔ حضرت ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اس وقت نوخیز نوجوان تھے۔ انہیں ساتھ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کعبہ سے لگا دی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی گزارش کی۔ ہاتھ اُٹھنے کی دیر تھی کہ سارا مکہ جل تھل ہو گیا اور خوب بارش ہوئی جس سے فصلیں کاشت کرنے کیلئے زمین تیار ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ کثیر العیالی اور تنگ دستی سے ابو طالب کو مشکلات پیش آ رہی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے چچا کی تجویز پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے تجارتی قافلے کو لے کر شام جانے پر آمادگی ظاہر کر دی اور پھر آپ کی دیانت اور معاملہ فہمی سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر لیا۔ حضرت خدیجہؓ کے ہاں نکاح کا پیغام حضرت ابو طالب خود لے کر گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا خطبہ دیا۔ خطبے میں انہوں نے کہا کہ۔

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کھیتی سے معد کی نسل سے اور معنر کے اصل سے پیدا فرمایا نیز ہمیں اپنے گھر کا پاسبان اور اپنے حرم کا منتظم مقرر کیا۔ ہمیں ایک ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایسا حرم بخشا جہاں امن میسر آتا ہے نیز ہمیں لوگوں کا حکمران مقرر فرمایا۔ حمد کے بعد میرا یہ بھتیجا جس کا نام محمد بن عبداللہ ہے۔ اس کا دُنیا کے جس کسی بھی بڑے سے بڑے آدمی کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا۔ اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اگر یہ مالدار نہیں تو کیا ہوا۔ مال تو ایک ڈھلنے والا سایہ ہے اور بدل جانے والی چیز ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس کی قرابت کو تم خوب جانتے ہو۔ اس نے خدیجہ بنت خویلد کا رشتہ طلب کیا ہے اور ساڑھے بارہ اوقیہ سونا مہر مقرر کیا ہے اور بخدا مستقبل میں اس کی شان بہت بلند ہوگی۔ اس کی قدر و منزلت بہت جلیل ہوگی۔''

اس خطبے کے بعد حضرت خدیجہ کے چچازاد ورقہ بن نوفل نے جوابی خطبہ دیا پھر حضرت ابو طالب گویا ہوئے کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کارِ خیر میں خدیجہ کے چچا عمرو بھی شامل ہوں

چنانچہ عمرو نے بھی خیر کے الفاظ کہے۔

نکاح کے اثرات

حضرت خدیجہؓ سے نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی کا سبب بنا اور اس نکاح کے اثرات بعد میں اسلامی تاریخ پر بھی کئی حوالوں سے بہت نمایاں ہیں۔ اس نکاح کی برکت سے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مالی امور سے اطمینان حاصل ہوا وہاں آپ ﷺ کی تمام اولاد بھی حضرت خدیجہ سے ہی پیدا ہوئی لہٰذا ایسے اہم کام میں حضرت ابو طالب کی اس انداز سے شرکت بہت اہم بات ہے۔

اسلام میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں کے بعد جب دوسرے لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو قریش نے مناسب سمجھا کہ حضرت ابو طالب سے اس سلسلے میں بات کی جائے۔ چنانچہ قریش کا ایک وفد جس میں عتبہ‘ شیبہ‘ پسران ربیعہ‘ ابو سفیان بن حرب بن امیہ ‘ابو البختری‘ العاص بن ہشام‘ اسود بن مطلب‘ ابو جہل‘ ولید بن مغیرہ‘ نبیہ اور منبہ پسران حجاج بن عامر اور عاص بن وائل شامل تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ اے ابو طالب آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے۔ ہمیں بے وقوف اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے یا تو آپ اسے روک لیں یا درمیان سے ہٹ جائیں ہم خود اسے روک لیں گے۔ حضرت ابو طالب نے اُنہیں بڑے احسن طریقے سے ٹال دیا اور نبی پاک ﷺ کی حوصلہ افزائی کے لئے بڑے خوبصورت انداز پیش کئے مثلاً ایک بار آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ نماز پڑھ رہے تھے جبکہ ابو طالب کے ایک بیٹے جعفر رضی اللہ عنہ قریب کھڑے تھے۔ ابو طالب نے انہیں کہا کہ تم بھی اپنے بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ ذرا تصور کیجئے کہ سارا عرب دعوت اسلام کے باعث جب آپ کی دشمنی پر کمر بستہ ہو چکا تھا۔ ابولہب جیسا چچا بھی مخالفین کے ساتھ مل چکا ہو تو جب ابو طالب نے جعفرؓ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبادت کرنے کا کہا ہو گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کیسی مسرت ہوئی ہو گی اور مخالفتوں کے طوفان میں آپ ﷺ کی کیسی حوصلہ افزائی ہوئی ہو گی۔

قریش کی

قریش کے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طرح طرح کی باتیں اور منصوبے بنانے لگے۔ اب انہوں نے عام لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ اُنہوں نے ایک بار پھر حضرت ابو طالب سے ملاقات کی اور درشت لہجے میں

گفتگو کی۔ اس بار انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو طالب کو بھی خطرناک نتائج کی دھمکی دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت ابو طالب نے قریش کی دھمکیوں اور ارادوں سے آگاہ کیا پھر کہا۔ "اے بھتیجے مجھ پر بھی رحم کر اور اپنے آپ پر بھی۔ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو اُٹھانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا کی یہ گفتگو سن کر خیال گزرا کہ شائد ابو طالب آپ کی مدد اور تعاون سے ہاتھ اُٹھانا چاہتے ہیں اور اب ان میں اتنی ہمت نہیں رہی کہ آپ کا ساتھ دے سکیں۔ اس موقع پر رحمت للعلمین کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"چچا جان! خدا کی قسم اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج رکھ دیں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں اور یہ سمجھیں کہ میں اپنا کام ترک کر دوں گا تو یہ ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ دے دے گا یا میں اس کے لئے جان دے دوں گا۔ اس وقت تک میں اس کام کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔"

پیارے بھتیجے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ابو طالب نے پاس بلایا۔ سینے سے لگایا بوڑھے چچا ہچکیاں لے کر رو رہے تھے اور آنسو باتیں کر رہے تھے۔ پھر بولے۔ اے میرے بھتیجے۔ تمہارا جو جی چاہے کہو۔ میں تمہیں کسی قیمت پر کفار کے حوالے نہیں کروں گا۔ حضرت ابو طالب اب تک تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر ڈٹے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک قصیدہ لکھا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کی غیرت کو للکارا اس قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

وَلَمَّا رَاَیْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِیھِم ۔۔۔ وَقَدْ قَطَعُوْا کُلَّ لعُرٰی وَالْوَسَائِلِ

"جب میں نے قوم کو دیکھا کہ ان میں محبت کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ انہوں نے محبت وقرابت کے سارے رشتے توڑ دیے ہیں۔"

وَاَحْضَرْتُ عِنْدَالْبَیْتِ رَھْطِیْ وَاِخْوَتِیْ ۔۔۔ وَاَمْسَکْتُ مِنْ اَثْوَابِہٖ بِالْوَصَائِلِ

"میں نے بیت اللہ شریف کے پاس اپنی قوم اور اپنے بھائیوں کو جمع کیا اور میں نے بیت اللہ کے سرخ دھاریوں والے غلاف کو پکڑ لیا۔"

کَذَبْتُمْ وَبَیْتِ اللہِ نَتْرُکُ مَکَّۃَ ۔۔۔ وَنَظْعَنُ اِلَّا اَمْرُکُمْ فِیْ بَلَابِلِ

"خانہ خدا کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم مکہ کو چھوڑ جائیں گے اور یہاں سے کوچ

کر جائیں گے۔ یہاں تک کہ تمہاری حالت مضطرب ہو جائے اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ   وَنُذْهَلَ عَنْ اَبْنَاءِ نَا وَالْحَلَائِلِ

''اور ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے اس سے پیشتر کہ ہمارے لاشے اس کے ارد گرد خاک آلود پڑے ہوں اور ہم اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کو بھی فراموش کر چکے ہیں''

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ   ثِمَالُ الْيَتَامٰى ''عِصْمَةٌ'' لِلْاَرَامِلِ

''میرا بھتیجا گوری رنگت والا ہے جس کے چہرے کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کی ناموس کا محافظ ہے۔''

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ   فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

''یہ وہ جواں مرد ہے جس کی پناہ آل ہاشم کے مفلس لیتے ہیں۔ پس وہ جب اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو وہ ان پر اپنے رحم و کرم کی بارش برسا دیتا ہے۔''

بنو ہاشم اور بنو مطلب کے افراد کو نبی پاک ﷺ کے دفاع میں متحد کرنے کی یہ کوشش کامیاب ہوئی اور تمام افراد نے عہد کیا کہ وہ اپنی جانیں قربان کر دیں گے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند نہ پہنچنے دیں گے۔

اب قریش اور دیگر کفار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان افراد کے بھی دشمن ہو گئے۔ آخر ابو طالب، بنو ہاشم، بنو مطلب اور کچھ دیگر مسلمانوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس گھاٹی میں منتقل ہو گئے جو شعب بنی ہاشم یا شعب ابی طالب کہلاتی ہے۔ ابولہب نے کفار کا ساتھ دیا اور وہ اس پر فخر کرتا تھا۔ قریش چاہتے تھے کہ کوئی غیر قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے۔ وہ اس قاتل کو بچانے کے لئے جتنا خون بہا مانگا جائے گا، دے دیں گے۔

اب ذرا ادھر دیکھیں کہ حضرت ابو طالب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار سے بچا کر اس گھاٹی میں تو لے آئے مگر ہر وقت خوف اور اندیشہ رہتا کہ کوئی بد بخت انہیں نقصان نہ پہنچا دے لہٰذا جب سارے لوگ سو جاتے تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بستر سے کسی ایک جگہ جا سلاتے جس کا علم کسی کو نہ ہوتا اور رسول اللہؐ کے بستر پر اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ یا حمزہ رضی اللہ عنہ یا بیٹوں میں سے کسی کو سلا دیتے۔

قریش نے جب اپنے منصوبوں کو خاک میں ہوتا دیکھا تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سماجی بائیکاٹ کا منصوبہ تیار کر لیا اور تمام قبیلوں سے عہد لے کر اس عہد نامے کو کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا تاکہ دوسرے علاقوں سے آنے والے حجاج بھی جان لیں کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ اہل مکہ نے تمام رشتے ناتے' کاروبار اور لین دین ختم کر دیا ہے۔ اس عہد نامے سے بنو ہاشم کی مظلومیت کا تاثر پھیلنے لگا اور اب تک جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی نبوت سے واقف نہ تھے۔ ان تک آپ کی تعلیمات کفار کی زبانی پہنچنے لگیں لوگوں میں آپ کو دیکھنے اور ملنے کا اشتیاق پیدا ہونے لگا۔

کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ اس عہد نامے کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے حضرت ابو طالب کو بتایا۔ آپ حیران تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طویل عرصے سے کعبہ میں نہیں گئے نہ یہاں کوئی ملنے آتا ہے تو انہیں کیسے یہ خبر ہوئی پھر پوچھا بھتیجے کیا یہ بات اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک۔ حضرت ابو طالب نے کہا۔ چمکتے ہوئے ستاروں کی قسم تیری بات بالکل سچ ہے تو نے کبھی غلط بیانی نہیں کی۔

حضرت ابو طالب چند افراد کے ساتھ حرم شریف میں پہنچے۔ قریش سمجھے یہ معافی مانگنے آئے ہیں۔ حضرت ابو طالب نے انہیں کہا کہ عہد نامہ لے کر آؤ۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ صلح کی تدبیر نکل آئے۔ آپ نے تمام لوگوں سے کہا کہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے کہ جو دستاویز تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر دیمک مسلط کر دی ہے۔ اگر اس کی بات سچی ہوئی تو یہ عہد نامہ منسوخ سمجھا جائے اگر ایسا نہ ہوا تو پھر تم جیسا کہو گے ویسا ہی کروں گا۔ اس گفتگو پر غور کریں کہ حضرت ابو طالب کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں۔ یہ الفاظ اسی وقت ادا ہو سکتے ہیں جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات پر پختہ یقین ہوتا۔ قریش نے جب عہد نامے کو کھولا تو اس کی ایسی تمام شقیں دیمک چاٹ چکی تھیں جن میں ظلم و جور پر کفار نے متحد رہنے کا عہد کیا تھا۔ وہ اندھے اس کھلی بات کو بھی نہ جان سکے اور کہنے لگے کہ واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑا جادوگر ہے (نعوذ باللہ) حضرت ابو طالب یہ دیکھ کر دوبارہ گھاٹی میں آ گئے۔

شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کو صعوبتیں برداشت کرتے تین برس ہو چکے تھے کہ نبی

پاک ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے زبیر نے زمعہ بن اسود، ابوالبختری اور معطم بن عدی کے ساتھ مل کر اس عہدنامے کو پھاڑ ڈالا۔ ابوجہل نے حائل ہونے کی کوشش کی لیکن یہ لوگ بھی چونکہ مسلمان نہ ہوئے تھے اور مکہ کے سرداروں میں سے تھے لہٰذا ان کی جرأت کے سامنے کچھ نہ کر سکا۔ ان لوگوں کی نیکی پر حضرت ابوطالب نے قصیدہ لکھ کر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس کے چند شعر پیش خدمت ہیں

اَلَاهَلْ اَتٰى بَحْرِيِّنَا صُنْعُ رَبِّنَا عَلٰى نَايِهِمْ وَاللّٰهُ بِالنَّاسِ اَرْوَدُ

''کیا ہمارے سمندر کا سفر طے کرنے والے مہاجروں کو اس دوری کے باوجود ہمارے رب نے جو کیا ہے انہیں معلوم ہوگیا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ حلم و بردباری کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔''

فَيُخْبِرُهُمْ اَنَّ الصَّحِيْفَةَ مُزِقَتْ وَاَنَّ كُلَّ مَالَمْ يَرْضَهُ اللّٰهُ مُفْسَدُ

''اور ان کو یہ اطلاع ملی ہے کہ اس صحیفہ کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، وہ فنا ہو جاتی ہے۔''

جَزَى اللّٰهُ رَهْطًا بِالْحَجُوْنِ تَتَابَعُوْا عَلٰى مَلَاٍ يَهْدِىْ لِعَزْمٍ وَيَرْشُدُ

''اللہ تعالیٰ اس گروہ کو جزائے خیر دے جو حجون کے مقام پر جمع ہوئے اور ایک ایسا فیصلہ کیا جس میں دانائی اور ہدایت تھی۔''

طبیعت کی ناسازی اور قریش

شعب ابی طالب سے رہائی کے بعد حضرت ابوطالب کی طبیعت اکثر ناساز رہنے لگی۔ قریش نے مشورہ کیا کہ اٹھو سب ابوطالب کے پاس چلیں، ان کا وقت آخر ہے۔ شائد ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کچھ مفاہمت ہو جائے۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب اور چند دوسرے آدمی مل کر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے دل میں آپ کی بہت قدر و منزلت ہے۔ آپ ہم میں اور اپنے بھتیجے میں صلح کرا دیں نہ وہ ہمیں کچھ کہیں اور نہ ہم انہیں کچھ کہیں گے۔ حضرت ابوطالب نے نبی پاک ﷺ کو بلا بھیجا اور تمام معاملہ گوش گزار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ چچا جان انہیں فرمائیں۔ میری صرف ایک بات مان لیں۔ سارے عرب کے یہ مالک بن جائیں گے اور سارا عجم بھی ان کا باج گزار بن جائے گا۔ ابوجہل جھٹ بولا۔ تیرے باپ کی قسم ایک

بات نہیں آپ ﷺ ایسی دس باتیں بھی کہیں تو ہم ماننے کیلئے تیار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

یعنی عبادت کے لائق کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے بغیر تم جن معبودوں کی پرستش کرتے ہو ان کو پرے پھینک دو۔"

یہ سن کر ان کے رنگ اُڑ گئے اور کہنے لگے کہ یہ شخص کوئی مطالبہ تسلیم نہ کرے گا یہ کہہ کر وہاں سے واپس چلے گئے۔ حضرت ابو طالب نے ان کے جانے کے بعد کہا "میں نہیں دیکھتا کہ تم نے کسی غلط بات کا ان سے مطالبہ کیا ہے۔"

حضرت ابو طالب نے آخری لمحات میں جو وصیت اپنے قبیلے کے افراد کو کی۔ اس کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔ ابو طالب کی وصیت

"اے قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں سے منتخب کرلیا ہے۔ تم سارے عرب کا دل ہو۔ یہ اچھی طرح جان لو کہ تم نے تمام اچھی صفات اپنے اندر جمع کرلی ہیں۔ عزت و بزرگی کے تمام مدارج تم نے پالئے ہیں۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے تمہیں دوسری قوموں پر برتری حاصل ہوئی۔........ میں تمہیں بیت اللہ شریف کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اسی پر تمہاری معاش کا دارومدار ہے اور اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے۔ قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا' قطع رحمی سے باز رہنا کیونکہ صلہ رحمی سے زندگی طویل ہوتی ہے اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغاوت' سرکشی کو ترک کر دینا کیونکہ اسی وجہ سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں جو دعوت دے اس کو قبول کرنا' سائل کو خالی نہ لوٹانا کیونکہ اس میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔ سچ بولنا' امانت میں خیانت نہ کرنا۔ ان خوبیوں کی وجہ سے خواص کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور عوام کے دلوں میں عزت۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ سارے قبیلہ قریش میں وہ الامین کے لقب سے ملقب ہے اور سارے اہل عرب اسے الصدیق کہتے ہیں۔ جن خصائل حمیدہ کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے۔ وہ ان تمام کا مجموعہ ہے۔ بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مفلسوں اور ناداروں نے دور دراز علاقوں میں رہنے والوں نے کمزور اور ضعیف لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کرلیا ہے۔ اس کے دین کی تعظیم کی ہے۔ گویا میں

دیکھ رہا ہوں کہ اس کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کے محلات غیر آباد ہو گئے ہیں۔ عرب کے سارے باشندے ان کے ساتھ دل سے محبت کرنے لگے ہیں۔ اپنے دلوں کو اس کی محبت و عقیدت کے لئے اُنہوں نے مخصوص کر دیا ہے اور اپنی زمام قیادت اس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ اے گروہ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار اور دوست بن جاؤ۔ جنگوں میں اس کے حامی اور ناصر بن جاؤ۔ خدا کی قسم جو شخص اس کی راہ پر چلے گا۔ ہدایت پا جائے گا اور جو اس کے دین ہدایت کو قبول کر لے گا۔ وہ نیک بخت اور بلند اقبال بن جائے گا۔ اگر میری زندگی میں کچھ گنجائش ہوتی اور میری موت میں کچھ تاخیر ہوتی تو میں ساری جنگوں میں اس کی کفالت کرتا اور تمام آلام و مصائب سے اس کا دفاع کرتا۔"

کلمہ کا ظہر صفا

جب موت کا وقت قریب آ گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے بڑے بھائی کے ہونٹ مل رہے ہیں۔ اُنہوں نے کان لگا کر سنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

يَا ابْنَ اَخِيْ وَاللهِ لَقَدْ قَالَ اَخِيْ الْكَلِمَةَ الَّتِيْ اَمَرْتَهُ اَنْ يَّقُوْلَهَا

"اے میرے بھتیجے! بخدا۔ میرے بھائی نے وہی کلمہ پڑھا ہے جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا ہے۔"

(نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوطالب سے کہا تھا کہ "چچا آپ یہ کلمہ پڑھیے۔ اس سے قیامت کے دن آپ کیلئے میری شفاعت روا ہو جائے گی۔")

رسول اللہؐ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بات سن کر فرمایا۔ میں نے نہیں سنا یعنی جو آپ بتا رہے ہیں وہ میرے کانوں تک نہیں پہنچا۔

علمائے احداف

کچھ علماء حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پر زبان درازی کرتے ہیں اور شک کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت ابو طالب کی زندگی خدمت رسول کے عنوانات سے بھری پڑی ہے۔ آپ نے اس وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا جب خاندان، قبیلہ اور سارا عرب مخالفت پر کمربستہ تھا۔ آپ نے اپنی اولاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مقام پر ساتھ دینے کی ہدایت کی۔ آپ کی بیوی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا اور تمام اولاد رسول پاک ﷺ پر ایمان

لائی۔ صرف طالب کے ایمان پر علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت ابو طالب وہ ہستی ہیں جنہوں نے کم سنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موسمی اور ماحولیاتی خطرات سے دفاع کیا جوان ہونے پر خود نکاح پڑھایا۔ بعثت کا اعلان کرنے پر اپنے تمام خاندان سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کو کھڑے ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور حمایت میں بے مثال قصائد کہے۔ شعب ابی طالب کی صعوبتیں برداشت کیں کسی کیلئے اتنا کچھ کوئی اسی وقت کرتا ہے جب اسے اپنا مخدوم اور مرشد مان چکا ہو کیونکہ اتنا سب کچھ طمع اور غرض سے کہیں بلند ہو کر کیا جا سکتا ہے اور اس بلندی پر پرواز کیلئے ایمان کی قوت ہی آمادہ کر سکتی ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب

حضرت عباس کی کنیت ابوالفضل ہے۔ حضرت عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً تین برس پہلے پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام نتیلہ بنت جناب تھا۔ ان کا تعلق قبیلہ النمر سے تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کی زوجہ ام فضل نبی کریم ﷺ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے سربرآوردہ رئیسوں میں ہوتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق وہ یمن اور بعض دوسرے علاقوں میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور لوگوں کو سود پر روپیہ قرض دیا کرتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا طائف میں ایک باغ بھی تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے دوسرے بھائیوں کی نسبت کچھ خوشحال تھے۔

قریش نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ''ذوالرای'' کا خطاب دے رکھا تھا اور تمام اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بنو ہاشم کے تمام مسکینوں محتاجوں اور بے سہارا افراد کے لئے روٹی کپڑے اور دوسری اشیاء کی فراہمی اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو جن لوگوں نے سب سے پہلے لبیک کہا۔ ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام الفضل بنت حارث بھی تھیں۔ بعض روایات کے مطابق ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ دوسری خاتون تھیں جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئیں۔ حضرت عباس نے اسلام کا اظہار نہ کیا اور مشرکین کے مقابلے میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و معاونت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

حضرت ابو طالب جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم کے دوسرے افراد کے

ساتھ شعب ابی طالب میں جا بیٹھے تو حضرت عباس اور ان کے بیوی بچے بھی بنو ہاشم اور بنو مطلب کے دیگر افراد کے ساتھ تین سال تک پتے اور چھلکے تک کھا کر گزارا کرتے رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند اس گھاٹی میں پیدا ہوئے تھے۔

کتب سیر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ مشرکین کے منصوبوں بارے اطلاعات لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا کرتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیغام بھیجا کہ آپ رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں رہیں تاکہ مشرکین بارے خبریں ملتی رہیں۔

بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع تک گو کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام ظاہر نہ کیا تھا مگر آپ ہر اہم معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے۔ بیعت عقبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دو مختلف مقامات پر نگرانی کیلئے کھڑے ہوئے جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اہل یثرب سے یوں مخاطب ہوئے۔

''اے گروہ خزرج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام ہماری نگاہوں میں ہے۔ اس سے تم باخبر ہو اپنی قوم قریش کے ساتھ ہم عقیدہ ہوتے ہوئے بھی ہم نے قریش کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا ہے۔ آپ اپنی قوم میں معزز ہیں اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ مکہ چھوڑ کر تمہارے ہاں منتقل ہو جائیں اور تمہارے ساتھ رہائش پذیر ہوں گے۔ اگر تم دیکھتے ہو کہ جو معاہدہ تم نے ان سے کیا ہے اس کو ہر قیمت پر پورا کرو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کا دفاع کرو گے تو تم جانو اور تمہارا کام لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ کسی مرحلہ پر بھی تم ان سے دست کش ہو جاؤ گے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دو گے تو آج ہی ان سے دستبردار ہو جاؤ کیونکہ وہ اپنی قوم اور شہر میں معزز بھی ہیں اور محفوظ بھی۔''

پھر انہوں نے اہل یثرب سے پوچھا' ذرا مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم اپنے دشمن سے کس طرح لڑتے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا۔

''اے عباس خدا کی قسم ہم جنگ آزما لوگ ہیں۔ جنگی مہارت ہم نے باپ دادا سے

ورثے میں پائی ہے۔ پہلے ہم دشمن پر تیر برساتے ہیں۔ جب تیر ختم ہو جائیں تو نیزوں سے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں یہاں تک کہ نیزے بھی بیکار ہو جائیں پھر ہم تلواریں سونت کر دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہم مر جاتے ہیں یا دشمن فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "بے شک تم جنگ آزما لوگ ہو۔"

بیعت العقبہ کے تھوڑے ہی عرصے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ہجرت کے دوسرے برس غزوہ بدر پیش آیا اہل مکہ کے لشکر میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مشرکین کے مجبور کرنے پر شریک لشکر ہوئے تھے۔ ان میں حضرت عباس، حضرت عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب، ابوالبختری بن ہشام وغیرہ شامل تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب، بنوہاشم کا کوئی دوسرا فرد یا ابوالبختری سامنے آ جائیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔

جنگ میں مسلمان فتح سے ہمکنار ہوئے اور کئی لوگ قیدی بنا لئے گئے۔ ان قیدیوں کے کپڑے لڑائی میں پھٹ گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے لئے کپڑے مہیا کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لمبے قد کاٹھ کے تھے۔ ان کے بدن پر کسی کا لباس ٹھیک نہیں اترتا تھا اس موقع پر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے اپنا کرتہ منگوا کر انہیں پہنایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت پر اپنا پیرہن مبارک اس کی لاش کو پہنانے کے لئے دیا جو دراصل اس کے اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

بدر کے قیدیوں سے جب رہائی کی خاطر زرفدیہ طلب کیا گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں تو درپردہ مسلمان تھا۔ قریش مجھے زبردستی کھینچ لائے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ کا بیان درست ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا لیکن بظاہر تو آپ مشرکین کے لشکر میں شریک ہو کر اہل حق سے لڑنے آئے تھے۔ اس لئے آپ کو فدیہ تو دینا ہوگا۔ اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مائیگی کا بہانہ کیا۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ان کے گھریلو حالات کا علم ہو چکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔ مکہ سے چلتے وقت آپ سونے کی ایک بڑی مقدار اپنی جان کو دے آئے تھے کہ معلوم نہیں لڑائی کا کیا انجام ہو۔ اگر میں بخیریت لوٹ آیا تو بہتر

ورنہ چار بیٹوں میں اس اس طرح یہ تقسیم کر دینا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ آپ کو کیسے علم ہوا؟ ارشاد ہوا بذریعہ وحی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم اس بات سے میرے اور ام فضل کے سوا کوئی واقف نہ تھا۔ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا اور اپنے بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ ادا کر کے آزادی حاصل کی۔

مکہ میں مشرکین کی ہزیمت کی خبر سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ خوشیاں منا رہے تھے۔ ابن سعد نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اور اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباس ان کی زوجہ ام فضل اور میں سب اسلام لا چکے تھے مگر حضرت عباس اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد جب کفار کے ہر گھر میں ماتم برپا تھا۔ ہمارے ہاں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔

8 ہجری میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اسلام کا اعلان کر کے اہل وعیال سمیت مدینہ آ گئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پذیرائی فرمائی اور ان کی مستقل رہائش کا انتظام فرمایا۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان دس ہزار نفوس قدسی میں شامل تھے، جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے جب بنو ہوازن کی شدید تیر بازی سے مسلمانوں کی صفیں پریشان ہو گئیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان چند جانثاروں میں سے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان میں کوہ استقامت بن کر کھڑے رہے۔ آپ کو غزوۂ طائف اور جیش عسرۃ (غزوۂ تبوک) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

10 ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر سودی کاروبار کے باطل ہونے کا اعلان فرمایا تو اس سلسلے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نام خاص طور پر لیا کیونکہ وہ قبول اسلام سے قبل سود کا کاروبار کرتے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود' عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔" (مسلم' ابوداؤد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب علیل ہوئے تو بنو ہاشم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ' کے گھرانے نے تیمارداری میں دن رات ایک کر دیا۔ رحلت کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ حجرہ اقدس سے نکلے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں کہا کہ میں خاندان عبدالمطلب کے چہروں سے موت کا اندازہ کر لیتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بتا رہا ہے کہ آپ بہت جلد ہمیں داغ مفارقت دے جائیں گے۔ آؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کون سنبھالے گا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو معلوم ہو جائے گا۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کریں گے کہ ہمارے حق میں وصیت فرما جائیں۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ چچا جان خدا کی قسم میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز نہ پوچھوں گا۔ اگر انہوں نے انکار فرما دیا تو اس کا مطلب خلافت سے ہمیشہ کے لئے محرومی ہوگا۔ (بخاری شریف)

یہ جواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو تجہیز و تکفین کی خدمات میں حضرت علی' حضرت عباس' حضرت فضل بن عباس' حضرت قثم بن عباس' حضرت اسامہ بن زید اور حضرت اوس بن خولی انصاری رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حصہ شرف پایا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور عمر کے لحاظ سے بنو ہاشم کی بزرگ ترین شخصیت تھے لہٰذا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد لوگ تعزیت کے لئے ان ہی کے پاس آئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسی ہی عزت و احترام سے پیش آتے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیش آتے تھے۔ ہر کام میں ان سے مشورہ لیتے۔ اگر سواری پر کہیں جا رہے ہوتے اور راستے میں حضرت عباس مل جاتے تو خلیفۃ المسلمین بھی سواری سے اتر جاتا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سواری پر بٹھا کر لگام خود تھام کر پیدل چلتا اور انہیں جہاں جانا ہوتا وہاں پہنچایا جاتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقام اور مرتبہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں وظائف پر نظر ثانی کی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وظیفہ اصحاب بدر کے برابر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہم معاملات میں اکثر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور قحط و مصیبت کے مواقع پر ان سے دعا کراتے۔ قحط الرمادہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے فوراً بعد موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ لوگ اس غیر متوقع بارش سے اس قدر خوش ہوئے کہ آپ کو ''ساقیٔ حرمین'' کا خطاب دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی توہین کرنے پر درے لگوائے گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں 32 ہجری کو وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر 86 یا 88 برس تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے لحد میں اتارا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چار بیٹیاں اور آٹھ بیٹے چھوڑے۔ چند فرزندوں نے بہت نام کمایا۔ خلفائے عباسیہ حضرت عباسؓ کی اولاد ہی سے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد نے لگ بھگ ساڑھے آٹھ سو برس تک خلافت کی آپ کا نام صدیوں سے لاکھوں مساجد میں جمعہ کے خطبوں میں لیا جا رہا ہے۔ حضرت عباس کے بیٹے بہت قابل اور باصلاحیت تھے تاہم چند فرزند جنہوں نے اپنی قابلیت کے باعث بہت نام کمایا اور بڑا رتبہ پایا ان کے مختصر حالات بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذکر کے ساتھ ہی شامل کرنا بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عباس علم و فضل کے اعتبار سے اساطین امت میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے کئی مشہور القاب ہیں۔ جن میں الحبر (بہت بڑے عالم) البحر (علم کے سمندر) ترجمان القرآن اور امام المفسرین شامل ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اگرچہ دوسرے فرزند بھی تھے لیکن جب ''ابن عباس رضی اللہ عنہ'' کہا جاتا ہے تو اس سے مراد صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی ہوتے ہیں آپ کی کنیت ابوالعباس ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی سے تین برس قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ دور تھا

جب بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ حضرت عبداللہ ؓ اسی شعب میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو گود میں اُٹھا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن نومولود کے منہ میں رکھا اور ان کے لئے دعائے خیر و برکت کی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت گیارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری اور فیضان سے دامن بھرنے کا خوب موقع ملا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خود بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ مزید برآں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں ہدایت کر رکھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا کرو۔ حضرت عبداللہ اکثر اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور کبھی کبھی کاشانۂ نبوی ہی میں سو رہتے تھے۔ جہاں نبی پاک ﷺ کے وضو اور دیگر خدمات کو بجالا کر ان سے دعائیں لیتے۔

حضرت عبداللہ ؓ کی عمر ابھی تیرہ برس ہی ہوئی تھی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیوں میں شریک ہونے کے لئے کم از کم پندرہ برس کی عمر مقرر فرمائی تھی لہٰذا آپ کم سنی کے باعث کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں انہیں کوئی کارنامہ دکھانے کا موقع نہ ملا تاہم انہوں نے بزرگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استفادہ کرنا شروع کر دیا اور ان کی شہرت ایک انتہائی ذہین و فطین اور صاحب علم نوجوان کی حیثیت سے پھیلنے لگی۔ حضرت عمر ؓ خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا کھل کر اعتراف کیا۔ وہ اپنی علمی صحبتوں میں جہاں اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلاتے وہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بعض بزرگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ یا امیر المومنین آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں یہ تو ہمارے لڑکوں کے برابر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت کا تمہیں بھی علم ہے۔ (بخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی تو حضرت عبداللہؓ بھی ایک جماعت کی معیت میں شریک مہم ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے ایک موقع پر انہیں سفیر بنا کر افریقہ کے حاکم جرجیر (گریگوری) کے پاس بھیجا وہ آپ کی گفتگو سن کر اور غیر معمولی ذہانت و قابلیت دیکھ کر ششدر رہ گیا اور بے اختیار بول اٹھا کہ آپ حبر عرب ہیں یعنی عرب کے بہت بڑے عالم ہیں۔

30,29 ہجری میں حضرت عثمانؓ نے حضرت سعید بن عاصؓ والیٔ کوفہ کو جرجان اور طبرستان پر چڑھائی کا حکم دیا تو اس لشکر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت حسن رضی اللہ عنہ' حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے نوجوان بھی شامل تھے۔

حضرت عثمان ﷺ کی شہادت کے بعد جب لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے پر مجبور کر رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی ﷺ کو رائے دی کہ اس وقت جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کی جائے گی اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی تہمت آئے گی۔ آپ گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جایئے یا اپنی جاگیر پر چلے جائیں اور خاموشی کا رویہ اختیار کر لیں۔ یہ لوگ ساری دنیا کی خاک چھان ماریں گے مگر آپ کے سوا خلافت کا بھاری بار اُٹھانے کے قابل انہیں کوئی شخص نہ ملے گا۔ خدا کی قسم اگر آپ نے ان مصریوں کو اپنے ساتھ لیا تو لوگ ضرور آپ پر قتل عثمان ﷺ کی تہمت لگائیں گے۔''

36 ہجری میں جمل کی افسوسناک لڑائی میں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑے۔ فتح کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرہ کا گورنر بنا دیا۔ اس لڑائی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف شدت اختیار کر گیا۔ یہاں تک کہ صفین کی جنگ پیش آئی۔ اس جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو حاکم بنانا چاہتے تھے لیکن فریق مخالف نے اس پر یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور آپ ایک ہی ہیں جبکہ ثالث کسی غیر جانبدار شخص کو ہونا چاہیے۔''

حضرت علی ﷺ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ میں مصالحت حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے ہی کرائی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری سے پہلے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کو خط لکھ کر جان و مال کی امان حاصل کر لی اور مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

60 ہجری میں امیر معاویہ کی وفات کے بعد یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے اصرار پر مکہ سے کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ اس موقع پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امام عالی مقام کو روکنے کی کوشش کی اور کوفیوں کی عادت دغابازی سے آگاہ کیا مگر امام حسین رضی اللہ عنہ جانے کا پختہ عزم کر چکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے خدشات درست ثابت ہوئے انہیں کربلا کے المناک سانحے کی خبر ملی تو آپ بے انتہا صدمے سے دوچار ہوئے اور ساری زندگی اس سانحہ پر اشک بار رہے۔

امام ذہبیؒ اور بعض دوسرے اہل سیر کا بیان ہے کہ زندگی کے آخری دور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی۔ قیام طائف ہی کے دوران 68 ہجری میں سخت بیمار ہو گئے۔ جب جانبری کی امید نہ رہی تو اپنے بستر کے گرد جمع احباب و اقارب اور معتقدین کے ہجوم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''میں ایک ایسی جماعت کے درمیان دنیا سے رخصت ہوں گا جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور مقرب ہے۔ اس لئے اگر میں تم لوگوں کے درمیان دم توڑوں گا تو یقیناً تم ہی وہ جماعت ہو۔''

سات روز کی علالت کے بعد اس آفتاب علم وفضل نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ وفات کی خبر پھیلی تو ہر طرف کہرام مچ گیا اور مخلوق خدا چاروں طرف سے آخری بار زیارت کے لئے امڈ پڑی۔ حضرت محمد بن حنفیہؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور امام المفسرین کو سرزمین طائف میں سپرد خاک کر کے فرمایا:

''خدا کی قسم آج امت کا بہت بڑا عالم دُنیا سے اُٹھ گیا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ دینی علوم کے علاوہ عربی ادب اور دیگر مروجہ علوم کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ جملہ علوم و معارف کے جامع تھے۔ قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ اور

فرائض کے ساتھ ادب وانشاء زبان ولغت' سیرت ومغازی' انساب' شعر وشاعری اور حساب وغیرہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ محدثین کرام اور ارباب سیر نے ان کی قرآن فہمی کے بے شمار واقعات بیان کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کی تمام آیات کی جزئیات تک سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید کی کسی آیت کی تحقیق کرنا چاہتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے اُس کے بارے میں پوچھتے لیکن جب انہیں تسلی بخش جواب نہ ملتا تو وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع فرمایا کرتے اور ان کی تفسیر پر اعتماد کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ قرآن مجید کے غریب الفاظ کے سمجھنے کے لئے قدیم عرب شعراء کے کلام کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ گو بعض دیگر صحابہ کا بھی یہ دستور تھا لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ اس خصوصیت میں ممتاز تھے۔

تمام اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن حکیم کی تفسیر و تاویل میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ اس طرح آیات قرآنی کی شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کے علم میں ان کو جو تبحر حاصل تھا۔ اس کی ہمسری بہت کم صحابہ رضوان اللہ علیہم کر سکتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف تفسیر کی ایک کتاب منسوب کی جاتی ہے جس کا نام ہے۔ ''تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ'' اس کو ''القاموس المحیط'' کے مؤلف ''ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (المتوفی 817 ہجری) نے جمع کیا ہے اور یہ مصر میں کئی بار چھپ چکی ہے۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت فضل رضی اللہ عنہ بھی بعثت نبوی ﷺ کے اوائل ہی میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے لیکن اپنے والد گرامی کی طرح انہوں نے بھی اسلام کا چرچا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ارض مکہ کو الوداع کہا اور ہجرت کر کے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اہل وعیال بھی ہمراہ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے فرزندوں کو ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے حد مسرور ہوئے اور سب کو دعائے خیر وبرکت سے نوازا۔

حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد وہ بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے اور تحیر خیز سرفروشی کا مظاہرہ کیا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ جب دشمن کی بے پناہ تیراندازی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس وقت بھی چند دوسرے جانبازوں کے ساتھ میدان جنگ میں کوہ استقلال بن کر کھڑے تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیروں کی زد سے بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا رکھی تھی۔ ان سرفروشوں کی ہمت مردانہ ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان بہت جلد واپس پلٹ پڑے اور مشرکین بنو ہوازن کو عبرتناک شکست دی۔

حجۃ الوداع میں حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو یہ عظیم سعادت نصیب ہوئی کہ سیدالانام رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی سواری پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ اس طرح وہ ردف رسول اللہ (ہمرکاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے قابل فخر لقب سے مشہور ہو گئے۔

ابوداؤد میں ہے کہ حجۃ الوداع میں رمی جمار کے وقت حضرت فضل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر تان رکھی تھی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ سے بچے رہیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کے آخری دنوں میں جن اصحاب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس دن آخری خطبہ دینے کے لئے حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے صاحب کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت فضل [illegible] ہی نے عامۃ المسلمین کے سامنے اعلان کیا تھا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے جن اعزہ کو جسد اطہر کو غسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں سے ایک حضرت فضل رضی اللہ عنہ تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں بیان کیا ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ پانی ڈالتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ غسل دیتے تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں قیصر روم سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ شام جانے والے مجاہدین اسلام کے لشکر میں شامل ہو گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں داد شجاعت دی۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے طاعون عمواس (17,18 ہجری) میں وفات پائی اور بعض کا قول ہے کہ انہوں نے جنگ اجنادین 13 ہجری میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حافظ ابن حجر نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے صرف ایک لڑکی مکتوم رضی اللہ عنہا چھوڑی۔ ان کا پہلا نکاح سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ انہوں نے طلاق دی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں آئیں۔

حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ، حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ وہ ہجرت نبوی سے ایک سال پہلے 12 نبوی میں پیدا ہوئے۔ امام حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں لکھا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی اولاد میں ان کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بچوں سے بہت محبت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔

بارہا ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رضی اللہ عنہ، عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور کثیر رضی اللہ عنہ، (ابنائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور ان سے فرمایا بچو! تم میں سے جو دوڑ کر مجھ کو سب سے پہلے ہاتھ لگائے گا، میں اس کو فلاں چیز دوں گا۔ تینوں بھائی دوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتے۔ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینہ سے چمٹ جاتا، کوئی پشت مبارک پر چڑھ جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو سینہ سے لگاتے اور خوب پیار کرتے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال 11 ہجری کے بعد حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ حضرت ام الفضل لبابہ رضی اللہ عنہا کے علم وفضل سے استفادہ کرتے رہے۔

حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تبحر

علمی کے بے حد مداح تھے۔ انہوں نے اپنے ایک فرزند کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا شاگرد بنا دیا تھا۔

35 ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی مقرر کیا پھر 36 ہجری اور 37 ہجری میں ان کو امیر حج بنایا اور ان دونوں برسوں کے حج انہی کی امارت میں ہوئے۔

40 ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام نے بسر بن ابی ارطاۃ کو حجاز اور یمن پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس نے کسی مزاحمت کے بغیر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا اور پھر یمن کی طرف بڑھا جہاں حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے منصب امارت پر فائز تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پوشیدہ طور پر حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ بسر بن ابی ارطاۃ یمن کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس پر قبضہ کر کے لوگوں سے امیر معاویہ کی بیعت لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جو لوگ بیعت کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے قتل کر ڈالتا ہے۔ حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس اتنی فوجی قوت نہیں تھی کہ وہ بسر بن ابی ارطاۃ کا مقابلہ کر سکتے۔ انہوں نے مناسب یہی سمجھا کہ خود دربارِ خلافت میں جا کر مدد طلب کریں چنانچہ وہ عبداللہ بن عبدالمدان کو یمن میں اپنا نائب بنا کر عازمِ کوفہ ہو گئے۔ ان کی غیر حاضری میں بسر نے یمن پر قبضہ کر لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال یمن ہی میں مقیم تھے۔ شقی القلب بسر نے ان کے دو صغیر السن بچوں کو ان کی والدہ کے سامنے پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے معصوم بچوں کی شہادت کی خبر ملی تو انہیں سخت صدمہ پہنچا لیکن بڑے ضبط اور حوصلے سے کام لیا اور رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم کا علم ہوا تو انہوں نے اس کی سرکوبی کیلئے فوج جمع کرنا شروع کر دی لیکن ابھی ان کی تیاریاں مکمل نہ ہوئی تھیں کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے انہیں جام شہادت پلا دیا۔ (رمضان 40 ہجری) اور اس کے ساتھ ہی نظم حکومت کی بساط اُلٹ گئی۔ اس سانحہء جانگداز کے بعد حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے

عزلت گزینی اختیار کرلی اور باقی زندگی خاموشی سے گزاردی۔

حضرت عبیداللہ بن عباس ﷺ کے سال وفات بارے مختلف روایات موجود ہیں۔ البتہ حافظ ابن عبدالبر نے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے 58 ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عبیداللہ بن عباس ﷺ سے چند احادیث بھی مروی ہیں ان کے فرزند عبداللہ اور ابن سیرین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ ان پر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے ذکر کا اختتام کرتے ہیں۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

حضرت حمزہؓ کی والدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ایک دوسرے کی چچازاد بہنیں تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے اور خالہ زاد بھائی بھی حضرت حمزہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر بھی تھے۔ اس لئے دوسرے چچوں کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کے ساتھ زیادہ بے تکلفانہ تعلقات رکھتے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمارہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت خدیجہؓ کے ہاں نکاح کی غرض سے اپنے چچوں اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ پہنچے تو یہ چچا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب بیس اونٹ مہر کی ادائیگی کا معاملہ آیا تو حضرت حمزہ نے ہی نبی پاک ﷺ کو بیس اونٹ دیئے تاکہ مہر ادا کیا جا سکے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر ماہر جنگجو اور پہلوانی کرنے والے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے رشتہ داروں کو خدا کے حکم سے دعوت حق دی تو حاضرین میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اس سے قبل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حرب فجار میں بھی شریک تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کم سن ہونے کے باعث اپنے بھائیوں زبیر بن عبدالمطلب' حارث بن عبدالمطلب' ابوطالب اور دیگر کو تیر دیتے جاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر آپ کی مخالفت نہ کی اور نہ ہی خود اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔

اسلام کا نور آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرتا جا رہا تھا۔ اسلام نے اپنے فطری حسن و جمال سے بڑی بڑی شخصیات کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی عظیم شخصیت

اسلام قبول کر کے اس کی قوت میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی۔ اسلام کے خلاف مشرکین کا اجتماعی ردعمل ابھی شروع نہ ہوا تھا لیکن اکاذکا ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے۔ جس سے کفار کا بغض ظاہر ہوتا۔ ایک روز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر تشریف فرما تھے۔ ابوجہل کا ادھر سے گزر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس کے سینے میں بغض وعناد کا جولاوا سلگ رہا تھا' پھٹ پڑا۔ اس بدبخت نے سب وشتم کے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ سراپا حلم ووقار نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر ابوجہل کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ اس نے اس سے مارنا شروع کیا دل کا غبار نکال کر اور اتراتا ہوا ابوجہل صحن حرم میں اپنے دوستوں کی محفل میں جا بیٹھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموشی سے گھر تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن جدعان کا گھر کوہ صفا کے قریب تھا۔ اس کی ایک لونڈی نے یہ سارا واقعہ دیکھا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس روز جنگل میں شکار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ چاشت کے وقت ایک کامیاب شکاری کی طرح شاداں وخرماں واپس آ رہے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ شکار سے واپسی پر پہلے حرم شریف میں حاضری دیتے۔ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے پھر صحن حرم میں روسا قریش کی الگ الگ جمی محفلوں میں جاتے۔ سب سے علیک سلیک کرتے مزاج پرسی کرتے پھر گھر واپس جاتے۔ اس روز بھی اس ارادہ سے حرم شریف کی طرف جا رہے تھے کہ کوہ صفا کے پاس سے گزرے۔ عبداللہ بن جدعان کی جس لونڈی نے ابوجہل کے ظلم کا منظر دیکھا تھا' وہ ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہا کہ "اے ابوعمارہ آج تیرے بھتیجے کے ساتھ ابوجہل نے یہ وحشیانہ سلوک کیا ہے۔ پہلے گالیاں دیتا رہا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کیے رکھی تو مار مار کر لہولہان کر دیا۔" یہ سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تن بدن میں گویا آگ لگ گئی۔ غصہ سے آگ بگولہ ہو کر ابوجہل کی تلاش میں آگے بڑھے۔ سب دیکھ رہے ہیں کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی آج کیفیت ہی نرالی ہے نہ کسی سے حال احوال پوچھ رہے ہیں نہ کسی محفل میں کھڑے ہو کر سلام کہہ رہے ہیں۔ ابوجہل کی تلاش میں سیدھے آگے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نظر ابوجہل پر پڑی تو اس وقت وہ اپنے اہل قبیلہ کی محفل میں بڑے غرور سے بیٹھا ہوا اپنے بیہودہ کارنامے سنا رہا تھا۔ آپ اس مجمع میں گھس گئے اور اپنی کمان سے اس مردود کے سر پر ضربیں لگائیں جس کی وجہ سے اس کا سر

پھٹ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے غصے سے گرجتے ہوئے کہا۔

''ابو جہل تیری یہ مجال کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں دے۔ حالانکہ میں نے اس کا دین قبول کرلیا ہے۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ اور مجھے روک کر دیکھ۔''

بنو مخزوم قبیلہ کے لوگ اپنے سردار کی اس رسوائی پر سیخ پا ہو گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کو اُٹھے لیکن ابو جہل بہت مکار بھی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے شیر دل کا مقابلہ ان لومڑیوں سے نہیں ہو سکے گا اور خواہ مخواہ کئی جانیں ضائع جائیں گی چنانچہ وہ اپنے قبیلے والوں سے مخاطب ہوا کہ ''ابو عمارہ کو کچھ نہ کہو۔ بخدا غلطی میری ہے کہ میں نے اس کے بھتیجے سے بدکلامی کی۔'' رشتہ داری کے جوش میں یہ سب کچھ ہو گیا۔ ابو جہل سے پیارے بھتیجے کا بدلا بھی لے لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔ گھر آئے تو نفس امارہ نے ملامت کرنا شروع کر دی کہ حمزہ تو نے یہ کیا کر دیا۔ فرط غضب میں اتنا دور چلا گیا کہ اپنے آباؤ اجداد کے عقیدے کو بغیر سوچے سمجھے ترک کر دیا اور ایک نئے دین کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا تو نے جلد بازی میں بڑا غلط فیصلہ کیا ہے۔ حمزہ گومگو کی کیفیت میں ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کریں۔ انہیں یہ بات اپنی شان کے سراسر خلاف معلوم ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسا دین قبول کرلیا ہے جس کے بارے میں انہوں نے پوری طرح سے غور و خوض ہی نہیں کیا۔ ساری رات بڑے اضطراب میں کٹی۔ ایسی پریشان رات انہوں نے آج تک نہیں گزاری تھی اور ایسے ذہنی کرب سے انہیں کبھی پالا نہیں پڑا تھا۔ جب صبح ہوئی تو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، عرض کیا:۔

''اے میرے بھتیجے! میں ایک ایسی مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ میں نہیں جانتا اور ایسی بات پر قائم رہنا میرے لئے بڑا مشکل ہے۔ جس کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی۔ اس لئے مجھے اس بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔ میرے بھتیجے! میری خواہش ہے کہ آپ اس سلسلے میں گفتگو کریں۔''

مرشد کامل نے حمزہؓ کے بے تاب دل پر توجہ فرمائی اور دل میں اتر جانے والے انداز میں اسلام کا تعارف کرایا بس اتنی ہی دیر تھی کہ سارے حجابات اُٹھ گئے۔ ساری ظلمتیں کافور ہو گئیں۔ شک کا غبار چھٹ گیا۔ دل کی دُنیا نور ایمان سے جگمگانے لگی۔ دل ایمان کی کرنوں

سے روشن ہوا تو عرض کیا۔ میں دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔

''اے میرے بھائی کے فرزند! آپ اپنے دین کا اظہار فرماتے رہئے بخدا!''

میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مجھے ہر وہ نعمت دے دی جائے جن پر آسمان سایہ فگن ہے تا کہ میں اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جاؤں۔''

حضرت حمزہ کے ایمان لانے سے عالم کفر پر ایک رعب طاری ہو گیا۔ بے آسرا مسلمانوں پر ان کی ستم رانیوں میں بڑی حد تک کمی آ گئی۔ آپ کے اشعار جو آپ نے اپنے ایمان لانے کی خوشی میں بطور شکر و حمد کہے ہیں۔ آپ بھی ان کا لطف اُٹھایئے۔

ترجمہ:

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی اسلام قبول کرنے کے لئے جو دین حنیف ہے۔''

وہ دین جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے جو عزت والا ہے جو اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے ساتھ لطف و احسان فرمانے والا ہے۔

جب اس کے پیغاموں کی ہم پر تلاوت کی جاتی ہے تو ہر عقل مند اور زیرک انسان کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

یہ ایسے پیغامات ہیں جو احمد مجتبیٰ لے کر آئے ہیں ایسی آیات کے ساتھ جن کے حروف روشن ہیں۔

سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ ابوجہل کا سر پھاڑ کر حضرت حمزہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ حمزہؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ آپ کب ایمان لائے۔ بعض نے کہا کہ اعلان نبوت کے پانچویں سال اور بعض نے چھٹے سال تاہم علامہ ابن حجرؒ علامہ ابن اثیر اور علامہ احمد بن زینی کا کہنا ہے کہ آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے۔ اور یہی قول درست معلوم ہوتا ہے۔ بعثت کے دوسرے سال آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے قائل محققین میں شیخ محمد

صادق العرجونؒ علامہ ابن عبدالبر اور علامہ قسطلانی بھی شامل ہیں۔

بلاشبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے مرد میدان' بہادر' نڈر اور قریش کے معزز جوان کا بغیر کسی جھد اور بلا لالچ اسلام قبول کر لینا اسلام کی صداقت کی ناقابل تردید دلیل ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن کے گھر سے قرآن کی آیات سن کر قبول اسلام کے لئے دارارقم کے دروازے پر پہنچے تو ان کے ہاتھ میں ابھی تک وہ تلوار موجود تھی جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے۔ وہی عمر تھے وہی تلوار تھی مگر دل بدل چکا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ اس پر دستک ہوئی کسی نے کواڑ کے سوراخ سے دیکھا کہ باہر عمر کھڑا ہے۔ ساتھ ننگی تلوار بھی ہے۔ صحابہ ہچکچائے کہ دروازہ کھولیں یا نہ کھولیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ موجود تھے فرمایا۔ مت ڈرو۔ دروازہ کھول دو' عمر اندر داخل ہو کر بارگاہ مصطفوی کے آداب ملحوظ رکھے گا تو ہم اس کی تکریم کریں گے اور خوش آمدید کہیں گے اور اگر اس کی نیت میں ذرا فتور محسوس ہوا تو اس کی تلوار چھین کر اس کا سر اڑا دیا جائے گا۔

اہل ایمان کے لئے جب مکہ میں رہنا دشوار بنا دیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ آپ کی اس ہجرت سے پہلے ہی آپ کی اجازت سے کئی مسلمان مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے اور جو مکہ میں رہ گئے تھے۔ وہ بھی مدینہ شریف پہنچنے کی فکر میں تھے۔ عقیدتوں کا مرکز مدینہ ہجرت کر گیا تو حبشہ میں موجود مسلمان بھی مدینہ شریف پہنچ گئے جبشہ سے مہاجرین کے مدینہ منورہ آنے سے قبل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان مواخات یا بھائی چارے قائم کرنا شروع کئے۔ آپ جیسے جیسے کوئی مہاجر مدینہ شریف میں وارد ہوتا اسے کسی انصاری کا بھائی بنا کر دونوں میں بھائی چارہ قائم کر دیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کا بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی مہاجر تھے اور حمزہ رضی اللہ عنہ بھی لیکن آپ نے ان میں گہری محبت دیکھتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔

جنگ بدر میں جب لڑائی شروع ہونے سے پہلے کفار کی طرف سے عتبہ' شیبہ اور ربیعہ میدان میں آئے اور مسلمانوں کو للکارا تو تین انصار شیروں کی طرح سامنے آ گئے مگر کفار نے ان

سے مقابلہ کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ساتھ مقابلے کے لئے ہماری قوم میں سے کوئی سامنے آئے۔اس پر جناب رسالت مآب نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے چچازاد بھائی عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان بدبختوں کو سبق سکھاؤ۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔اس لئے ہر مقام پر آپ خدمت کے لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔

جنگ احد میں آپ جس بے جگری سے لڑے وہ مثال کہیں نظر نہیں آتی۔ جنگ بدر میں آپ کے ہاتھوں قتل ہونے والے ایک مشرک کے رشتہ داروں اور ہندہ زوجہ ابوسفیان نے چھوٹے نیزے کے ماہر نشانہ باز وحشی نامی حبشی غلام کو آزادی اور مال و دولت کا لالچ دے کر کہا کہ تم کسی طرح حمزہ کو شہید کر ڈالو۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دشمن پر بجلی بن کر ٹوٹ رہے تھے۔ جدھر بڑھتے تلوار کئی سر خاک پر گرا دیتی۔ اللہ کے شیروں سے ڈر کر کفار بھاگنا شروع ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے تعاقب میں تھے۔اس دوران خالد بن ولید نے تیرانداز مسلمانوں کو اپنی جگہ سے غائب دیکھ کر عقب سے حملہ کر دیا۔اس وقت صرف دس کے قریب تیراندازوں نے کفار کے اس دستے کو روکنے کی کوشش کی اور سب شہید ہوگئے۔ اسی اثنا میں کفار کی ایک جوان اور رعنا عورت میدان میں آئی اور کفار کا گرا ہوا جھنڈا اُٹھا کر بھاگنے والوں کو غیرت دلائی کہ تم گھر بیٹھو ہم عورتیں اپنے لات وعزیٰ (بتوں) کی خاطر اپنے سر کٹوا دیں گی۔یہ سن کر اور جھنڈے کو بلند دیکھ کر بھاگنے والے کفار بھی واپس پلٹے۔اس اثنا میں دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی دونوں طرف سے کفار کے نرغے میں آگئے۔ اس حالت میں بھی تلوار موت بن کر کفار پر وارد ہو رہی تھی۔ایک روایت کے مطابق جب آپ کے ہاتھوں سے 37 کے قریب کفار قتل ہو چکے تو اچانک ایک پتھر سے پاؤں پھسل گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ زمین پر گر گئے۔گرتے وقت آپ کے جسم سے زرہ کا کچھ حصہ ہٹ گیا۔وحشی نے فوراً اپنا حربہ نشانہ لے کر پھینکا جس سے آپ شہید ہوگئے۔شہادت کے بعد وحشی نے آپ کا سینہ چاک کیا اور کلیجہ نکال کر ہندہ کے پاس لے گیا۔اس ظالم عورت نے کلیجہ دانتوں سے چبانا چاہا مگر چبا نہ سکی اور تھوک دیا۔کفار کو چونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں

بدر اور اُحد دونوں لڑائیوں میں سخت جانی نقصان اُٹھانا پڑا تھا لہٰذا انہوں نے اپنے انتقام کی آگ سرد کرنے کے لئے حضرت حمزہ ﷛ کی شہادت کو کافی نہ سمجھا بلکہ ان کے اعضاء کاٹ کر لاش کو قیمے کے ڈھیر میں بدل دیا اور لاش پر گھوڑے دوڑا کر اسے مسل دیا۔ وحشی فتح مکہ کے وقت مکہ سے فرار ہو گیا لیکن اسے کہیں بھی امان نہ ملتی۔ ہر جگہ مسلمان غالب آتے جا رہے تھے کہ آخر وہ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اسلام کو قبول کر لیا اور کہا کہ اے وحشی ذرا بتا تو سہی تو نے میرے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو کس طرح شہید کیا۔ وحشی نے کفار کے لالچ دلانے اور ہندہ کی ترغیب بیان کرنے کے بعد کہا کہ میں لڑائی میں دیکھتا تھا کہ ایک جوان جس طرف بڑھتا قریش کی لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ کفار اس کا سامنا کرنے سے کترا رہے تھے۔ اس کے خوف نے ان کے چہروں کو زرد کر رکھا تھا۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے تو بتایا گیا کہ حمزہ بن عبدالمطلب ؓ ہیں۔ اس کے بعد میں لڑائی کی باقی سرگرمیوں سے الگ ہو کر حمزہ ﷛ پر اپنا حربہ پھینکنے کا موقع ڈھونڈنے لگا وہ جس سمت بڑھتے میں بھی کسی نہ کسی کی اوٹ سے اسی طرف بڑھنے لگتا۔ حمزہ لوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھے جس کے باعث مجھے حربہ کا نشانہ لینے کے لئے جسم کا کوئی حصہ دکھائی نہیں دے رہا تھا پھر بھی میں ان کے قریب رہنے کی کوشش کرتا رہا آخر ایک مقام پر آپ رضی اللہ عنہ کا پاؤں کسی پتھر پر پڑا۔ آپ کا جسم غیر متوازن ہو گیا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس اثناء میں گردن اور سینے کے قریب سے زرہ ہٹ گئی۔ میں تو پہلے ہی موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ فوراً حربہ ہاتھوں میں تولا نشانہ لیا اور پھینک دیا۔ نشانہ ٹھیک رہا اور حربہ سیدھا سینے میں جا لگا۔ اس کے بعد میں نے ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور ہندہ کے حسب فرمائش اسے پیش کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی کا بیان سنا تو حمزہ کا غم تازہ ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے موتی برسنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی سے کہا کہ جاؤ اور کبھی اپنا چہرہ مجھے نہ دکھانا۔

جنگ اُحد ختم ہوئی تو شہداء کی لاشیں ایک جگہ جمع کی گئیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دوسرے شہداء سے کچھ دور تھی۔ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا نظر نہ آئے تو

کہا کہ کوئی حمزہ ﷛ بارے بھی معلوم کرے۔ صحابہ کرام کو کچھ دور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مثلہ شدہ لاش مل گئی۔ اس اثنا میں حضرت حمزہ ﷛ کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا شہداء کی لاشوں کی طرف آتی دکھائی دیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے حضرت زبیر بن العوام ﷛ کو حکم دیا کہ اپنی ماں کو روکو کہیں حمزہؓ کی لاش کی حالت دیکھ کر وہ حواس نہ کھودیں۔ حضرت زبیر ﷛ بھاگے ہوئے گئے اور والدہ کو آگے جانے سے روکنے لگے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بیٹے کے سینے پر مکہ مارتے ہوئے کہا کہ سامنے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے۔ میں لاش پر کھڑی ہو کر بین نہیں کروں گی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ کی گفتگو پہنچادی۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں آنے دو۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ ﷛ کے لئے کفن کے طور پر دو چادریں لائیں تھیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ڈال دی جبکہ دوسری ایک انصاری کی مثلہ شدہ لاش پر ڈال دی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں ننگے رہ گئے۔ پاؤں کو ہرمل گھاس ڈال کر چھپایا گیا۔

حضرت حمزہ ﷛ کی بہادری و جانثاری کے باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے انہیں سید الشہداء کا لقب ملا۔ امیر معاویہ کے دور میں ایک بار احد کے قریب شہداء کی قبروں والے علاقے کی کھدائی کی گئی تو تیشے کی ایک ضرب سید الشہداء حضرت حمزہ کے پاؤں پر لگی جس سے خون جاری ہو گیا۔ عمرۃ القضاۃ کے بعد مسلمان مدینہ منورہ واپس جانے لگے تو ایک دس گیارہ برس کی بچی "چچا مجھے بھی ساتھ لے جاؤ" کہتی ہوئی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی طرف دوڑنے لگی۔ یہ بچی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی عمارہ بتائی جاتی ہے اور اسی کے نام پر آپ کی کنیت ابوعمارہ ہے۔ اکثر کتب سیرت میں اس مقام پر اس بچی کی عمر یہی بتائی گئی ہے۔ ان میں پیر محمد کرم شاہ کی ضیاء النبی بھی شامل ہے لیکن ہمیں یہاں اختلاف کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ جب سن دو نبوی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے نبی پاک ﷺ پر ظلم کا انتقام لیتے ہوئے اس کا سر پھاڑ دیا تو ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ "ابوعمارہ کو کچھ نہ کہو غلطی میری تھی کہ میں نے اس کے بھتیجے کے ساتھ زیادتی کا سلوک کیا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سن دو نبوی میں حضرت حمزہؓ کی بیٹی عمارہ موجود تھی۔ اس کی عمر اس وقت چند ماہ بھی مانی

جائے تو اس موقع پر یہ بائیس تیئس سال کی خاتون ہوگی۔ کم سن لڑکی نہیں لہٰذا یا تو عمر بیان کرنے میں محققین سے غلطی ہوئی یا پھر عمارہ کے علاوہ بھی حضرت حمزہ کی کوئی بیٹی تھی جو اس موقع پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ واپس جانے کے لیے دوڑ رہی تھی۔ اس دوڑتی ہوئی بچی کی طرف تین صحابہ نے ہاتھ بڑھائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ ہر ایک کی تمنا تھی کہ وہ اس بچی کو اپنے ہاں رکھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ وہ اس بچی کے چچا زاد بھائی ہیں۔ حضرت زید کا دعویٰ تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی مواخات تھی وہ اور حمزہ ؓ دینی بھائی تھے لہٰذا بچی کی پرورش کے لئے ان کو فوقیت دی جائے۔ ان دونوں کے علاوہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا دعویٰ بھی تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے چچا تھے جبکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت جعفر کی اہلیہ دونوں ایک دوسرے کی بہنیں تھیں جس بناء پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی بچی کی خالہ ہوئیں لہٰذا ماں کی طرح تربیت کے لئے لڑکیوں کی خاطر خالہ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے دعوے سن کر بچی کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

عباسی دورِ خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی خطبہ میں شامل کیا گیا۔ حضرت حمزہ ؓ کی شادی اپنے بڑے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت لبابہ کبریٰ ام فضل کی چھوٹی بہن سلمٰی رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ آپ کی شہادت کے بعد سلمٰی سے شداد بن الہاد نے نکاح کر لیا۔ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی امامہ بنت حمزہ ؓ پیدا ہوئیں۔ بعض روایات میں اس کا نام امتہ اللہ' عمارہ اور بعض میں فاطمہ بتایا گیا ہے۔ اسی امامہ کا نکاح حضرت ابو سلمٰی رضی اللہ عنہ اور ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے بڑے بیٹے سلمہ سے خود رسول اللہ ؐ نے کیا تھا۔

حجل، مقوم، قثم، غیداق، ضرار

محمد بن سائب کے مطابق حجل کی صلبی اولاد تھی۔ اس کا نام ہند بتایا جاتا ہے مگر ہند کے لاولد مرنے سے حجل کی نسل ختم ہوگئی۔ مقوم بھی لاولد رہے۔ قثم کی بھی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی ماں کا نام نتیلہ تھا۔ غیداق کا اصل نام مصعب تھا۔ ضرار بہت خوبصورت اور سخی نوجوان تھے۔ وہ قریش کے جوانوں میں بہت ممتاز تھے۔ وحی کے ابتدائی دنوں میں ہی فوت ہوگئے۔ طبقات ابن سعد میں حجل بن عبدالمطلب کے فرزند اپنے چچوں کی تعریف میں جو اشعار لکھے ملاحظہ فرمایئے۔

اگر کسی فیاض نوجوان کا شمار کرنا ہے تو ضرار کو شمار کرنا

شیر مرد حمزہ کو شمار کر اور عباس کو شمار کر

زبیر کو اور اس کے بعد مقوم کو حجل کو شمار کر جو نوجوان سردار ہیں۔

بہادر غیداق کو شمار کر یہ سب قوم کی عظمت ہیں اور دشمن پر ان کو سب سرداری حاصل ہو چکی ہے۔

فیاض حارث کو شمار کر جو ایسا بہادر تھا کہ جام مرگ پینے کے دنوں میں اس نے دنیا سے مجد و شرف کے ساتھ منہ موڑا۔

جیسے میرے چچا ہیں تمام مخلوق میں ایسے اچھے چچا کسی کے نہیں اور نہ جیسے ہم لوگ ہیں کسی دوسرے خاندان میں ایسے لوگ ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

ان تعریفی اشعار میں ابولہب حضرت عبداللہ اور حضرت ابو طالب کا ذکر نہیں تاہم ممکن ہے کہیں اگر ان اشعار کی پوری عبارت دستیاب ہو تو وہاں ان کا ذکر بھی موجود ہو۔ تاہم ان اشعار میں حضرت عبدالمطلب کے تمام بیٹوں کے خصائص اور اوصاف بہت خوبصورت پیرائے میں

بیان کر دیئے گئے۔ حجل' مقوم' قثم' غیداق اور ضرار میں سے کسی کے ایمان کی خبر نہیں تاہم اکثر روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ پانچوں بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے۔ ان سب بھائیوں کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی جس کی صلبی اولاد تھی وہ بھی جلد فوت ہو گئی۔ یہ تمام لاولد رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سے حضرت عباسؓ' حضرت ابو طالب اور ابولہب کی اولاد چلی تاہم جہاں تک درج بالا اشعار کے شاعر کا تعلق ہے تو طبقات ابن سعد میں اس کا نام حجل بن عبدالمطلب بتایا گیا ہے کہ حجل بن عبدالمطلب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے جبکہ شاعر اپنے چچوں کے اوصاف بیان کر رہا ہے لہٰذا یہ اشعار یا تو بعد میں شامل کیے گئے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اشعار ہند بن حجل بن عبدالمطلب کے ہوں مگر طبقات ابن سعد کے فاضل مصنف سے ہند کا نام سہواً درج ہونے سے رہ گیا ہو جس سے عبارت سے یہ ابہام پیدا ہوتا ہے کہ یہ اشعار حجل بن عبدالمطلب کے ہیں۔

❁ ❁

چچازاد بہنیں

ضباعہ

آپ زبیر بن عبدالمطلب ؓ اور عاتکہ بنت ابی وہب کی بیٹی ہیں۔ ابو وہب عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم کے بیٹے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح مقداد بن عمر بن ثعلبہ بن بہراء سے کرادیا تھا۔ جو اسود بن عبد یغوث زہری کے حلیف تھے۔ مقداد سے دو بچے عبداللہ اور کریمہ پیدا ہوئے۔ عبداللہ جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے اور اسی لڑائی میں شہید ہوئے۔ چالیس وسق کھجوریں خیبر سے آپ کو ملیں۔

ام الحکم

آپ زبیر بن عبدالمطلب ؓ کی بیٹی ہیں آپ کی والدہ عاتکہ بنت ابی وہب بن عمرو ہیں۔ آپ سے ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب نے نکاح کیا۔ جن سے محمد، عبداللہ، عباس، حارث، عبد شمس، عبدالمطلب اور امیہ سات بیٹے اور بیٹی اروی کبریٰ پیدا ہوئے۔ آپ کو خیبر سے تیس وسق کھجوریں ملیں۔

صفیہ

آپ بھی زبیر بن عبدالمطلب اور عاتکہ کی بیٹی ہیں، آپ کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس وسق خیبر کی کھجوریں دی تھیں۔

ام الزبیر

آپ بھی زبیر بن عبدالمطلب اور عاتکہ کی بیٹی ہیں۔ آپ کو بھی خیبر کی کھجوروں میں سے

چالیس وسق کھجوریں ملیں۔

ام ہانی

آپ کا نام فاختہ ہے۔آپ ابو طالب بن عبدالمطلب ؓ اور فاطمہ بنت اسد ؓ کی صاحبزادی ہیں۔آپ سے ھبیرہ بن ابو وہب مخزومی ؓ نے نکاح کیا۔جس سے بعد جعد پیدا ہوئے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بھی خیبر میں چالیس وسق کھجوریں دیں۔

ام طالب

آپ ابو طالب بن عبدالمطلب کی بیٹی ہیں۔ہشام بن کلبی نے کتاب النسب میں اولاد ابو طالب کے باب میں آپ کا ذکر نہیں کیا۔انہوں نے ام ہانی' جمانتہ اور ربطہ کو بیٹیاں لکھا۔شائد ربطہ ہی ام طالب ہوں۔آپ کو خیبر میں چالیس وسق کھجوریں ملیں۔

جمانتہ

آپ ابو طالب اور فاطمہ بنت اسد ؓ کی بیٹی ہیں۔آپ سے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے نکاح کیا۔جن سے جعفر بن ابی سفیان پیدا ہوئے۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں تیس وسق کھجوریں مرحمت فرمائیں۔

ام حبیب

آپ عباس بن عبدالمطلب ؓ کی اور ام الفضل لبابہ بنت حارث کی صاحبزادی ہیں۔آپ سے اسود بن سفیان بن عبدالاسود بن ہلال بن عبداللہ مخزومی نے نکاح کیا۔جن سے دو بچے زرقاء اور لبابتہ پیدا ہوئے۔یہ لوگ مکہ میں اقامت پذیر تھے۔

ہند

آپ مقوم بن عبدالمطلب کی اور قلابتہ بنت عمرو بن جعونہ کی صاحبزادی ہیں۔آپ سے ابوعمرہ بشیر بن عمرو بن محصین بن عمرو بن تمشک بن عمر بن الحارث بن مالک بن نجار انصاری نے نکاح کیا۔جن سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

اروىٰ

آپ بھی مقوم وقلابہ کی صاجزادی ہیں۔ آپ سے ابومسروح بن یعمر جو عباس بن عبدالمطلب کے حلیف تھے' نے شادی کی جن سے عبداللہ بن ابی مسروح پیدا ہوئے۔

ام عمرہ

آپ بھی مقوم اور قلابہ کی صاجزادی ہیں۔ آپ سے مسعود بن معتب ثقفی نے شادی کی۔ جن سے عبداللہ بن مسعود پیدا ہوئے پھر آپ سے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے نکاح کیا جن سے عاتکہ بنت ابی سفیان پیدا ہوئیں۔

اروىٰ

آپ حارث بن عبدالمطلب اور غزیہ بنت قیس بن طریق کی صاجزادی ہیں۔ آپ سے ابووداعہ نے شادی کی۔ جن سے آپ کے مطلب' ابوسفیان' ام جمیل' ام حکیم اور ربیقہ کل پانچ بچے پیدا ہوئے۔

درہؑ

آپ ابولہب بن عبدالمطلب اور ام جمیل بنت حرب بن امیہ بن عبدشمس کی بیٹی ہیں۔ آپ سے حارث بن عامر بن نوفل بن عبدمناف نے شادی کی جس سے ابوالحسن اور مسلم پیدا ہوئے۔ حارث جنگ بدر میں کفار کی طرف سے مارا گیا تو آپ نے دحیہ بن خلیفہ بن فروہ کلبی سے شادی کر لی۔

عزۃ

آپ بھی ابولہب اور ام جمیل کی بیٹی ہیں۔ آپ سے اوفی بن حکیم بن امیہ بن حارثہ سلمٰی نے نکاح کیا جس سے عبیدہ' سعید اور ابراہیم پیدا ہوئے۔

خالدہ

یہ بھی ابولہب کی اور ام جمیل کی بیٹی ہے۔ اس سے عثمان بن ابوالعاص بن بشر ثقفی نے شادی کی۔ (طبقات ابن سعد)

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیاں

اروی بنت عبدالمطلب

اروی بنت عبدالمطلب کے قبول اسلام پر ابن سعد اور ابن قیم کا اتفاق ہے۔ نبی کریم ﷺ کی رحلت پر ان کا مرثیہ دیکھئے۔ "اے آنکھ تیرا برا حال ہو۔ جب تک تو باقی ہے اپنے آنسو سے میری مدد کر اور میری بات مان اے آنکھ تیرا برا حال ہو جو ملک بھر کے حق میں نور تھے۔ اے آنکھ میری مدد کر

کوئی نصیحت کرنے والی اگر تجھے نصیحت کرے تو کہہ دے کہ تیرا برا ہو کس امر پر اور کس بات میں تو مجھے نصیحت کر رہی ہے۔

میں گریاں ہوں تو ان پر گریاں جو تمام ملک میں سب کے لیے نور تھے۔ اللہ کے رسول تھے۔ احمد تھے لہٰذا مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔

بااین ہمہ اگر تو نے مجھے نصیحت کرنے میں کمی نہیں کرنا۔ تو جیسا جی میں آئے ملامت کر لے۔ یا جی چاہے تو رہنے دے۔

یہ ایسی مصیبت ہے جس نے مجھے پست کر دیا' میری عظمت ست کر ڈالی اور مجھ کو بوڑھا کر دیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہماری امید گاہ تھے۔ ہمارے ساتھ رعایت کرتے تھے خشک مزاج اور بدسلوک نہ تھے۔

آپ ہمارے حق میں مہربان تھے' رحیم تھے ہمارے پیغمبر تھے۔ آج جسے رونا ہو آپ پر

روئے تیری حیات کی قسم' رسول اللہ کی وفات پر میں نہیں روتی میں تو اس فتنہ و ہنگامہ پر روتی ہوں جو آپ کے بعد برپا ہونے والا ہے..........

انسانوں کا پروردگار آپ کو اگر ہمارے درمیان رہنے دیتا تو ہم کو فلاح ہوتی لیکن ہمارا معاملہ تو چلنے والا ہی تھا۔

یا حضرت آپ پر اللہ کا سلام ہو اور بہشت عدن میں بخوشی در آئیں۔"

اروی کا نکاح عمیر بن وہب بن عبد بن قصی سے ہوا ان کے صلب سے طلیب ﷺ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق پیش کی تو اولیت کا شرف حاصل کرنے والوں میں طلیب بھی تھے۔ حضرت اروی ﷺ نے ان کے ایمان کا سنا تو کہا:۔

"بیٹے تمہارا بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج مخالفوں کے طوفان میں گھرا ہوا ہے بیکس و مظلوم ہے اور واقعی تمہاری امداد کا مستحق ہے اے کاش کہ مجھ میں مردوں جیسی ہمت ہوتی تو اپنے یتیم بھتیجے کو ظالموں کی چیرہ دستیوں سے بچاتی۔" طلیب ؓ نے کہا کہ اماں تو پھر اسلام کیوں قبول نہیں کر لیتی۔

حضرت اروی ؓ نے کہا کہ مجھے دوسری بہنوں کا انتظار ہے۔ حضرت طلیب ﷺ نے کہا کہ اماں اب انتظار کا وقت نہیں' میرے ساتھ بھائی کے پاس چلیں اور دولت ایمان سے بہرہ یاب ہو جائیں آپ مزید عذر نہ کر سکیں اور دار ارقم میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو کر مسلمان ہو گئیں۔ یہ واقعہ 3 ہجری کا ہے۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب

آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر جو مرثیہ کہا اس کے چند اشعار دیکھیے۔

اے میری دونوں آنکھو۔ جب تک زمانے کی درازی قائم ہے روؤ اور جی کھول کر آنسو بہاؤ جس میں کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

اے میری آنکھ اچھی طرح اشکبار ہو مرتے دم تک اتنے دولاب اشک بہا جس میں کمی واقع نہ ہو۔

اے میری آنکھ، اشکبار ہو اور کوشش کر کے اشکبار رہو، ان کے لیے جو برگزیدہ تھے۔ نور لے کے آئے تھے ان کے علاوہ خلق اللہ میں سے اور کسی پر نہ رو۔

ایسا رونا کہ سیلاب آ جائیں کیونکہ عدل وخیر والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت مجھ پر نازل ہوئی ہے۔

موت سے میں بچتی تھی ڈرا کرتی تھی اور تقدیر میں جو لکھا جا چکا ہے اس سے خوفزدہ تھی۔

کہ اس روشن ذات کو میں کھو نہ بیٹھوں جس کے وسیع اخلاق فخر کے لائق ہیں۔

ہر قسم کے عیب وامراض واخلاق اور مکر وفریب سے اس کا دامن پاک ہے......

اب اس حاجت مند کے کون کام آئے گا جو ہر طرف سے نکالا جاتا ہو اسے دھکے دیئے جاتے ہوں پابہ زنجیر ہو اور لوہے کی بندش کا گلہ کر رہا ہو۔

اب ہر شام وسحر اللہ کی وحی کس پر آیا کرے گی جو ہمارے ہی درمیان رہ جایا کرتی تھی۔

اے فضیلتوں والے فیاض سردار تجھ پر ہمارے پروردگار کی رحمت وسلام ہو۔ تیرے

بدلے ان سب کو موت کیوں نہ آئی جو لعنتی ہیں بد خلق ہیں اصل و نسل کے کمینے ہیں۔"

اپنی بہن اروی رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے بھی نبی پاک کی رحلت پر مرثیہ کہا۔ اوپر درج ترجمہ پر نگاہ دوڑائیں تو واضح ہوگا کہ آپ ایمان لے آئیں تھیں۔ حضرت اروی رضی اللہ عنہا کے کہے مرثیے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا۔ ان سے ان کا بھی مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے لہٰذا وہ حضرات جو ان دنوں خواتین کے ایمان نہ لانے کے قائل ہیں انہیں اس پر ضرور غور کرنا چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کئے انیس ماہ ہو چکے تھے کہ ابو سفیان ایک تجارتی قافلہ لے کر شام کو روانہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھاپہ مارنے کی خاطر تین سو تیرہ صحابہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ اس قافلہ کی سلامتی سے مکہ کے تمام قریش کا مفاد وابستہ تھا۔ قریش کا کوئی مرد یا عورت ایسی نہ تھی جس نے حسب گنجائش اس قافلہ میں سرمایہ نہ لگایا ہو۔ ابو سفیان نے ضمضم غفاری نامی ایک شخص کو مکہ روانہ کیا کہ جا کر کفار کو پیغام دے کہ مسلمان قافلے کو لوٹنے والے ہیں لہٰذا سب اسے بچانے کے لیے پہنچیں۔ ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے تین رات پہلے جناب عاتکہ نے ایک خواب دیکھا جس نے انہیں خوفزدہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا وہ آئے تو عاتکہ نے کہا کہ بھائی جان بخدا میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے حد درجہ خوفزدہ کر دیا ہے۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ کی قوم پر کوئی آفت نازل ہونے والی ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ اس راز کو ظاہر نہ کریں گے تو میں بتاتی ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے راز افشا نہ کرنے کا وعدہ کیا تو جناب عاتکہؓ نے خواب بیان کرنا شروع کیا۔ "میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شتر سوار آیا اور ابطح وادی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا "اے دھوکہ باز و اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دنوں کے اندر اندر دوڑ کر آؤ۔"

میں نے دیکھا کہ لوگ اس اونٹ سوار کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر وہ مسجد میں داخل ہوا لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کا اونٹ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہے۔ اس شخص نے وہی نعرہ بلند کیا پھر میں نے اس اونٹ کو جبل ابی قبیس کے اوپر کھڑا ہوا دیکھا وہاں جا کر اس اونٹ سوار نے پھر وہی نعرہ لگایا اور ایک بھاری بھرکم چٹان کو نیچے لڑھکا دیا۔ جب وہ لڑھکتی ہوئی

نیچے پہنچی تو اچانک پھٹ گئی مکہ کا کوئی ایسا گھر نہ رہا جس میں اس چٹان کا کوئی ٹکڑا نہ گرا ہو"

یہ خواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کو کہا کہ یہ تو بڑا اہم خواب ہے عاتکہ ؓ کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرنا۔ اس کو پوشیدہ رکھنا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ کہہ کر وہاں سے نکلے۔ راستے میں ان کی ملاقات ولید بن عتبہ سے ہوگئی یہ ان کا دوست تھا۔ انہوں نے بہن کا خواب اس کے سامنے بیان کر دیا اور ساتھ مخفی رکھنے کی تاکید بھی کر دی۔ ولید نے اس کا ذکر اپنے باپ عتبہ سے کیا۔ اس طرح یہ راز افشا ہوگیا۔ حضرت عباس ؓ شام کو حرم میں گئے تو ابو جہل جو اس وقت قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا اور وہاں اس خواب کا تذکرہ ہو رہا تھا اس نے حضرت عباس کو دیکھا اور کہا:

"اے بنو عبدالمطلب تم میں یہ نبیہ کب پیدا ہوئی حضرت عباس ؓ نے کہا کہ تمہارا اس سے کیا مطلب۔ اس نے کہا کہ میں اس خواب کا ذکر کر رہا ہوں جو عاتکہ نے دیکھا ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انجان بنتے ہوئے کہا اس نے کیا دیکھا۔ ابو جہل بولا اے عبدالمطلب کی اولاد تم اس پر مطمئن نہیں کہ تم میں ایک نبی ظاہر ہوا؟ اور اب تمہاری عورتوں نے نبوت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔ پھر اس نے کہا عاتکہ کا کہنا ہے کہ اس شتر سوار نے تین دن کے اندر نکلنے کا کہا ہے ہم انتظار کریں گے۔ تین دن میں خواب سچا نہ ہوا تو ہم یہ لکھا کر ہر جگہ چسپاں کر دیں گے کہ ملک عرب میں تمہارا گھرانہ سب سے جھوٹا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے کہا کہ اے بزدل جھوٹ تو تیرے خاندان میں ہے۔

اس واقعہ کے تین دن بعد ضمضم غفاری اپنے اونٹ کی ناک اور کان کاٹ کر اور کجاوہ الٹا کر کے اپنی قمیض کو آگے پیچھے سے پھاڑ کر چلا رہا تھا کہ قافلے کو بچاؤ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ خواب کے چرچے نے لوگوں کو پہلے سے خوفزدہ کر رکھا تھا لہٰذا بدر کی طرف جب کفار کا لشکر روانہ ہوا تو وہ اندر سے خوفزدہ تھے۔ جناب عاتکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وفات پائی۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں جب آپ ؐ نے کفار کی رکاوٹوں کے باوجود اسلام کی تبلیغ جاری رکھی تو قریش کے سارے قبائل کے سردار جمع ہوئے۔ انہوں نے پیغام بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حرم میں اپنی پنچایت میں بلا لیا اور آپ کے سامنے دولت سرداری یا

عورت کا لالچ رکھا کہ ان میں سے جو چاہو ہم پیش کرنے کو تیار ہیں۔ مگر ہمارے بتوں کو برا کہنا ترک کردو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشن سے دست برداری سے انکار کیا تو وہ حجت بازیاں کرنے لگے اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹانے اور اپنے بزرگ قصی بن کلاب کو زندہ کرنے کا معجزہ دکھانے پر اصرار کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہرزہ سرائی سنی اور فرمایا اے قریش اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کاموں کے لیے مبعوث نہیں فرمایا۔ میں اس کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں اور وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اسے قبول کرلو تو تمہاری خوش نصیبی ہے اور اگر اسے مسترد کردو تو پھر بھی میں حکم الٰہی سے صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔ وہ پھر گستاخیاں کرنے لگے تو آپ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا لڑکا عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ بھی ساتھ اٹھا اور آپ کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ راستے میں اس نے کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری قوم نے بہت سی تجویزیں آپ کے سامنے پیش کیں۔ آپ نے ان میں سے کوئی تجویز نہیں مانی۔ پھر انہوں نے چند مطالبات کئے وہ بھی آپؐ نے مسترد کردیئے۔ پھر یہاں تک کہا کہ اگر آپ ہمارے لیے کچھ نہیں مانگتے تو آپ کی مرضی اپنے لیے تو اپنے رب سے باغات' محلات اور خزانے مانگئے۔ اگر وہ آپ کو بھی یہ چیزیں دے دے تو پھر بھی وہ آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ بات بھی آپؐ نے قبول نہ کی پھر انہوں نے وہ عذاب الٰہی نازل کرنے کا مطالبہ کیا جس سے آپ ہر وقت ان کو ڈراتے رہتے تھے۔ یہ بات بھی آپ نے نہ مانی بخدا میں تو اب کسی قیمت پر آپ پر ایمان نہ لاؤں گا۔ ایسی ہی لاف زنیاں کرتا وہ گھر چلا گیا۔

مکہ کے زمانے کا ہی ایک اور واقعہ ہے کہ تمام بنو ہاشم کو کفار کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہونا پڑ گیا۔ جہاں کھانے اور پینے کو اکثر کچھ نہ ہوتا ہشام بن عمرو بن حارث کی بنو ہاشم کے ساتھ قریبی رشتہ داری تھی۔ جب بنو ہاشم کو اس گھاٹی میں رہتے تین برس سے زائد عرصہ ہو گیا تو یہ ہشام ایک روز زبیر بن ابی امیہ کے پاس گئے۔ زبیر بن ابی امیہ بھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے فرزند تھے۔ ہشام خود ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ ہشام نے زبیر کو جا کر کہا کہ کیا تمہیں پسند ہے کہ تم تو لذیذ کھانے کھاؤ۔ عمدہ لباس پہنو اور اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ آرام سے زندگی گزارو اور تمہارے ننھیال بھوکے ننگے خستہ حال طرح

طرح کی مشقتوں میں گھرے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم ابو جہل کے ننھیال کے خلاف ایسا قدم اٹھاتے اور تم اسے اس میں شرکت کی دعوت دیتے تو وہ ہرگز تمہاری دعوت قبول نہ کرتا۔ زبیر نے کہا کہ افسوس اے ہشام میں تنہا ہوں اکیلا کیا کرسکتا ہوں اگر ایک اور ساتھی مجھے مل جائے تو میں کعبہ میں لٹکائے گئے معاہدہ کو توڑنے کے لیے کھڑا ہو جاؤں۔ ہشام نے کہا کہ ایک آدمی تو میں پیش کرتا ہوں اس نے پوچھا وہ کون؟ ہشام نے کہا کہ میں خود۔

زبیر نے کہا: ہمت کرو ایک تیسرا آدمی بھی تلاش کرو

چنانچہ ہشام، معطم بن عدی اور ابوالبختر ی کے پاس گیا اور ان کے بعد زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دینے کی حامی بھرلی۔ زبیر نے کہا کہ کل صبح اس معاہدے کو کالعدم کرنے کا اعلان پہلے میں کروں گا تم باقی تائید کرنا لہٰذا دوسرے دن طواف کے بعد زبیر نرالی شان سے چلتا قریش کی مجلسوں کے قریب آیا اور معاہدے کو پرزے پرزے کرنے کا عزم کیا۔ ابو جہل نے دخل دینے کی کوشش کی تو زمعہ بن اسود کھڑا ہو گیا۔ اس کی تائید کرتے ہوئے ابوالبختر ی اور پھر باقی بھی کھڑے ہو گئے اور اس معاہدے کو پھاڑ کر بنو ہاشم کو قید تنہائی سے رہائی دلائی۔ حضرت ابو طالب نے ایک قصیدہ لکھ کر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کا انتقال حالت ایمان میں ہوا۔

ام حکیم البیضا بنت عبدالمطلب

نبی کریم کی ان پھوپھی کی شادی کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس سے ہوئی۔ ام حکیم اور نبی پاک کے والد ماجد حضرت عبداللہ توام پیدا ہوئے تھے۔

ام حکیم کی بیٹی اروی بنت کریز بن ربیعہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ یعنی ام حکیم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی تھیں۔

امیمہ بنت عبدالمطلب

مکہ میں مسلمانوں پر جب کفار نے حد درجہ ظلم ڈھانے شروع کر دیئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت مرحمت فرمادی کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ ابن کثیر کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے دونوں بیٹوں عبداللہ بن جحش اور عبیداللہ بن جحش اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں چھوڑ کر دولت ایمانی کو اپنے سینے میں سمیٹے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ان کا سارا خاندان ہجرت کر آیا تھا اگر جناب امیمہ اس وقت تک زندہ ہوتیں تو علماء کرام کہیں نہ کہیں ان کا ذکر ضرور کرتے۔

عبیداللہ بن جحش نابینا تھے۔ یہ مکہ کی اونچی نیچی گلیوں اور گھاٹیوں میں بغیر کسی قائد کے آزادانہ گھومتے پھرتے تھے۔ یہ بڑے فصیح و بلیغ شاعر تھے۔ ان کی بیوی ابوسفیان بن حرب کی بیٹی تھی۔ اس کا نام الفارعہ تھا۔

سردار عبدالمطلب جیسے نانا کا نواسہ' ابوسفیان جسے رئیس مکہ کا داماد اور قادر الکلام شاعر جب میخانہ توحید کے ساقی کے دست مبارک سے توحید کا جام پیتا ہے تو اپنے خالق کے سوا سب کو بھول جاتا ہے اور اپنی معذوری کے باوجود ذوق و شوق میں پرخار وادیوں کو روندتا ہوا منزل جاناں کی طرف مستانہ وار روانہ ہوتا ہے۔

امیمہ کے اسلام میں محققین کا اختلاف ہے۔ سوائے ابن سعد کے کسی اور نے ان کے اسلام ثابت نہیں کیا۔ محمد ابن اسحاق ان کے اسلام کے قائل نہیں۔ امیمہ کا نکاح جحش بن

رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ سے ہوا۔

امیمہ اور جحش بن رئاب کے دو بیٹوں کے علاوہ دو بیٹیاں بھی تھیں۔ ایک کا نام زینب بنت جحش جو بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور دوسری حمنہ بنت جحشؓ۔ جب منافقین نے واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو حمنہ بنت جحش بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اس پراپیگنڈہ میں گرفتار ہوگئیں۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہن کی سوکن سمجھتے ہوئے منافقین کی چالاکی کا شکار ہوگئیں' بعد میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ' حمنہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے قریبی عزیز مسطح کو تہمت لگانے کے جرم میں سزا دی گئی تاہم یہ سب لوگ معصوم اور سادہ لوح تھے جو اس شر میں گرفتار ہو گئے۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ بخدا عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سوائے خیر اور بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتی۔

حضرت زینب کی عمر تیس برس کے قریب ہو چکی تھی مگر آپ کی ابھی شادی نہ ہوئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے صحابی اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کے نکاح کا پیغام بھیجا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر قرآن حکیم کی آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ "کسی مومن اور مومنہ کیلئے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔"

اس حکم کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا راضی ہو گئے۔ نکاح تو ہو گیا لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے اعلیٰ نسب ہونے کے فخر نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قریب نہ جانے دیا اور سدا ناراضگی رہتی جس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تنگ آ کر انہیں طلاق دے دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لے پالک بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کی ممانعت کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ کا آسمان پر نکاح فرمایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوسری ازواج پر فخر کیا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تو تمہارے اولیاء نے کیا اور میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کیا۔"

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ کی ساری اولاد نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا اور سب نے اسلام کی بھرپور خدمت کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ احد کے دن میں اور عبداللہ بن جحش ایک کونہ میں جا کر دعا کرنے لگے۔ پہلے میں نے دعا کی کہ میرے رب کل جب جنگ شروع ہو تو میرے مقابلہ پر خوب طاقتور کافر کو بھیجنا پھر میں اس کو قتل کر کے اس کے لباس، زرہ اور ہتھیار پر قبضہ کرلوں۔ حضرت عبداللہ ﷺ نے آمین کہا۔ پھر حضرت عبداللہ نے دُعا کی۔ اے میرے رب میرے مقابلے پر قوی اور تنومند حریف بھیجنا۔ میں اس سے جنگ کروں اور آخرکار میں شہید ہو جاؤں پھر وہ میرے کان اور ناک کاٹ دے اور جب میں روز قیامت تجھ سے ملاقات کروں تو اسی حالت میں کروں۔ دوسرے دن ایسا ہی ہوا۔ حضرت عبداللہؓ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

برہ بنت عبدالمطلب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پھوپھی کی شادی عبدالاسد سے ہوئی جس سے حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد ؓ پیدا ہوئے۔ برہ کے حالات زیادہ تاریخ کی کتابوں میں موجود نہیں۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پھوپھی کے گھر میں بھی اسلام شروع کے دنوں میں ہی داخل ہو چکا تھا۔ ابوسلمہ ؓ ابوعبیدہ عثمان بن عفان ؓ اور ارقم بن ابی ارقم ؓ نے دعوت اسلام کے ابتدائی دنوں میں ایک ہی روز اسلام قبول کیا تھا۔ ابوسلمہ ؓ حبشہ سے پھر مکہ آئے اور مکہ سے پھر مدینہ ہجرت کی۔ بدر واحد کی جنگوں میں شرکت کی۔ احد میں زخمی ہوئے اور کچھ عرصہ بیمار رہ کر انتقال فرمایا۔ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر کے انہیں اپنے شرف زوجیت سے سرفراز کیا۔ ان تمام واقعات و حالات میں برہ بنت عبدالمطلب کا کہیں ذکر نہیں آتا جس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے ہی انتقال کر چکی تھیں۔

صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ سے نبی کریم کو بہت پیار تھا۔ حضرت صفیہؓ نے نبی پاکؐ کی رحلت پر یہ اشعار کہے۔

''مجھے اپنی جان پر افسوس ہے۔ میں نے اس شخص کی طرح شب بسر کی جس سے سب کچھ چھن گیا ہو اور رنج و غم میں رات بھر جاگتا رہا ہو۔''

میری یہ حالت ایسے غم و حسرت کے باعث ہوئی ہے جنہوں نے مجھے مسلسل گھیر رکھا ہے۔ کاش یہ غم آہستہ آہستہ نازل ہوتے۔ وہ سب رنج و غم مجھ پر یکبارگی ٹوٹ پڑا۔ جب لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے مقدر سے موافقت فرمائی' جب ہم نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ شرف بہ وفات ہیں تو ہمارے سر کے بال کیسے کچھ سفید ہو گئے۔ اے فاطمہؓ رو' تارے جب تک طلوع ہوتے رہیں' کسی صبح رونے سے تھک نہ جانا۔ وہ ایسے تھے جن کے لئے رونا واجب ہے۔ وہ بزرگ سردار اور پاک تھے۔

ان کے جاتے رہنے سے زمین ویران ہو گئی اور مخلوق میں کون ہے جس پر مصیبت نہ پڑی ہو...... وہ بدشکل عورت آپ پر روئے گی جس کی بصارت ایسی جاتی رہی کہ جہاں پردہ اور حجاب کا موقع ہو وہاں بھی حجاب نہ کر سکے۔

آپ کو وہ پیر مرد روئے گا جس کے بہت سے چھوٹے چھوٹے لڑکے ہوں اور وہ انہیں لئے پھر رہا ہو' سوار جب رہگذار طے کرتے ہوئے اپنے مقصد میں ناکام رہیں تو وہ آپ ہی کا ماتم کریں گے۔

آپ کے جاتے رہنے سے بطحاء روئے گا' مکہ روئے گا دیار حجاز روئے گا..........

جب تک جئے مخلوق میں نیکی کے ساتھ جئے۔ فیض حاصل کرنے والوں کے لئے ان کا فیض حقیقت میں مالِ غنیمت تھا۔

نہایت قابل تعریف حالت میں ہم سے منہ موڑ کے چلے گئے۔ بندوں کا پروردگار جزا میں ان کو بہشت بخشے۔''

یہ اس مرثیے کے چند اشعار کا ترجمہ ہے جو نبی کریم ﷺ کی پیاری پھوپھی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رسول پاک کی وفات پر کہے۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کا پہلا نکاح حارث بن حرب اموی سے ہوا جس سے آپ کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حارث کے مرنے کے بعد آپ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد قرشی الاسدی سے ہوا جس سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ عوام بن خویلد بھی تھوڑا عرصہ زندہ رہے۔ آپ ابھی جوان تھیں لیکن پھر شادی نہ کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو آپ نے ابولہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وحمایت کی ترغیب دی۔ ابولہب کے انکار پر آپ نے اس سے کہا کہ بھائی تم بخوبی جانتے ہو کہ کئی نسلوں سے اہل علم کہتے آ رہے ہیں کہ عبدالمطلب کی اولاد سے ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے اور ہم اس پر فخر کرتے تھے۔ آج جب ہمارے پیارے بھتیجے کو اللہ نے نبوت کے لئے منتخب کیا اور اسے دعوت حق پر مقرر کیا تو تو کیوں منہ موڑ رہا ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی باتوں پر ابولہب بولا کہ یہ سب گھر کی چار دیواری میں بند عورتوں کی باتیں ہیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ بہت بہادر اور دلیر خاتون تھیں۔ مدینہ منورہ میں ایک بار جب تمام مسلمان جنگ کی خاطر شہر سے گئے تو عورتوں اور بچوں کو مقامی یہودیوں کی شرارت سے بچانے کے لئے ایک قلعہ میں جمع کر دیا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو بوجوہ لڑائی میں شامل نہیں ہو سکتے تھے کو ان کا نگران مقرر کیا گیا۔ ایک روز ایک یہودی ادھر اُدھر جھانکتا دیکھا گیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ جانے نہ پائے ورنہ دوسرے یہود کو بھی ادھر کا راستہ دکھائے گا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے بیماری یا کمزوری کا عذر کیا تو آپ نے ایک چوب اٹھائی اور خود ہی موقع دیکھ کر اس یہودی جاسوس کے سر پر دے ماری' وہ چوب لگتے ہی

مر گیا۔ آپ نے حضرت حسان ﷛ سے کہا کہ جاؤ اس کا سر کاٹ لاؤ۔ انہوں نے پھر عذر کیا تو آپ باہر نکلیں اور اس کا سر کاٹ کر لے آئیں اور اسے قلعے کی دیوار سے پھینک دیا۔ اپنے ساتھی کا کٹا ہوا سر دیکھ کر یہودی سمجھنے لگے کہ قلعے میں بھی مسلمان سپاہی موجود ہیں چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی دلیری کے باعث تمام عورتیں اور بچے محفوظ رہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اکثر غزوات میں شامل ہوتیں۔ آپ مرہم پٹی کرتیں، پانی پلاتیں اور کئی بار تو نوبت یہاں تک آئی کہ تلوار پکڑ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑتیں۔ غزوۂ احد میں جب ایک موقع پر مسلمان پریشان ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد کفار نے گھیرا ڈال دیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو للکارا تو سب فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئے۔ اس لڑائی میں جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پیارے بھائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ﷛ شہید ہوئے تو حضرت صفیہ ان کی مثلہ شدہ لاش کے لئے کفن لے کر آئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے حضرت زبیر ﷛ بن عوام کو کہا کہ اپنی ماں کو آگے بڑھنے سے روکو کہ کہیں بھائی کی لاش کی یہ حالت دیکھ کر حواس نہ کھو دیں۔ حضرت زبیر ﷛ آگے بڑھے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ہاتھ سے ایک دھکا دیتے ہوئے ہٹ جانے کا کہا۔ انہوں نے عرض کیا اماں جان یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ آپ نے کہا مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے لیکن یہ سب کچھ راہ خدا میں ہوا ہے۔ میں اس مصیبت پر صبر کروں گی اور اس کے ثواب کی امید رکھوں گی۔ حضرت زبیر ﷛ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں اپنی اماں کا جواب پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو انہیں جانے دو۔ صبر و استقامت کی پیکر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آئیں اور اپنے جوان بھائی کی پارہ پارہ شدہ لاش کو دیکھا۔ انا للہ پڑھا اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں۔ حضرت صفیہؓ کا یہ بے مثال صبر دیکھ کر کائنات تھم گئی۔ پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں پھوپھی کے دماغ پر بھائی کی موت کا اثر نہ ہو جائے لہٰذا اس عظیم حکیم نے اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر رکھ دیا۔ بھتیجے کی محبت کا اثر بھائی کی موت کے بعد صدمے سے بے حرکت ہونے والے دل کو آنچ دینے لگا اور صدمہ اس آنچ سے موم کی طرح پگھل کر اشکوں کی صورت بہنے لگا اور غم کا

بوجھ ہلکا ہو گیا۔'' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کفن کے لئے جو دو چادریں لائی تھیں۔ ان میں سے ایک کو ایک انصاری شہید کا کفن بنایا گیا اس کی لاش کا بھی مثلہ کیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہ ہوا کہ حضرت حمزہ ﷛ کو دو چادروں میں کفن دیا جائے اور ایک دوسرا شہید راہ حق بے کفن رہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے زبیر بن عوام ﷛ کی شادی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی اسماء رضی اللہ عنہا سے کی جن سے حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تہتر برس کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت زبیر بن عوام ﷛ بارہ یا پندرہ برس کی عمر میں ایمان لائے۔ آپ کے چچا کو جب معلوم ہوا کہ آپ مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے عزم کیا کہ وہ انہیں مجبور کر دے گا کہ وہ نئے دین کو چھوڑ کر پھر اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آئیں چنانچہ وہ آپ کو چٹائی میں لپیٹتا اور رسی سے باندھ دیتا پھر اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آنے کی ترغیب دیتا۔ چٹائی میں لپیٹ کر جب وہ نیچے سے دھواں دیتا تو حضرت زبیر ﷛ کا دم گھٹنے لگتا پھر کہتا۔ اس عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دو۔ نوخیز زبیر رضی اللہ عنہ عشق نبیؐ میں مست زبان سے جواب دیتے۔ ہرگز نہیں بخدا میں کسی قیمت پر کفر کی طرف نہیں لوٹوں گا۔ آپ کی شجاعت وسخاوت کے واقعات تاریخ اسلام کا روشن باب ہیں۔

بعثت کے پانچویں برس ماہ رجب میں جب مہاجرین کا پہلا قافلہ مکہ چھوڑ کر حبشہ جیسے دور دراز ملک کو روانہ ہوا تو اس میں حضرت زبیر بن عوام ﷛ بھی شامل تھے یعنی آپ ایمان لانے والے ابتدائی افراد میں سے ایک ہیں۔ حبشہ میں قیام کے دوران ایک بار نجاشی پر کسی دشمن بادشاہ نے حملہ کر دیا۔ مسلمان نجاشی کے حق میں ہمیشہ دعا کرتے رہتے۔ دونوں لشکر دریائے نیل کے دوسری جانب ایک میدان میں جمع ہوئے۔ صحابہ کرام نے مشورہ کیا کہ کوئی ایسا شخص ہو جو میدان جنگ میں جائے۔ حالات کا مشاہدہ کرے اور پھر نتیجے سے ہمیں آگاہ کرے۔ حضرت زبیر ﷛ جو سب سے کم عمر اور نوجوان تھے۔ وہ بولے یہ خدمت میں انجام

دوں گا۔ ایک مشک میں ہوا بھری اور اس کے منہ کو بند کر دیا پھر آپ نے اس کے ذریعے دریائے نیل کو تیر کر عبور کر لیا اور دوسرے کنارے پر جا پہنچے جہاں دونوں لشکر برسرپیکار ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت زبیر نے اس جنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی التجاؤں کو قبول کیا۔ دشمن باغیوں کو شکست ہوئی' ان کا سربراہ مارا گیا اور نجاشی کو فتح نصیب ہوئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پھر دریا تیر کر عبور کیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس پہنچے۔ آپ نے دور سے ہی چادر لہرا کر فتح کی خوشخبری سنائی۔ مدینہ منورہ آنے پر حضور ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور مسلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کے مابین مواخات قائم کی۔ مدینہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے روز اول سے ہی کئی حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے یہ پراپیگنڈا بڑے زور و شور سے کرنا شروع کیا کہ ہم نے جادو سے مسلمانوں کی عورتوں کو بانجھ بنا دیا ہے۔ اب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا۔ مسلمان ان کی اس شرارت سے بہت پریشان ہوئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماء بنت ابوبکر اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو فرزند عطا فرمایا۔ اس طرح یہودیوں کا نقلی طلسم ٹوٹ گیا اور مسلمان جس مایوسی کا شکار ہو گئے تھے۔ اس سے انہیں نجات ملی۔ ہجرت کے بعد مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی جبکہ انصار میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

امام بخاری حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میرا مقابلہ عبیدہ بن سعید بن العاص سے ہوا۔ وہ سرتاپا فولاد میں غرق تھا۔ اس کی دو آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس نے اپنی کنیت ابوذات الکرش رکھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو للکار کر کہا کہ میں ابوذات الکرش ہوں۔ اگر ہمت ہے تو آؤ میرے مقابلہ میں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا نیزہ اس کے سر میں ایسا جما کر مارا کہ بڑی کوشش کے باوجود نہ نکلا آخر میں نے اپنا پاؤں اس کے چہرے پر رکھا اور اسے نکالنے کے لئے پورا زور لگایا۔ وہ نیزہ تو اس کی آنکھوں سے نکل آیا لیکن اس کا پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ نیزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

زبیر رضی اللہ عنہ سے لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت زبیر ﷛ نے نیزہ واپس لے لیا۔ ان سے دوبارہ حضرت ابوبکر نے اس کا مطالبہ کیا تو انہوں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لے لیا' ان سے حضرت عمر ﷛ نے مانگ لیا۔ آپ کی زندگی بھر آپ کے پاس رہا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو پھر حضرت عثمان ﷛ نے یہ نیزہ لے لیا جو ان کی شہادت تک ان کے پاس رہا پھر حضرت علی ﷛ نے آپ سے لے لیا۔ ان کی شہادت کے بعد پھر یہ نیزہ آپ کے خاندان میں ہی رہ گیا۔

غزوہ احد میں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کی صف بندی فرمائی تو میمنہ (دائیں بازو) کی قیادت حضرت زبیر بن عوام ﷛ کو اور میسرہ (بائیں بازو) کی قیادت حضرت منذر بن عمرو ﷛ کو تفویض فرمائی۔ اس جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی تلوار بے نیام کر کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین سے پوچھا کہ اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا تو دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت زبیر ﷛ نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا تھا لیکن نبی پاک نے اپنی تلوار ابودجانہ ﷛ کو مرحمت فرمائی۔ حضرت زبیر ﷛ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کا بہت رنج ہوا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا ہوں۔ مجھے تو یہ تلوار نہیں دی اور ابودجانہ ﷛ کو دیدی۔ اب دیکھتا ہوں کہ وہ اس جنگ میں کون سے کارنامے انجام دیتے ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سرخ دوپٹہ سر پر باندھا اور تلوار کو لہراتے ہوئے میدان کارزار میں گھس گئے۔ آپ جدھر جاتے کشتوں کے پشتے لگاتے جاتے۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑا توانا کافر چیختا چلا آرہا ہے۔ میں دعا کر رہا تھا کہ ان دونوں کی مڈبھیڑ ہو اور میں ابودجانہ ﷛ کی شجاعت کے جوہر دیکھوں چنانچہ چند لمحوں بعد وہ ایک دوسرے پر جھپٹنے لگے۔ آخر مشرک نے خوب تاک کر ایک بھرپور وار حضرت ابودجانہ ﷛ پر کیا جسے آپ نے اپنی سپر پر روک لیا پھر ابودجانہ ﷛ نے شمشیر جوہر دار لہرائی اور بجلی کی سرعت سے اس پر حملہ کیا اور اسے دولخت کر کے رکھ دیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابودجانہ ﷛ کو دیکھا کہ ہند زوجہ ابوسفیان جو اپنی اشتعال انگیزیوں سے مسلمانوں پر قیامت برپا کر رہی تھی۔ وہ ایک مرتبہ

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی زد میں آئی لیکن آپ نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایک عورت کو قتل کروں اور عورت بھی وہ جس کا اس وقت کوئی یار و مددگار نہ تھا۔''

جنگ احد میں ہی ایک مشرک میدان میں نکلا اور للکارنے لگا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا۔ جب اس نے تیسری مرتبہ یہی چیلنج کیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ وہ مشرک اونٹ پر سوار تھا۔ آپ نے چھلانگ لگائی۔ اونٹ پر سوار ہو گئے اور اس سے جنگ آزما ہوئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا جو زمین پر پہلے گرے گا' وہ مارا جائے گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایسی ضرب رسید کی کہ کافر اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اور لڑھک کر نیچے آ گیا۔ آپ نے اس کے اوپر چھلانگ لگا دی اور اس کا سر کاٹ کر پرے پھینک دیا۔ اس بے مثال جرأت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی بڑی تعریف فرمائی اور فرمایا۔ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے۔ میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے پھر فرمایا اگر زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ پر نہ نکلتے تو میں خود اس کی دعوت مبارزت قبول کرتا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ لڑائی کے دوران جب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا اور کفار بھاگ اُٹھے تو ان کی خواتین کے فرار کی تصویر کشی کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ہم نے ہند اور اس کی ساتھی عورتوں کو دیکھا کہ ان کی پنڈلیاں ننگی تھیں۔ انہوں نے پائنچے چڑھا رکھے تھے۔ وہ بھاگی جا رہی تھیں۔ ان کی پازیبیں دکھائی دے رہی تھیں اور مکہ کے سورما سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے جا رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اکثر لڑائیوں میں نمایاں حصہ لیتے رہے۔ مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی جانب سے مدینہ پر حملے کی خبروں پر آپ دیگر صحابہ کے ساتھ مل کر رات کو گشت کیا کرتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب خود ایرانیوں کے مقابلے کا اعلان کیا تو انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو میمنہ کا قائد مقرر فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمرو بن العاص کو مصر پر فوج کشی کی اجازت دی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا کمکی مقرر فرمایا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر مقام فسطاط کی طرف روانہ کیا۔ یہاں ایک زبردست قلعہ تھا جس کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فتح کر لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب ابولولو مجوسی کے ہاتھوں مسجد میں زخمی ہوئے تو موت سے پہلے آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن وقاص' حضرت زبیر بن عوام' حضرت طلحہ' حضرت علی اور حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کو طلب فرمایا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود نہ تھے۔ آپ نے باقی پانچ افراد سے کہا کہ تین روز طلحہ رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنا اگر اس دوران وہ نہ آئیں تو باہمی مشورے سے اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالینا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتارنے والوں میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ ان حضرات نے آخر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شرارت کی جڑ مروان بن الحکم کو طلب کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر یہ لوگ ناراض ہو کر اُٹھ گئے۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امیر المومنین کے گھر کے باہر پہرہ دیتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت زبیر اور طلحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس وقت تک بیعت سے انکار کر دیا جب تک کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے بدلہ نہ لے لیا جائے۔ ان کی اس رائے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ حضرت قعقاع بن عمرو کی کوششوں سے ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے لشکروں میں لڑائی ٹل جانے کو تھی کہ یہودی عبداللہ بن سبا نے کچھ سازشی افراد کے ذریعے یہ صلح صفائی کا امکان ختم کر دیا۔ لشکر آمنے سامنے آنے والے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے فرمایا تھا کہ تم ایک شخص سے لڑو گے اور تم اس پر ظلم کرنے والے ہو گے۔ یہ سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں مجھے یاد آ گیا لیکن آپ نے میری روانگی سے پہلے یہ بات کیوں یاد نہ کرائی ورنہ میں مدینہ سے چلتا ہی نہ اب واللہ میں آپ سے ہرگز نہ لڑوں گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسا

ہی ارادہ ظاہر کیا وہ بھی تیار تھیں کہ عبداللہ بن زبیر ؓ کہنے لگے کہ آپ نے جب دونوں فریق میدان میں جمع کر دیئے تو اب انہیں ایک دوسرے کی نفرت میں بھر کر جانے کا قصد کرتے ہیں۔ شاید آپ حضرت علی ؓ کے لشکر کو دیکھ کر ڈر گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت زبیر ؓ اسی وقت اُٹھے اور حضرت علی ؓ کے لشکر کی طرف گئے اور ان کی فوج کے اندر داخل ہو کر ہر طرف گھوم کر واپس آ گئے نہ کسی نے ان سے گستاخی کی نہ مقابلہ کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ بن زبیر پھر بھی نہ مانے ابھی دونوں طرف سے صلح کی سفارت جاری تھی کہ عبداللہ بن سباء کی سازش سے دونوں لشکروں میں لڑائی چھڑ گئی' ہر ایک دوسرے کو پہلے حملہ کرنے کا مورد الزام ٹھہرا رہا تھا حالانکہ دونوں طرف عبداللہ بن سباء کے گروہ کے افراد نے مخالف لشکر کا نام لے کر حملہ کیا تھا۔ مروان بن حکم بھی حضرت زبیر و طلحہ ؓ کے لشکر میں تھا اس نے حضرت طلحہ ؓ کو بد دلی سے لڑتے دیکھا تو اپنا منہ سر ڈھانپ کر حضرت طلحہ ؓ پر زہر آلود تیر چلا دیا۔

اسی جنگ جمل میں حضرت زبیر ؓ میدان جنگ سے جدا ہو گئے۔ حضرت عمار بن یاسر ؓ ان کو ساری کارروائی کا ذمہ دار سمجھ کر ان سے ناراض تھے۔ حضرت عمار ؓ نے ان پر حملہ کیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حملہ نہ کیا صرف ان کے وار روکتے رہے کیونکہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد آ رہی تھی کہ ''عمار بن یاسر ؓ کو ایک باغی گروہ شہید کرے گا۔'' حضرت عمار ؓ تھک گئے تو حضرت زبیر ؓ وہاں سے چل دیئے۔ حضرت زبیر وادی النباع میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اہل بصرہ سے احنف بن قیس کے لشکری عمرو بن الجرموز نے آپ پر وار کر دیا اور آپ کو شہید کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حاضر ہوا۔ آپ نے اسے جہنم کی بشارت دی۔ اس کے ہاتھ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار دیکھ کر آپ نے کہا کہ اے ظالم یہ وہ تلوار ہے جس نے عرصہ دراز تک رسول اللہ کی حفاظت کی ہے۔ عمرو بن الجرموز یہ سن کر حضرت علی ؓ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہتا ہوا اُٹھا اور اس تلوار کو اپنے پیٹ میں گھونپ کر مر گیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ مدینہ میں مہاجرین کے ہاں پیدا ہونے والے سب سے پہلے بچہ تھے۔ یہ خوش بخت بچہ جس کی پیدائش پر مسلمانوں نے غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا جس کے منہ میں سب سے پہلے

جو چیز گئی وہ رحمت دو عالم کا مقدس لعاب دہن تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی عمر دس برس کے قریب تھی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سات آٹھ برس کے ہوئے تو ایک دن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ انہیں ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

''یارسول اللہ میرے اس بچے کو بیعت سے مشرف فرمایئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا' پھر انہیں بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ بیعت سے مشرف فرمایا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا کے اس فرزند سے بہت محبت تھی۔ اس لئے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی والدہ کے ساتھ اور کبھی تنہا ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہتے۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کرتا دیکھتے یا آپ سے جو کچھ سنتے اسے یاد رکھتے چنانچہ انہوں نے متعدد احادیث براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے ہمراہ سب سے پہلے جنگ یرموک میں شریک ہوئے اس وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی۔ چار برس بعد آپ والد کے ہمراہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے فوج کے ساتھ مصر گئے۔ 35 ہجری میں باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ انہیں اور دوسرے ساتھیوں کو باغیوں کے خلاف لڑنے کی اجازت دی جائے مگر انہوں نے منع کر دیا۔ جنگ جمل میں عبداللہ بن زبیر اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدل فوج کے افسر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ غالب آئے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ گوشہ نشین ہو گئے اور جنگ حنین میں کوئی حصہ نہ لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد انہوں نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس دوران تجارت میں مصروف رہے اور کسی سیاسی سرگرمی میں شریک نہ ہوئے۔ امیر معاویہ کی وفات کے بعد یزید نے اقتدار سنبھالا تو حضرت امام حسینؓ کے علاوہ اسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی خطرہ محسوس ہوا۔ ابن زبیر نے بیعت کے لئے ایک دن کی مہلت لی اور راتوں رات خاندان سمیت مکہ مکرمہ آ گئے۔ اہل مکہ نے آپ کا پرجوش استقبال کیا۔ دوسری

جانب حضرت امام حسینؓ شہید کردیئے گئے تو سب لوگ عبداللہ بن زبیرؓ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کی خلافت کی بیعت کر لی صرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور محمد حنفیہؓ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ یزید کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے حاکم مدینہ کو ان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ چھوٹی سی فوج حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی عمرو بن زبیرؓ کی قیادت میں مکہ روانہ ہوئی جہاں عمرو بن زبیر گرفتاری کے بعد قتل ہوئے۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کی معزولی کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ اس شکست کے بعد یزید نے مسلم بن عقبہ مری کو شامی فوج دے کر روانہ کیا۔ اس فوج نے تین روز تک مدینہ منورہ میں قتل و غارت اور لوٹ مار گرم کئے رکھی پھر یہ مکہ روانہ ہو گئی۔ راستے میں مسلم بن عقبہ نے وفات پائی اور حصین بن نمیر شامی فوج کا سپہ سالار بنا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے محصور ہو کر مدافعت کا فیصلہ کیا۔ حصین بن نمیر نے جبل بوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر آتشبازی اور سنگ باری شروع کر دی۔ جس سے کعبہ کی عمارت کو بہت نقصان ہوا مکہ کا محاصرہ جاری تھا کہ 14 ربیع الاول 64 ہجری کو یزید مر گیا۔ اس کے مرنے کی خبر مکہ پہنچی تو حصین بن نمیر نے محاصرہ اُٹھا لیا اور کوچ سے پہلے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا یزید مر گیا اب میری نظر میں آپ سے زیادہ کوئی خلافت کا حقدار نہیں۔ میں اپنے ساتھیوں سمیت آپ کی بیعت کے لئے تیار ہوں۔ آپ ہمارے ساتھ شام چلیں میں تمام شامیوں کو آپ کی بیعت پر آمادہ کر لوں گا۔ ہمارے درمیان جو ہوا آپ اسے معاف فرما دیں۔ اس کی باتیں سن کر آپ نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور شامیوں سے اہل مدینہ اور اہل مکہ کے خون کا بدلہ لینے کا اعلان کیا چنانچہ حصین واپس چلا گیا۔ مؤرخین اسے عبداللہ بن زبیرؓ کی بہت بڑی سیاسی غلطی قرار دیتے ہیں۔ تاہم ممکن ہے کہ وہ اس قسم کے حالات کا شکار ہوں کہ حصین پر یقین نہ کر سکتے ہوں اور اس کی بات نہ مان سکتے ہوں۔

یزید کی موت کے بعد شام میں لوگوں نے اس کے بیٹے معاویہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ وہ دیندار آدمی تھا اور اپنے باپ کی کارستانیوں پر شرمندہ تھا۔ تھوڑے دنوں بعد ہی وہ فوت ہو گیا۔ اس صورتحال میں اور کوئی خلافت کا مضبوط دعویدار نہ تھا لہٰذا بنو امیہ نے بھی انہیں خلیفہ مان لیا۔ یہاں عبداللہ بن زبیرؓ سے پھر ایک سیاسی غلطی ہوئی۔ انہوں نے بنو امیہ کو مدینہ منورہ سے نکال دیا۔ ان میں مروان بن الحکم اور اس کا بیٹا عبدالملک بھی شامل تھے۔ یہ لوگ دمشق پہنچے تو

وہاں بدنظمی کی کیفیت تھی۔ آخر بنو امیہ نے جابیہ میں جمع ہو کر مروان کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ اس نے کئی علاقوں پر قبضہ کر کے بنو امیہ کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ مروان 65 ہجری میں فوت ہوا اور عبدالملک حکمران بن گیا۔

کوفہ میں ابو عبید ثقفی کے بیٹے مختار نے قصاص حسینؓ کا علم بلند کیا۔ اس نے اپنی تحریک کو قاتلین حسینؓ تک محدود رکھنے کے بجائے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ دونوں کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کر دی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شک تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور محمد بن حنفیہ اس کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں کو نظر بند کر کے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو مختار کی سرکوبی کے لئے بھیجا جہاں چالیس دن کے محاصرے کے بعد مختار اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔

مختار کے قتل کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ آمنے سامنے آ گئے۔ عبدالملک نے ایک زبردست فوج کے ساتھ عراق کا رُخ کیا۔ جہاں اس کے مقابلے کے لئے مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ موجود تھے تاہم وہ اپنی فوج کا بڑا حصہ فارس اور خراسان بھیج چکے تھے۔ اس طرح ان کے پاس عبدالملک کے مقابلے میں بہت کم فوج رہ گئی۔ عبدالملک نے مصعب رضی اللہ عنہ کو امان کی پیشکش کی مگر انہوں نے لڑنا پسند کیا اور لڑائی میں کام آئے۔

عبدالملک نے اب مکہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کیں اور حجاج بن یوسف ثقفی کو اس مہم کا قائد مقرر کیا۔ حجاج نے مکہ پہنچ کر مزید کمک طلب کی اور منجنیقوں سے بیت اللہ پر پتھر اور آگ کے گولے برسانے شروع کیے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بہت عزم و ہمت سے مقابلہ کیا مگر شہر میں خوراک کی شدید قلت پیدا ہو گئی۔ محاصرے کی سختی اور بھوک سے عاجز آ کر لوگ ان کا ساتھ چھوڑ کر مکہ سے بھاگنے لگے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ دس ہزار آدمی ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کی پناہ میں چلے گئے ان میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے حمزہ اور خبیب بھی تھے۔ صرف ایک فرزند نے آخر تک ساتھ دیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی بوڑھی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں ماں بیٹا میں محبت اور پیار کی الوداعی گفتگو ہوئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رخصت کرتے وقت کہا۔ جاؤ بیٹا اللہ کی راہ میں جان دے دو۔ انشاء اللہ میں صابر و شاکر

رہوں گی۔ اب آگے آؤ تا کہ میں آخری بار تمہیں پیار کرلوں ۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی بینائی جا چکی تھی۔ انہوں نے بیٹے کو گلے لگایا تو ان کا ہاتھ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زرہ پر پڑا۔ پوچھا بیٹا یہ تمہارے جسم پر کیا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے یہ زرہ ہے تا کہ دشمن کی تلوار اور داؤ سے بچاؤ ہو۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بولیں بیٹے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لئے نکلتے ہو اور ان عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت زرہ اتار پھینکی۔ آستینیں چڑھائیں اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑ کر میدان میں نکلے۔ اس وقت ان کی عمر 72 برس تھی۔ آپ جدھر حملہ کرتے شامی فوج کائی کی طرح پھٹ جاتی۔ ایک موقع پر کسی سیاہ فام شخص نے انہیں گالی دی تو آگے بڑھ کر ایسا حملہ کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ آخر ایک شامی نے ایک پتھر ان کے سر پر مارا۔ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے بے انتہا کمزور ہو گئے۔ شامیوں نے آپ کو ڈھیلے پڑتے دیکھا تو ان پر تلواروں کی بارش کر دی۔ اس طرح حضرت زبیر اور حضرت اسماء کا نور نظر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھانجا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پوتا شہید ہو کر فرش خاک پر گر گیا۔ شامی فوجیوں نے ان کا سر کاٹ لیا۔ حجاج بن یوسف نے ان کا سر عبدالملک کے پاس دمشق بھجوا دیا اور لاش ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکوا دی۔ عبدالملک نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی درخواست پر حجاج کو حکم دیا کہ لاش حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دی جائے جنہوں نے تدفین کا انتظام کیا۔

رحمت اللعالمین ﷺ کا ننھیال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرب میں ظہور کی جو علامتیں یہود نے اپنی کتابوں اور علماء سے سن رکھی تھیں، وہ پوری ہونے والی تھیں جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ یہود کی جستجو میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ یہودیوں میں سے اکثر کا گمان تھا کہ اللہ کا آخری نبی ان ہی میں سے یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا۔ اسی امید پر وہ مصر، شام، فلسطین اور دیگر ممالک سے آ آ کر عرب میں آباد ہوتے رہے۔ ان کے کچھ علماء نے جب یہ بتایا کہ آخری نبی اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے ہوگا اور قریش کے سردار عبدالمطلب کے چھوٹے بیٹے عبداللہ سے پیدا ہوگا تو وہ حضرت عبداللہ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ ملک شام میں یہودی راہب دوسری جگہوں کی نسبت زیادہ تعداد میں موجود تھے۔

حضرت عبداللہ دوسرے اہل مکہ کے ساتھ تجارتی قافلہ لے کر شام گئے تو وہاں کے یہودیوں نے انہیں پہچان لیا کہ آخری نبی ان ہی سے پیدا ہوگا۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور حضرت عبداللہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہودیوں کے اس منصوبے کی بھنک قافلے میں موجود وہب نامی ایک شخص کو پڑ گئی۔ قدیم علماء کی تصدیق کرتے ہوئے علامہ طاہر القادری سیرت پر لکھی اپنی کتاب میں وہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ جناب ہاشم کا بھائی اور عبد مناف کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ وہب نے حضرت عبداللہ بارے یہودیوں کی گفتگو سنی تو کچھ ساتھیوں کے ہمراہ آپ کی حفاظت کرنا شروع کر دی۔ ایک دن قافلے کے پڑاؤ کے قریب واقع جنگل میں حضرت عبداللہ کو یہودیوں نے گھیر لیا۔ وہب تیزی سے اس طرف پہنچے دیکھا کہ آسمان

سے فرشتے اتر رہے ہیں اور ان فرشتوں نے حضرت عبداللہ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ وہب پہلے ہی جناب عبداللہ کی نیکی اور شرافت کے قائل تھے۔ یہ دیکھا تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس فخر بنو ہاشم کے ساتھ اپنی نیک سیرت اور خوبصورت بیٹی آمنہ کی شادی کر دی جائے۔ قافلہ جب مکہ واپس پہنچا تو وہب حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں آئے اور رشتہ داری قائم کرنے کی خواہش کی۔ حضرت عبدالمطلب پہلے ہی اپنے لاڈلے بیٹے کے لئے بنو زہرہ سے بہو کی تلاش میں تھے لہٰذا انہوں نے حضرت عبداللہ ﷺ کے لئے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کر لیا۔ نبی ہاشم سے اس خاندان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہب کے بڑے بھائی وہیب نے بھی اپنی بیٹی کا رشتہ بنو ہاشم میں طے کرنے کی خواہش کی اور اپنی بیٹی ہالہ کا نکاح اسی روز حضرت عبدالمطلب ﷺ سے کر دیا جس دن حضرت عبداللہ ﷺ کا نکاح حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے والدین کی اکلوتی اولاد بیان کی جاتی ہیں۔ ان کی کسی سگی بہن یا بھائی کا کہیں ذکر بھی نہیں ملتا لہٰذا یہی بات درست مانی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی خالہ یا ماموں نہیں تھے لہٰذا آپ کا ننھیال بہت مختصر تھا تاہم آپ مدینہ کے قبیلہ عدی بن نجار کو اپنا ننھیال کہتے تھے۔ آپ نے کئی قبائل میں تبلیغ کی خاطر اپنے نقیب بھیجے ہوئے تھے۔ ایک بار عدی بن نجار میں بھیجا نقیب فوت ہو گیا۔ لوگوں نے نئے نقیب کی تقرری کا کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عدی بن نجار میرا ننھیال ہے اس قبیلے کا نقیب میں خود ہوں۔''

نبی پاک نے یہ کہہ کر جہاں نقیب بننے کے خواہش مندوں کے مابین مقابلہ کے امکان کو رد کر دیا جس سے انتشار کا خدشہ تھا بلکہ ساتھ ہی اس قبیلے کو ایسا شرف عطا کر دیا کہ وہ اس پر فخر کرتے تھے کہ نبی کریم خود ہمارے نقیب اور بھانجے ہیں۔

سعد بن ابی وقاص

ابی وقاص کا نام مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ تھا۔ ان کی کنیت ابو اسحٰق تھی۔ والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھیں۔

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ سعد اس حالت میں آئے کہ رسول اللہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں۔ آدمی کا مربی اس کے ماموں کو ہونا چاہئے۔ حضرت سعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سگے ماموں تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سعد کی اولاد میں اسحاق اکبر تھے جن کے نام سے ان کی کنیت تھی وہ لاولد مر گئے اور ام الحکم کبریٰ تھیں۔ ان دونوں کی ماں بنت شہاب بن عبداللہ بن الحارث ابن زہرہ تھیں۔

عمر بن سعد' اسے امام حسین ؓ کی شہادت کا ذمہ دار سمجھ کر مختار نے قتل کر دیا۔ محمد بن سعد جو دیرالجماجم کے روز قتل ہوئے۔ حجاج نے ان کو قتل کیا۔ حفصہ' ام قاسم اور ام کلثوم ان سب کی ماں مادیہ بنت قیس بن سعدی کرب بن ابی الکیسم تھیں۔

عامر' اسحاق' اصغر' اسماعیل اور ام عامر کی ماں ام عامر بنت عمرو بن کعب تھیں۔

ابراہیم' موسیٰ' ام الحکم صغریٰ' ام عمرو' ہند' ام زبیر اور ام موسیٰ کی والدہ زید تھیں۔ ان کے بیٹے دعویٰ کرتے تھے کہ ان کی ماں حارث بن یعمر بن شراجیل بن عبدعوف کی بیٹی تھیں۔

عبداللہ بن سعد' ان کی ماں سلمیٰ بنی تغلب بن وائل سے تھیں۔

مصعب بن سعد ان کی ماں خولہ بنت عمرو بن اوس تھیں۔

عبداللہ اصغر بجیر جن کا نام عبدالرحمٰن تھا اور حمیدہ ان کی ماں ام ہلال بنت ربیع بن مری تھیں۔

عمیر بن سعد اکبر اور حمنہ کی والدہ ام حکیم بنت قارظ بنی کنانہ کی اس شاخ میں سے تھیں جو بنی زہرہ کے حلیف تھے۔ عمیر اپنے باپ سے پہلے فوت ہو گئے۔

عمیر اصغر' عمرو' عمران' ام عمرو' ام ایوب اور ام اسحٰق کی والدہ سلمیٰ بنت خصفہ بن ثقف تھیں۔ صالح بن سعد' ان کی ماں طیبہ بنت عامر ابن عتبہ بن شراجیل تھیں۔

عثمان و رملہ ان دونوں کی ماں ام حجیر تھیں۔

عمرہ' نابینا تھیں ان سے سہیل بن عبدالرحمٰن بن عوف نے نکاح کیا۔ ان کی والدہ عرب کے قیدیوں میں سے تھیں اور عائشہ بنت سعد ان کا نام تھا۔

قبول اسلام: عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے انہیں بتایا کہ مجھ سے پہلے کوئی اسلام نہیں لایا۔ سوائے اس شخص کے جو اسی روز اسلام لایا جس روز میں اسلام لایا۔ حالانکہ مجھ پر ایک روز گزر گیا ہے اور میں اسلام کا ثلث ہوں یعنی تیسرا مسلمان

ہوں۔ عائشہ بنت سعد نے اپنے والد کو کہتے سنا کہ جب میں اسلام لایا تو میری عمر 17 سال تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن وقاص اور حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہم کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا۔

طبقات ابن سعد میں قیس بن ابی حازم سے مروی ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص کو کہتے سنا کہ واللہ میں سب سے پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ ہم لوگ اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیا کرتے کہ ہمارے لئے کھانا نہ ہوتا جسے کھاتے۔ سوائے انگور کے پتوں اور ببول کے یہاں تک کہ ہمارا ایک آدمی اس طرح سر اٹھائے دوڑتا جس طرح بکری دوڑتی ہے حالانکہ اس کے لئے تیر کمان بھی نہ تھی۔ بنو اسد مجھے دین سے پھیرنے لگے۔ ایسا ہو جاتا تو میں ناکام ہو جاتا اور میرا عمل برباد ہو جاتا۔

داؤد بن الحصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک سریے میں بھیجا وہ بیس سواروں کے ہمراہ قافلہ قریش روکنے کی خاطر نکلے مگر انہیں کوئی نہ ملا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے سعد کے کسی کے لئے نہیں سنا کہ آپ نے اس پر اپنے ماں اور باپ دونوں کو فدا ہونے کا کہا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد میں حضرت سعد کو کہا کہ اے سعد تیر اندازی کرو میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔

حضرت سعد کا بیان طبقات ابن سعد میں ہے کہ میں جب بدر میں حاضر ہوا تھا تو میرے چہرے پر ایک بال کے سوا کچھ نہ تھا یعنی داڑھی کے بال نہ تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت سی داڑھیاں یعنی اولاد کثیر عطا کی۔ حضرت سعد کی بیٹی عائشہ کا کہنا ہے کہ میرے والد پست قد، فربہ بڑے سر والے تھے۔ ان کی انگلیاں موٹی تھیں۔ سر پر بال بہت تھے اور سیاہ خضاب لگاتے تھے۔

سعد سے مروی ہے کہ میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوا کہ موت دکھائی دینے لگی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو عیادت کی خاطر تشریف لائے۔ آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی۔ فرمایا تم مریض قلب ہو لہٰذا حارث بن کلاہ برادر ثقیف کے پاس آؤ۔ وہ ایسے آدمی ہیں جو طبابت کرتے ہیں۔ ان سے کہو کہ مدینہ کی

عجوہ کھجوروں میں سے سات کھجوریں مع گٹھلی کے پیس ڈالیں اور وہ تمہیں پلائیں۔

معصب بن سعد کا کہنا ہے کہ میرے والد کا سر قریب مرگ میری گود میں تھا۔ ان کی جدائی کے تصور سے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ اے فرزند تمہیں کیا چیز رلاتی ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کی وفات اس لئے کہ میں آپ کا بدل نہیں پاتا۔ انہوں نے کہا کہ میرے اوپر مت روؤ کیونکہ اللہ مجھے کبھی عذاب نہ دے گا۔ میں اہل جنت میں سے ہوں۔ اللہ مومنین کو ان حسنات کی جزا دیتا ہے جو انہوں نے اللہ کے لئے کیئے۔ کفار کے عذاب میں ان کے حسنات کی وجہ سے تخفیف کرتا ہے۔ جب حسنات ختم ہو جاتے ہیں تو پورا عذاب ہونے لگتا ہے۔ ہم عمل کرنے والے کو اس سے اپنے عمل کا اجر مانگنا چاہئے جس کیلئے اس نے عمل کیا ہے۔

مالک بن انس نے ایک سے زائد لوگوں کو کہتے سنا کہ سعد ابی وقاص کا انتقال عقیق کے مقام پر ہوا جہاں سے ان کی میت مدینے لائی گئی اور وہیں دفن ہوئے۔

عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب سعد بن ابی وقاص کی وفات ہوئی تو ازواج نبی ﷺ نے کہلا بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد سے گزاریں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور ازواج کے حجروں کے پاس جنازہ رکھا گیا۔ ازواج نے نماز جنازہ پڑھی پھر جنازہ القاعد کی جانب والے باب الجنائز سے نکالا گیا۔ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ لوگوں کو اعتراض کی جانب اس تیزی سے کس نے چلایا۔ واللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن البیضا کی مسجد میں نماز جنازہ ادا کی تھی۔

عائشہ بنت سعد سے مروی ہے کہ میرے والد کا مدینے سے دس میل دور واقع اپنے محل عقیق میں انتقال ہوا جہاں سے لوگ انہیں کندھوں پر مدینہ لائے اور گورنر مدینہ مروان بن الحکم نے نماز پڑھائی۔ یہ 55 ہجری کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ستر برس سے زائد تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراق سے معزول کیا تو ان سے آمدنی واخراجات کا حساب لیا۔ آمدنی کی نصف رقم بیت المال میں جمع کر دی گئی اور نصف حضرت سعد کو دے دی گئی۔ وفات سے کچھ دن پہلے آپ نے اپنے مال کی زکوۃ

مروان بن حکم کے پاس بھیج دی۔ آپ نے ترکے میں اڑھائی لاکھ درہم چھوڑے۔

عمیر بن ابی وقاص

مدینہ طیبہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے درمیان بھائی چارے قائم کیے تو حضرت سعد بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو عمرو بن معاذ کا بھائی قرار دیا۔ عمرو بن معاذ سعد بن معاذ کے بھائی تھے۔

عامر بن سعد نے اپنے والد سے روایت کی کہ قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب روانہ ہونے کے لئے ہم لوگوں کا معائنہ فرمائیں۔ میں نے اپنے بھائی عمیر رضی اللہ عنہ کو چھپتے دیکھا تو پوچھا۔ بھائی تمہیں کیا ہوا ہے کہ یوں چھپتے ہوئے چل رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ لیں گے تو بچہ سمجھ کر واپس کر دیں گے۔ میں جہاد کے لئے آپ لوگوں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں کہ شاید اللہ مجھے شہادت عطا فرما دے۔ ہم لوگوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بچے ہو لہٰذا واپس جاؤ۔ عمیر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے انہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ آپ بدر کی لڑائی میں شامل تھے اور خوب داد شجاعت دی۔ آخر شہادت کے منصب پر فائز ہوئے بوقت شہادت آپ کی عمر سولہ برس بتائی جاتی ہے۔ انہیں عمرو بن عبدود نے شہید کیا۔

نبی پاک ﷺ کے سسرال

خویلد بن اسد

خویلد بن اسد نبی پاک کی محبوب زوجہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے والد ہیں۔ خویلد قریشی ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب قصی پر جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔

نسب کے لحاظ سے تمام قریشی سسرال کی نسبت خویلد بن اسد کا خاندان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریب ہے۔ خویلد بن اسد کی اہلیہ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ بن جندب بن حجر بن معیص بن عامر بن لوئی ہے۔

حضرت خدیجہ کے والد خویلد بن اسد اپنے قبیلے میں بہت اعلیٰ حیثیت کے مالک تھے۔ انہوں نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا اور پھر اس میں اتنی محنت کی کہ مکہ میں جو اشیاء بیرونی علاقوں اور ممالک کی دکھائی دیتیں۔ ان میں سے اکثر خویلد بن اسد کے تجارتی کارواں کی لائی ہوئی ہوتیں۔ خویلد کو اپنے چچازاد بھائی کے لڑکے ورقہ بن نوفل سے بہت محبت تھی۔ ورقہ بن نوفل تھے بھی بہت نیک اور راست گو وہ اس دور جاہلیت میں بھی بتوں کی پرستش نہ کرتے بلکہ تورات وانجیل سے ہدایات اپنے سینے میں اتارتے خویلد بن اسد کی خواہش تھی کہ اپنی بیٹی خدیجہ کی شادی ورقہ بن نوفل سے کر دیں مگر کسی باعث یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

طبقات ابن سعد میں بیان کیا جاتا ہے کہ خویلد بن اسد عام الفیل سے 20 برس بعد

چھڑنے والی اس لڑائی میں قریش کے لشکر میں شامل تھے۔ جسے حرب فجار کہتے ہیں۔ خویلد اس لڑائی میں قتل ہوئے۔ خوید بن اسد جب قتل ہوئے تو اس وقت تک ان کا کاروبار بہت وسیع ہو چکا تھا۔ اس وسیع کاروبار کی دیکھ بھال ان کی بیٹی نے کرنا شروع کر دی۔ اس وقت تک حضرت خدیجہ کے دو نکاح ہو چکے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نکاح ہوا تو اس سے پہلے چونکہ والد فوت ہو چکے تھے لہٰذا آپ کے چچا عمرو بن اسد آپ کے ولی قرار پائے۔ آپ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے حضرت ابوطالب کے خطبہ کے بعد خطبہ نکاح پڑھا پھر آپ کے چچا عمرو بن اسد نے کہنا شروع کیا۔ اے قریش گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کے نکاح میں دے دیا۔‘‘

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان سے بنو ہاشم کی یہ پہلی رشتہ داری نہیں بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے ہوئی۔ جن سے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے والد ہیں اگرچہ ان کی بطور خلیفہ اور نبی پاک کے قریبی ساتھی کی حیثیت بھی کم قابل رشک نہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سسرالی تعلق نے ان کے مقام کو مزید بلندی عطا کی ہے۔ امام نووی کے مطابق آپ کا نام عبداللہ ہے بعض لوگ آپ کا نام عتیق بتاتے ہیں لیکن علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عتیق آپ کا نام نہیں بلکہ لقب ہے۔ عتیق کا مطلب آگ سے آزاد کئے ہوئے کے ہیں۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے شرف کے باعث آپ کو صدیق کا لقب بھی ملا۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔

عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی مرہ بن کعب پر آپ کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا نام سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب تھا اور ان کی کنیت ام الخیر تھی۔ آپ کی والدہ آپ کے والد ابوقحافہ کی چچازاد تھیں۔ (ابن عساکر)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک سے دو سال دو ماہ بعد مکہ میں ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پرورش اور نشوونما مکہ میں ہوئی۔ آپ تجارت اور کاروبار کے امور کے سلسلے میں ہی ہمیشہ مکہ سے نکلے۔ اس کے علاوہ آپ کبھی مکہ سے نہ نکلتے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے انتہائی امیر کبیر فرد تھے۔ آپ کی برادری میں مروت واحسان کے باعث آپ کو بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں قریش آپ سے مختلف امور میں مشورہ لیا کرتے۔ وہ لوگ آپ کو تمام معاملات میں بہت اہمیت دیتے۔ دوسری طرف آپ خود بھی ان کے معاملات میں دلچسپی لیتے تھے۔ حضرت ابن زبیر کی روایت کے مطابق آپ قریش کے ان گیارہ افراد میں سے ہیں جنہیں عہد جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں معزز اور بزرگ شمار کیا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ خون بہا اور دیت کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ قریش میں کوئی بادشاہ نہ تھا کہ اس قسم کے کاموں کا بندوبست کرے بلکہ ہر خاندان کا رئیس ایک کام کا ذمہ دار قرار دے دیا جاتا تھا۔ جس طرح بنو ہاشم حجاج کے امور کے منتظم تھے۔ اسی طرح خون بہا اور دیت کے احکام جاری کرنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کام تھا۔

ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ خدا کی قسم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ زمانہ جاہلیت میں کبھی کوئی شعر کہا اور نہ عہد اسلام میں۔ آپ نے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت ہی میں شراب ترک کر دی تھی۔ ایک شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حلیہ سے آگاہ فرمائیے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا رنگ سفید تھا۔ اکہرا بدن دونوں رخسار اندر کو دبے ہوئے تھے۔ پیٹ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ آپ کا ازار اکثر نیچے کھسک جاتا۔ پیشانی ہمیشہ عرق آلود رہتی چہرے پر زیادہ گوشت نہ تھا۔ نظریں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے۔ پیشانی بلند تھی۔ انگلیوں کی جڑیں گوشت سے خالی تھیں۔ آپ مہندی اور کسم کا خضاب لگایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی صحابی کے بال سفید اور سیاہ مخلوط یعنی کھچڑی نہ تھے چنانچہ آپ ان کھچڑی بالوں پر حنا اور کسم کا خضاب لگاتے۔

قبول اسلام

علامہ سیوطی کے مطابق ابن عساکر نے سعد بن ابی وقاص کی زبانی بیان کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ کیا واقعی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تو انہوں نے جواب دیا نہیں بلکہ ان سے

پہلے پانچ ہستیاں اسلام کی حقانیت اور قبولیت کا اعلان کر چکی تھیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا' آپ کے غلام زید رضی اللہ عنہ' زید کی زوجہ ام ایمن رضی اللہ عنہا' حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل۔

ابن عساکر عیسیٰ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کعبہ کے سامنے بیٹھا تھا اور زید بن عمرو بن نفیل کھڑا ہوا تھا کہ اس دوران امیہ بن ابی خلف میرے پاس آیا اور میری خیریت پوچھی۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہوں پھر اس نے دین حنیفہ کے بارے میں ایک شعر پڑھا اور مجھ سے پوچھا کہ جس نبی کا زمانے کو انتظار ہے کیا وہ ہمارے خاندان میں پیدا ہوں گے یا آپ کے خاندان میں؟ امیہ کے سوال پر میں خاموش رہا کیونکہ میں نے اب تک اس نبی کے متعلق کچھ نہیں سنا تھا کہ وہ کب مبعوث ہوں گے لہٰذا آسمانی کتابوں کا گہرا علم رکھنے والے عالم ورقہ بن نوفل کے پاس گیا۔ ورقہ کے منہ سے اکثر ایسا کلام نکلتا کہ کوئی اس کا مطلب نہ سمجھ پاتا۔ میں نے تمام واقعہ انہیں سنایا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے بھائی میں کتب آسمانی کا عالم ہوں اور ان علوم سے مجھے آگاہی ہے۔ یہ نبی ملک عرب کے وسط میں نسب کے لحاظ سے پیدا ہوں گے یعنی اس خاندان میں جو نسباً وسط عرب میں ہوگا اس میں پیدا ہوگا۔ میں نے کہا کہ وہ کیا تعلیم دیں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کی تعلیم یہی ہوگی کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو نہ کسی غیر پر اور نہ خود پر ظلم کرو۔ یہ سن کر میں واپس چلا آیا اور جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی میں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور آپ ﷺ کی تصدیق کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سابق الاسلام ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ نبوت کی نشانیاں پہلے ہی جانتے تھے لہٰذا جب آپ کو اسلام کی دعوت دی گئی تو آپ نے اسلام لانے میں سبقت کی۔ (بیہقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جب میں نے کسی کو اسلام کی دعوت دی تو اس کو تذبذب میں پایا اور اسے تردد ہوا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ جب میں نے اسلام پیش کیا

تو بغیر تذبذب کے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا آپ کے پاس چالیس ہزار دینار یا درہم موجود تھے۔ آپ نے یہ تمام مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر خرچ کر دیا۔ ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اس مال میں سے صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے۔ آپ نے یہ تمام مال 35 ہزار درہم مسلمانوں کے آزاد کرانے اور اسلام کی مدد میں خرچ کر ڈالا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ایسے مسلمانوں کو آزاد کرایا جن کے آقا صرف ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کو سخت اذیت دیتے تھے۔

ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا اور وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور وہ ایک ایسی قبا پہنے ہوئے تھے۔ جس کو انہوں نے اپنے سینہ پر کانٹوں سے اٹکایا ہوا تھا۔ یعنی تسموں کے بجائے اس میں کانٹے لگے ہوئے تھے) پس اس وقت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے فرمایا۔ اے نبی ﷺ آج ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قبا کو سینے پر کانٹوں سے کیوں اٹکائے ہوئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ انہوں نے اپنا تمام مال مجھ پر اسلام کی ترقی کے لئے خرچ کر دیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے ان پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ ان سے پوچھیں۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا تم مجھ سے اپنے اس فقر میں راضی ہو یا نہ خوش یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے رب سے ناخوش کس طرح ہو سکتا ہوں' میں تو اس سے راضی ہوں۔ خوش ہوں بہت خوش ہوں۔ بہت راضی ہوں۔ محدثین اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بحوالہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تحریر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ہر ایک کا احسان چکا دیا۔ سوائے ابوبکر کے احسان کے ان کا احسان اتنا عظیم ہے کہ اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی ان کو عطا فرمائے گا۔ مجھے اور کسی کے مال سے اتنا نفع نہیں پہنچا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے پہنچا۔ بزار نے بروایت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تحریر کیا ہے کہ ایک روز میں اپنے والد ابو قحافہ کے ساتھ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو (میرے بوڑھے والد کو دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے ضعیف والد کو (یہاں آنے کی) کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس آ جاتا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ آپ کا زحمت فرمانے کے بجائے ان کا آنا ہی ٹھیک ہے، اس پر ارشاد ہوا کہ ہمیں ان کے بیٹے یعنی (ابوبکر) کے احسانات یاد ہیں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے سے کہا کہ وہ دنیا کو پسند کر لے یا آخرت کو اختیار کرے سو اس بندے نے اپنے لئے آخرت کو پسند کرلیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اشکبار ہو گئے اور کہنے لگے کہ کاش یارسول اللہ ہم اپنے ماں باپ آپ پر قربان کر دیں۔ یہ کلمات سن کر ہم حاضرین کو تعجب ہوا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو محض ایک شخص کا ذکر فرما رہے تھے۔ جس کو یہ اختیار دیا گیا تھا اور اس میں حقیقت اور رمز یہ تھا کہ وہ صاحب اختیار خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ اس رمز کو فقط ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا علم ہی پا سکا۔ اسی ذکاوت فہم کے باعث وہ ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے۔

(بخاری و مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ مجھ پر ایمان لائے ان میں ابوبکر کی صحبت اور ان کا مال مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو دوست بنا سکتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دوست بناتا لیکن ان کی اخوت اسلامی مودت میرے دل میں باقی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام دروازوں کے بند کر دینے کے باوجود ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دروازہ لازماً کھلا رہے گا۔ (یہ امام نووی کا کلام ہے)

آپ سب سے زیادہ احکام رسالت سے آگاہ تھے چنانچہ بارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امورِ سنت میں آپ سے رجوع کیا ہے۔ آپ ایسی صورتوں میں ہمیشہ ان کے سامنے حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو بکثرت احادیث یاد تھیں اور بوقت ضرورت آپ انہیں ارشاد فرمادیا کرتے تھے اور آپ سے زیادہ حافظ احادیث اور کون ہو سکتا تھا کہ آغاز رسالت سے وصال مبارک تک آپ ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت

میں رہے۔ علاوہ ازیں آپ کی قوت حافظہ بھی بہت قوی تھی اور آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ ذکی اور ذی فہم تھے۔ حاکم نے ابن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے بنی مطلق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ آپ کے بعد ہم اپنے صدقات کس کے پاس بھیجیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس (بھیجنا) ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں جو آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ پھر آنا' انہوں نے کہا کہ اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہو تب آپ نے فرمایا کہ اگر تم آؤ اور مجھ کو نہ پاؤ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔ کہ میرے بعد وہی خلیفہ ہوں گے۔ مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اپنی علالت کے دوران فرمایا کہ تم اپنے والد اور بھائی کو بلا لو تا کہ میں کچھ انہیں لکھ کر دے دوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد کوئی خواستگار خلافت کھڑا ہو جائے پھر فرمایا رہنے دو' مت بلاؤ کیونکہ ابوبکر کو خلیفہ بنانے کا ہم کو حق ہے اور اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کو خلیفہ نہیں مانیں گے احمد اور دوسرے محدثین نے اسی حدیث کو ان الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا کہ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بلا لو تا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے ایک وصیت (دستاویز) لکھ دوں تا کہ میرے بعد ان پر کوئی اختلاف نہ کرے پھر فرمایا اچھا رہنے دو خدا نہ کرے کہ ابوبکر کے معاملہ میں مومنین اختلاف کریں۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ لوگو! ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ تا کہ وہ تم لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (امامت کریں) یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد بہت رقیق القلب ہیں جس وقت وہ مصلے پر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر وہی کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پھر فرمایا کہ جاؤ اور ابوبکر

رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور فرمایا یہ عورتیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی عورتیں ہیں' اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے (ان کو بلایا گیا) اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں نماز پڑھائی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اپنے عہد خلافت میں حج سے واپسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے فلاں شخص کہتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد میں فلاں شخص سے بیعت کرلوں گا۔ خبردار کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت چند آدمیوں نے اولاً بغیر سوچے سمجھے کرلی تھی اور ان سے بیعت اولاً اسی طرح ہوئی تھی مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خلافت کے سلسلہ میں ہونے والے فتنہ وفساد سے بچالیا تھا لیکن آج تم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی آدمی موجود نہیں کہ لوگ اس کو اپنا حاکم بنالیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم میں سب سے بہتر تھے۔ اصل واقعہ حقیقت میں کچھ یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر حضرت علی رضی اللہ عنہ' زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہوئے۔ ادھر سقیفہ بنوساعدہ میں انصار اکٹھے ہوئے۔ مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے یہ دیکھ کر میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے ساتھ ہمارے انصار بھائیوں کے پاس تشریف لے چلئے ہم ادھر روانہ ہوگئے۔ راستہ میں ہم کو دو صالح افراد ملے اور قوم کو جو مسئلہ درپیش تھا۔ اس پر گفتگو ہونے لگی۔ پھر انہوں نے ہم سے کہا کہ اے مہاجرین کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس جارہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ لوگ ان کے پاس نہ جائیں۔ آپ اپنا معاملہ خود نمٹالیں (طے کرلیں) مہاجرین میں ہی اس مسئلہ خلافت کو طے کرلیں۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم ان کے پاس ضرور جائیں گے۔ یہ کہہ کر ہم روانہ ہوئے جب ہم وہاں (سقیفہ بنوساعدہ)

پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ وہاں سب لوگ جمع ہیں اور ان کے درمیان ایک شخص چادر اوڑھے بیٹھا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے کہ اس طرح بیٹھے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ درد میں مبتلا ہیں۔ پس ہم بھی اس مجلس میں جا کر بیٹھ گئے۔ اب ان میں سے ایک مقرر اُٹھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اس نے کہا کہ ہم انصار اللہ ہیں اور ہم اسلام کا لشکر ہیں۔ اے گروہ مہاجرین (تم) چند نفوس ہو۔ اس کے باوجود تمہارا ارادہ ہے کہ تم ہماری جڑیں کاٹ دو اور ہمیں نکال باہر کرو اور خلافت سے ہمارا کچھ واسطہ ہی نہ رکھو۔ جب وہ تقریر کر کے خاموش ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ میں کچھ تقریر کروں۔ تقریر کا مضمون میرے ذہن میں تھا چنانچہ میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے تقریر کرنے کی اجازت چاہی کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ نرمی سے گفتگو کرنے والے اور ہم میں سب سے زیادہ حلیم اور زیادہ بلند مرتبہ تھے۔ لیکن انہوں نے مجھے تقریر کرنے سے روک دیا اور میں ان کی ناراضگی اور وقار علمی کے باعث تقریر کرنے پر مصر نہیں ہوا۔ خدا کی قسم میں نے جو کچھ اپنے ذہن میں تقریر کے اہم نکتے سوچے تھے وہ تمام کے تمام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ طور پر کہہ دیئے بلکہ اس سے بڑھ کر تقریر کی۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا کی حمد و ثناء اور نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد! اے انصار یو تم نے جو کچھ اپنے فضل و خیر کے بارے میں کہا ہے کہ تم واقعی اس کے اہل ہو۔ میں تمام عربوں کی بہ نسبت اس بات کو زیادہ جانتا ہوں اور اس بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ قریش نسب میں اوسط العرب اور سکونت کے لحاظ سے بھی وسط عرب کے باشندے ہیں لہٰذا خلافت خاص قریش ہی کا حق ہو سکتا ہے پھر میرا اور ابو عبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر آپ نے فرمایا کہ تم ان میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو میں تم سے خوش ہوں۔ (مجھے یہ بات پسند ہوئی کہ ان میں سے کسی سے بیعت کر لو) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریر میں جو کچھ فرمایا میں اس سے بالکل متفق تھا لیکن جب آپ نے بیعت خلافت کے لئے میرا نام پیش کیا تو مجھے ناگوار گزرا۔ خدا کی قسم میری گردن اگر ماری جاتی تو مجھے اتنا ناگوار نہ معلوم ہوتا بہ نسبت اس کے کہ میں اس قوم پر حکمرانی کروں جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے شخص موجود ہوں۔ اتنے میں ایک انصاری نے کہا کہ ہم وہ ہیں کہ قریش (ہماری بہادری و

جرأت کے باعث) ہم پر بھروسہ کرتے ہیں اور ہم سے نفع اندوز ہوتے ہیں (یعنی ہم بھی قریش سے کم نہیں ہیں) پس بہتر یہ ہے کہ اے قریش ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک قریش سے اس پر شور و غوغا ہوا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں فساد نہ ہو جائے چنانچہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میں نے سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر میرے بعد تمام (موجود) مہاجرین نے بیعت خلافت کی اور مہاجرین کے بعد انصار نے خدا کی قسم اس وقت خلافت کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ موزوں اور بہتر کوئی شخص نہ تھا جس کی بیعت کی جاتی۔ علاوہ ازیں یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ بغیر بیعت کے یہ مجلس برخاست نہ ہو کہ اس نازک وقت پر مسلمانوں میں ایک امیر و حاکم کی شدید ضرورت تھی اگر ہماری عدم موجودگی میں (سقیفہ بن ساعدہ میں) کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جاتی تو پھر بھی اپنی مرضی کے خلاف اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے تاکہ کسی قسم کا فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔

مانعین زکوٰۃ پر خروج

ذہبی کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر جب چاروں طرف عام ہوئی تو عرب کے بہت قبیلے مرتد ہو گئے اور ادائیگی زکوٰۃ سے گریز کرنے لگے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کا ارادہ کیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مشورہ دیا کہ اس وقت ان سے جنگ کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ ایک رسی یا ایک بکری کا بچہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زکوٰۃ دیا کرتے تھے اور اب اس کے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے قتال کروں گا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ لوگوں سے قتال کس طرح کریں گے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما چکے ہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں (ایمان نہ لائیں) اور جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا (ایمان قبول کر لیا) اس کا مال اور اس کی جان اور اس کا خون بہانا مجھ پر منع کر دیا گیا ہے۔ اس کا مال اس کی جان اور اس کا خون محفوظ ہو گیا۔) سوائے ادائے حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ (وہی

اس کا حساب لے گا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب یہ حکم موجود ہے تو پھر ان سے کس طرح لڑ سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ میں ان سے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق سمجھنے میں لڑوں گا' وہ کہتے ہیں نماز ادا کریں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے زکوٰۃ بھی بیت المال کا حق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ حق پر جنگ کی جائے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو اس جنگ کے لئے آگاہ کر دیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگ کیلئے مدینہ منورہ سے روانگی

عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ مہاجرین وانصار کو لے کر مدینہ منورہ سے باہر نکلے اور جب علاقہ نجد کی سطح مرتفع پر پہنچے تو مرتدین بھاگ کھڑے ہوئے اس موقع پر چند اصحاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب مدینہ اور اہل وعیال میں آپ کی مراجعت مناسب ہے البتہ یہاں کسی کو امیر عسکر مقرر فرما دیجئے اور اہل لشکر ان مرتدین کے واپس آنے تک یہاں سے نہ ہٹیں۔ آپ نے خالد بن ولید کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور ان سے کہہ دیا کہ اگر وہ اسلام لے آئیں اور زکوٰۃ ادا کر دیں تو تم میں سے بھی جو واپس آنا چاہے' وہ لوٹ آئے' یہ انتظام فرما کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

دار قطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جہاد کے ارادے سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ' کہاں کا ارادہ ہے؟ میں بھی آپ سے وہی کہنا چاہتا ہوں جو جنگ احد میں آپ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ "تلوار نیام میں کر لیجئے اب آپ خود کو مصائب میں گرفتار نہ کر دیں اور مدینہ واپس لوٹ چلیں۔ خدانخواستہ اگر آپ کو گزند پہنچ گیا تو پھر خدا کی قسم اسلام بھی باقی نہ رہے گا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وفات

اسی سال رمضان کے مہینے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(سیدۃ النساء) کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر صرف **24** سال تھی۔ ذہبی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب آپ ہی سے جاری ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا اس سے قبل انتقال ہو چکا تھا۔ زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ انتقال سے ایک ماہ پہلے ام ایمن نے وفات پائی اور ماہ شوال میں عبداللہ بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

مسیلمہ کذاب (مدعی نبوت) کا قتل

حضرت خالد بن ولید اسی سال کے آخر میں اپنے لشکر کے ساتھ مسیلمہ کذاب کے قتل کے لئے یمامہ پہنچے۔ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا پھر چند روز کیلئے مسیلمہ کذاب کا لشکر قلعہ بند ہوگیا۔ آخر کار مسیلمہ کذاب' قاتل امیر حمزہ رضی اللہ عنہ یعنی وحشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس جنگ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ' حضرت سالم غلام ابوحذیفہ' حضرت شجاع بن وہب' حضرت زید بن خطاب' حضرت عبداللہ سہل' حضرت مالک بن عمرو' حضرت طفیل ابن عمرو دوسی' حضرت یزید بن قیس' حضرت عامر بن بکر' حضرت عبداللہ بن مخرمہ' حضرت سائب بن عثمان بن مطعون' حضرت عباد بن بشر' حضرت معن بن عدی' حضرت ثابت بن قیس بن شماس' حضرت ابودجانہ حضرت سماک بن حربہ' (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور دیگر کل ستر حضرات شریک تھے۔

قتل کے وقت مسیلمہ کذاب کی عمر **150** سال تھی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی ولادت سے قبل پیدا ہوا تھا۔ (ان سے بھی بڑا تھا)

فتنہ ارتداد کا انسداد

12 ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے علاء بن الحضرمی کو بحرین کی طرف روانہ کیا کیونکہ وہاں ارتداد کے فتنے نے سر اٹھالیا تھا جواثی کے مقام پر ان مرتدوں سے اسلام کے لشکر کا مقابلہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مظفر و منصور فرمایا۔ اسی سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل کو عمان کی طرف بھیجا وہاں بھی ارتداد پھیل گیا تھا۔ مہاجرین ابی امیر کی جماعت کو آپ نے اہل نجیر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ اس فتنہ کی روک تھام

کریں۔ حضرت زیاد بن عبید انصاری کی سرکردگی میں بھی ایک جماعت کو آپ نے مرتدوں کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ اسی سال 12 ہجری میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر ابوالعاص بن ربیع کا انتقال ہوا اور مصعب بن حبابۃ اللیثی اور ابومرثد غنوی (اصحاب رسول اللہ) نے بھی وفات پائی۔

مرتدین کی سرکوبی اور ان کے فتنے کے انسداد کے بعد حضرت ابوبکر صدیق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بصرہ کی طرف روانہ فرمایا۔ انہوں نے نبرد آزمائی کے بعد (مشہور شہر) ایلہ فتح کر لیا۔ پھر اسی سال کچھ عرصہ صلح اور پھر جنگ کے بعد عراق کے مشہور شہر مدائن کسریٰ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اسی سال 12 ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج بیت اللہ ادا فرمایا اور وہاں سے واپسی کے بعد حضرت عمرو بن العاص کو امیر لشکر بنا کر شام کی طرف بھیجا۔ ملک شام میں پہلا معرکہ 13 ہجری میں اجنادین میں گرم ہوا۔ یہاں بھی فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس فتح کی خوشخبری اس وقت پہنچی جب کہ آپ حالت نزع میں تھے۔ اجنادین کی جنگ جمادی الاولیٰ 13 ہجری میں ہوئی۔ جنگ اجنادین میں عکرمہ بن ابوجہل، ہشام بن عاص اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ اسی سال جنگ مرج الصفر بھی ہوئی اور اس جنگ میں بھی مشرکوں نے شکست کھائی۔ جنگ مرج الصفر میں دوسرے حضرات کے علاوہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔

جمع قرآن کا کارنامہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے زید تم جوان اور دانشمند آدمی ہو اور تم کسی بات میں اب تک متہم بھی نہیں ہوئے ہو۔ تم ثقہ ہو علاوہ ازیں تم کاتب وحی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہو لہٰذا تم تلاش و جستجو سے قرآن شریف ایک جگہ جمع کر دو۔ حضرت زید کہتے ہیں کہ یہ بہت ہی عظیم کام تھا۔ مجھ پر بہت ہی شاق تھا، اگر خلیفہ رسول مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیتے تو میں اس کو بھی اس کام کے مقابلہ میں ہلکا سمجھتا۔ لہٰذا میں نے عرض کیا۔

کہ آپ دونوں حضرات وہ کام کس طرح کریں گے جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میرا یہ جواب سن کر یہی فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ مجھے پھر بھی تامل رہا کہ میں خود کو ایک عظیم کام کے انجام دینے کا اہل نہیں سمجھتا تھا) اور میں نے اس پر اصرار کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا بھی سینہ کھول دیا۔ (شرح صدر فرمایا) اور اس امر عظیم کی اہمیت مجھ پر بھی واضح ہوگئی۔ پھر میں نے تلاش کا کام جاری کیا اور کاغذ کے پرزوں' اونٹ اور بکریوں کی ہڈیوں اور درختوں کے پتوں کو جن پر آیات قرآنی تحریر تھیں' اکٹھا کیا۔ اور پھر لوگوں کے حافظے کی مدد سے قرآن شریف کو جمع کیا۔ سورۃ توبہ کی دو آیتیں لقد جاء کم رسول من انفسکم مجھے حزیمہ بن ثابت کے سوا کہیں اور سے نہیں مل سکیں۔ اس طرح میں نے قرآن پاک جمع کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہا اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور ان کی وفات پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (ام المومنین) بنت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ طبرانی نے اپنی مسند میں حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ دیکھو یہ اونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے ہیں اور یہ بڑا پیالہ جس میں کھاتے پیتے ہیں اور یہ چادر جو میں اوڑھے ہوئے ہوں۔ یہ سب بیت المال سے لیا گیا ہے۔ ہم ان سے اسی وقت تک نفع اندوز ہو سکتے تھے جب تک میں مسلمانوں کے امور خلافت انجام دیتا تھا۔ جس وقت میں مر جاؤں تو یہ سامان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دینا۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ تمام چیزیں ان کے ارشاد کے مطابق) واپس کر دیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ و حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آپ کی موت کا ظاہری سبب یہ تھا کہ آپ کے پاس کسی نے تحفتہً خزیرہ (قیمہ میں جس میں دلیہ پڑا ہو) بھیجا تھا۔ آپ اور حارث بن کلدہ دونوں کھانے میں شریک تھے۔ (کھانا کھا رہے تھے)

حارث نے کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ ہاتھ روک لیجئے (اسے نہ کھائیے) کہ اس میں زہر ہے اور یہ وہ زہر ہے جس کا اثر ایک سال میں نمایاں ہوتا ہے۔ آپ دیکھ لیجئے گا کہ ایک سال کے اندر اندر میں اور آپ ایک ہی دن مر جائیں گے۔ یہ سن کر آپ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا لیکن زہر اپنا کام کر چکا تھا اور یہ دونوں اس دن سے بیمار رہنے لگے اور ایک سال گزرنے کے بعد (اسی زہر کے اثر سے) ایک ہی دن میں انتقال کر گئے۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کیا ہے کہ والد محترم کی علالت کی ابتداء اس طرح سے ہوئی کہ آپ نے جمادی الاخر بروز دوشنبہ غسل فرمایا۔ اس روز بہت سردی تھی۔ پس آپ کو بخار ہو گیا اور پندرہ روز تک آپ علیل رہے۔ اس عرصہ میں آپ نماز کیلئے بھی تشریف نہ لا سکے۔ آخر کار اس بخار کے باعث 63 سال کی عمر میں شب شنبہ 22 جمادی الثانی 13 ہجری کو آپ نے انتقال فرمایا۔

وصیت نامہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یہ وصیت نامہ ہے جو ابو بکر بن ابی قحافہ نے اپنے آخری عہد میں دنیا سے جاتے وقت اور عہد آخرت کے آغاز میں عالم بالا میں داخل ہوتے وقت لکھایا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب کہ ایک کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور ایک جھوٹا بھی سچ بولتا ہے اور ایک فاجر و فاسق بھی نور یقین حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ لوگو میں نے اپنے بعد تمہارے اوپر عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ ان کے احکام کو سننا اور ان کی تعمیل کرنا میں نے حتی المقدور خدا اور اس کے رسول اور دین اسلام' اپنے نفس کی اور تمہاری خدمت کی ہے اور جہاں تک ممکن تھا تمہاری بھلائی اور بہتری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) انصاف سے کام لیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو میرے ظن و خیال کے مطابق ہوگا اور وہ بدل جائیں تو ہر شخص اپنے کئے کا جواب دہ ہوگا۔ البتہ میں نے تمہارے لئے نیکی اور بھلائی کا قصد کیا ہے۔ مجھے غیب کا علم نہیں۔ ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

زمعہ بن قیس

زمعہ بن قیس ام المومنین حضرت سودہ کے والد ہیں۔ آپ قریش کے مشہور قبیلہ عامر بن لوئی سے تھے۔ زمعہ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عار بن لوئی۔

زمعہ کی اہلیہ کا نام الشموس تھا اور وہ قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار کی بیٹی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ساس حضرت عبد المطلب کی والدہ سلمٰی، بنت عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی یعنی بھتیجی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بچیوں کی دیکھ بھال اور پرورش میں دشواری کا سامنا ہونے لگا تو صحابی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت خولہ بن حکیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور انہیں سکران رضی اللہ عنہ کی بیوہ حضرت سودہ بارے بتایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے بعد خولہ سودہ کے والد زمعہ کے پاس گئیں۔ وہ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پیغام پر مرحبا کہا اور بولے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریم کفو ہیں۔ حضرت سودہ کی رضامندی کے بعد ان کے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔ خود نکاح پڑھایا اور چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔

نکاح کے وقت حضرت سودہ کے بھائی عبد اللہ بن زمعہ کہیں گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر جب انہیں نکاح کی خبر ہوئی تو وہ افسوس سے سر میں خاک ڈالنے لگے۔ یہ حرکت اس لئے کی کہ اس وقت تک عبد اللہ ایمان نہیں لائے تھے تاہم ایمان کی دولت سے جھولی بھرنے کے بعد یہی عبد اللہ فخر سے کہتے تھے کہ رسول اللہ ان کے بہنوئی ہیں۔

خزیمہ بن حارث

خزیمہ بن الحارث ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ کے والد ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمناف بن ہلال بن عامر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خفصہ بن خیس بن عیلان الھلالی

خزیمہ بن حارث کے بیٹے اور حضرت زینب کے بھائی حضرت ابن ابی خثیمہ تھے۔

ابی امیہ سہیل بن المغیر ہ

سہیل بن المغیر ہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے باپ ہیں۔ سہیل بن المغیر ہ بنومخزوم کے معزز فرد تھے جو قریش کا مشہور خاندان تھا۔ سہیل بن المغیر ہ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔" ابی امیہ سہیل بن المغیر ہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سہیل بن المغیر ہ کی زوجہ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ساس کا نام عاتکہ بنت عامر ہے اور ان کا تعلق بنوفراس سے ہے۔ ابو امیہ سہیل مکہ کے مشہور مخیرؔ اور سخی تھے۔ ابوامیہ کے بارے مشہور ہے کہ یہ جب کبھی سفر کرتے تو اگر قافلے کے ساتھ ہوتے تو تمام قافلے والوں کا خرچ جو راستے میں آتا خود اُٹھاتے۔ ابوامیہ چندلوگوں کے ساتھ سفر میں بھی اپنے ہمراہیوں کی کفالت کرتے۔ ابوامیہ صاحب ثروت آدمی تھے۔ ان کی سخاوت کے باعث لوگوں نے انہیں" زادالراکب" کا لقب دے رکھا تھا۔ ابوامیہ کی لاڈلی بیٹی ہند جن کی کنیت ام سلمیٰ تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن عبدالاسد سے بیاہی گئی تھیں۔ عبداللہ ابوسلمہ کی کنیت سے مشہور ہیں۔ دونوں نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو ام سلمہ کے گھر والوں نے انہیں روک لیا اور ابوسلمہ اکیلے مدینہ پہنچے۔ اب ام سلمہ کی گود میں جو بچہ تھا اسے اس کے دودھیال والے لے گئے۔ تو ام سلمیٰ راستے پر بیٹھ کر روتی رہتیں۔ آخر ان کے گھر والوں کو رحم آ گیا۔ انہوں نے ابوسلمہ کے خاندان سے بچہ لاکر انہیں دیا اور مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ راستے میں حضرت ام سلمہ جب لوگوں کو بتاتیں کہ وہ مشہور سخی ابوامیہ کی بیٹی ہیں تو لوگ حیران رہ جاتے کہ اتنے امیر اور سخی آدمی کی بیٹی اکیلے سفر کر رہی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ

عنہا نے مدینہ پہنچ کر جب اپنے والد کو اپنی خیریت کا رقعہ حج کے لئے جانے والوں کے ہاتھ بھیجا تو لوگوں کو پھر یقین آیا کہ آپ ابوامیہ کی بیٹی ہیں۔

مشہور صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ام سلمہ کے رضاعی بھائی ہیں بعض روایتوں کے مطابق عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ام سلمہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ ابوامیہ سہیل کے فرزند عبداللہ بن سہیل کے بیٹے مصعب بن عبداللہ ﷫ نے ام سلمٰی رضی اللہ عنہا سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔

جحش بن رئاب

جحش بن رئاب ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔ آپ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ کے فرزند تھے۔ ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ

جحش بن رئاب کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ سے ہوا۔ اس طرح سسر کے علاوہ جحش بن رئاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھا بھی تھے۔ محمد ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ امیمہ اسلام نہیں لائی تھیں جبکہ ابن سعد کا کہنا ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی تھیں۔ جحش بن رئاب کے دو بیٹوں عبداللہ بن جحش اور عبید اللہ بن جحش نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے ہاں اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارث ﷺ کا پیغام بھیجا تو حضرت زینب اور ان کے بھائی نے انکار کر دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیت نازل کی کہ

''کسی مومن اور مومنہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔''

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زینب ﷺ اور ان کے بھائی عبداللہ نے رضامندی ظاہر کر دی تاہم طبیعت میں موافقت پیدا نہ ہونے کے باعث آخر زید بن حارث رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نکاح میں لے لیا۔

جحش بن رئاب کے ایک بیٹے ابو احمد بن جحش کا ذکر بھی ملتا ہے کہ انہوں نے آسمانی نکاح کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ظاہری نکاح پڑھایا۔ ممکن ہے کہ ابو احمد عبداللہ یا عبید اللہ میں سے ہی کسی ایک کی کنیت ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو حفص ہے۔ آپ کو دربارِ رسالت سے جو لقب حاصل ہوا وہ فاروق ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

عمر بن خطاب بن عبد العزیٰ بن ریاح بن قیراط بن عدی بن کعب بن لوی آپ چونکہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

ابرار طبرانی رحمۃ اللہ علیہ' ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی نے بحوالہ مسلم لکھا ہے کہ ہم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قبول اسلام کا واقعہ اس طرح خود فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ میں مکہ کی ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ ایک آدمی مجھے ملا اور مجھ سے کہا کہ اے عمر بڑی حیرانی کی بات ہے کہ تم تو بہت کچھ سمجھتے ہو اور تمہارے گھر وہ کام ہو جائے جس کی تم کو خبر تک نہ ہو۔ میں نے اس آدمی سے پوچھا کہ ایسی کون سی وہ بات ہے جس کو عمر نہیں جانتا۔ اس شخص نے کہا کہ تمہاری بہن تو مسلمان ہو گئی ہے۔ یہ سننا ہی تھا کہ میں غصے کے عالم میں واپس پلٹا اور سیدھا بہن کے گھر کی طرف چل پڑا اور اپنی بہن کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی۔ کون ہے میں نے کہا عمر ہوں۔ اندر جو افراد تھے گھبرا گئے اور مجھ سے خوفزدہ ہو گئے اور وہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ جلدی میں وہ کتاب اٹھانا بھول گئے اور وہ باہر ہی پڑی رہ گئی۔ میری بہن نے دروازہ کھولا اسے دیکھتے ہی میں نے کہا کہ

اے دشمن جاں! تو کیوں بے ایمان ہوگئی اور بھی میں نے سخت زبان استعمال کی اور غصے کے عالم میں اپنی بہن کو ڈانٹا اور کہا کہ تو دین سے ہٹ گئی۔ کچھ مؤرخین تو کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں ڈنڈا اور کچھ کے نزدیک ہاتھ میں تلوار تھی جو انہوں نے اپنی بہن کے سر میں ماری اور سر سے خون جاری ہوگیا۔ (تلوار سے مراد تلوار کا دستہ ہوسکتا ہے۔) بہن نے رو کر مجھ سے کہا کہ عمر! میں بے دین ہوگئی یا جو کچھ بھی ہوگئی جو کچھ میری سمجھ میں آیا وہ میں نے کرلیا۔ یہ سن کر میں اندر گیا اور تخت پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہاں پر میں نے ایک کتاب رکھی ہوئی دیکھی میں نے بہن سے کہا کہ یہ کیا ہے۔ میرے پاس لاؤ۔ بہن نے جواب دیا کہ تم اس کو ہاتھ لگانے کے اہل نہیں۔ اس کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ میں نے اصرار کیا۔ وہ اصرار پر مجبور ہو کر وہ کتاب میرے پاس لے آئی۔ میں نے اس کتاب کو کھولا تو شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی ہیبت سے میں کانپ گیا اور وہ مقدس کتاب (ہیبت کے باعث) میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی جب کچھ دیر کے بعد میرے اوسان بحال ہوئے تو میں نے پھر اسے اُٹھا کر پڑھا۔ اس مرتبہ میری نظر اس آیت پر پہنچی۔ سبع اللہ ما فی السموٰت والارض (جو کچھ زمین وآسمان میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں) مجھ پر لرزا طاری ہوگیا۔ تیسری بار جب میں نے اسے پڑھا اور جب میں اس آیت پر پہنچا۔ آمنو باللہ ورسولہ (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار میری زبان سے نکلا۔ اشھدان لا الہ الا اللہ یہ سن کر تمام لوگ جو گھر میں موجود تھے۔ سب میری طرف دوڑے سب نے زور سے تکبیر کہی اور مجھے مبارکباد دی۔ پیر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی دعا فرما چکے تھے کہ اے اللہ رب العالمین اپنے دین کے ان دو دشمنوں ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے جسے تو چاہے اس کے ذریعے اپنے دین کو غلبہ عطا فرما۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کوہ صفا کی وادی کے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ لوگ مجھے وہاں لے گئے۔ میں نے وہاں جا کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں عمر ہوں چونکہ سارے لوگ میری دشمنی اور عداوت سے واقف تھے۔ میرا نام سن کر کسی نے دروازہ کھولنے کی ہمت نہ کی یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دروازہ کھول دو۔

لوگوں نے دروازہ کھول دیا اور دو افراد نے میرے بازو پکڑ لیئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ آپ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو پھر آپ نے میرا دامن پکڑا اور مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا کہ عمر مسلمان ہو جاؤ۔ الٰہی عمر کو ہدایت دے۔ میں نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمانوں نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مکہ کی گلیوں میں اس تکبیر کی آواز پہنچی۔ لوگ ڈر گئے اور مجھ سے مار پیٹ کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ جب میں باہر نکلا تو کچھ دھینگا مشتی ضرور ہوئی لیکن میں چوٹ سے محفوظ رہا۔ یہاں سے میں اپنے ماموں ابوجہل بن ہشام کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ ہوں اور میں نے تیرا دین چھوڑ دیا ہے۔ اس نے کہا کہ عمر ایسا مت کرنا اور پھر خوف کے باعث اندر سے دروازہ بند کر لیا اور میں اسی طرح باہر کھڑا رہا۔ میں نے اس سے کہا کہ ان باتوں کا کیا فائدہ؟

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ ذکوان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام فاروق کس نے رکھا۔ آپ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے' ابن ماجہ و حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسمان والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ابن سعد اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا گویا اسلام کی فتح تھی۔ آپ کی ہجرت نصرت تھی اور آپ کی امامت رحمت تھی۔ ہم میں یہ ہمت و طاقت نہ تھی کہ ہم بیت اللہ شریف میں نماز پڑھ سکیں لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے مشرکین سے اس قدر جلال و قتال کیا کہ عاجز آ کر انہوں نے ہمارا پیچھا چھوڑ دیا اور ہم بیت اللہ شریف میں (اطمینان سے) نماز پڑھنے لگے۔

طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ جس نے سب سے اول اپنا اسلام علی الاعلان ظاہر کیا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے

صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ تب اسلام ظاہر ہوا (ورنہ لوگ اپنا اسلام لانا ظاہر نہ کرتے تھے) اسلام کی طرف لوگوں کو کھلم کھلا بلایا جانے لگا اور ہم کعبہ کے گرد بیٹھنے' طواف کرنے' مشرکین سے بدلہ لینے اور ان کا جواب دینے لگے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اے عمر رضی اللہ عنہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جس راستے سے تم گزرو گے اس راستے سے شیطان نہیں گزرے گا بلکہ وہ دوسرے راستے سے جائے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص جس سے خداوند عزوجل سب سے اول مصافحہ فرمائے گا اور سلام بھیجے گا اور ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرے گا وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا جس پر ڈول پڑا ہوا تھا چنانچہ میں نے کنویں سے کئی ڈول کھینچے۔ پھر بھرا ہوا ایک یا دو ڈول ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھینچے لیکن اس کام میں انہوں نے کچھ ضعف محسوس کیا (اللہ ان پر اپنا کرم فرمائے) پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کئی ڈول کھینچے اور اس طرح کھینچے کہ کسی جوان مرد کو میں نے اس طرح ڈول کھینچتے نہیں دیکھا پھر چاروں طرف سے پیاسے لوگ آئے اور خوب سیراب ہوئے۔ امام نووی تہذیب میں یوں لکھتے ہیں کہ علمائے کرام کے خیال میں اس حدیث کا اشارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف ہے اور اس امر کا اظہار ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بکثرت فتوحات ہوں گی اور اسلام بہت زیادہ پھیلے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ سراپا خیر تھے اور پھر ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال اس پرندے کی ہے۔ جس کو دیکھ کر یہ آرزو ہوتی ہے کہ میں کسی نہ کسی طرح اس کو اپنے دامن میں لے لوں پھر آپ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواباً ارشاد

کیا کہ ارادے کی پختگی، ہوشمندی علم، دلیری اور مردانگی سے آپ بھرپور تھے۔ (آپ کے اندر یہ اوصاف بتمام وکمال موجود تھے۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و بزرگی چار باتوں سے ظاہر ہے۔ اول اسیران بدر کے سلسلہ میں قتل کا حکم دیا گیا اور **لولا کتب من اللہ سبق الخ** نازل ہوئی (جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید ہوئی) دوم آپ نے ازواج مطہرات کے پردے کے سلسلے میں فرمایا اور اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے عمر بن خطاب تم ہم پر اپنا حکم نافذ دیکھنا چاہتے ہو حالانکہ وحی تو ہمارے گھر میں اترتی ہے۔ چنانچہ امہات المومنین کے پردے کے بارے میں آیات نازل ہوگئیں۔ سوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق دعا فرمائی کہ الٰہی عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمان بنا کر اسلام کا غلبہ عطا فرما۔

چہارم: آپ کا سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کرنا'

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں ذکر کیا کرتے تھے کہ شیاطین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مقید رہے اور آپ کے بعد آزاد ہو کر ہر طرف پھیل گئے۔

ابن مردویہ نے میمون بن ہران کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک آپ نے خطبہ کے دوران فرمایا "اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہٹ جس شخص نے بھیڑیے کی حفاظت کی۔ اس نے ظلم کیا۔" لوگ دوران خطبہ آپ کی یہ بات سن کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس وقت جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کا پتہ لگ جائے گا چنانچہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے سوال کیا کہ آپ نے کیا فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ ہمارے بھائی کافروں کے ہاتھ سے شکست کھا گئے ہیں اور اس وقت وہ پہاڑ کی طرف سے گزر رہے ہیں۔ اگر وہ یہاں سے پلٹے تو ایک ایک مسلمان شہید ہو جائے گا اور اگر آگے بڑھے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ لہٰذا میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے (کہ اس طرح ان کی سلامتی ہے) ایک مہینے کے بعد قاصد جب فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو اس نے کہا کہ ہم نے لشکر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی اور ہم پہاڑ کی طرف ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح عطا فرما دی۔

ابو قاسم بن بشران نے فوائد میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے دریافت کیا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا جمرہ (چنگاری) آپ نے دریافت فرمایا اور باپ کا نام اس نے کہا کہ شہاب (شعلہ) آپ نے اس کے قبیلے کا نام دریافت کیا۔ اس نے حرقہ (آگ) بتایا۔ آپ نے اس کا وطن دریافت کیا۔ اس نے بتایا حدہ (گرمی) آپ نے کہا کہ وہ کہاں واقع ہے۔ اس نے کہا کہ لظی (شعلہ) میں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اپنے اہل وعیال کی جلد خبر لو وہ تو جل مرے۔ وہ شخص اپنے گھر گیا تو واقعی اس کے گھر کو آگ لگ چکی تھی اور سب کے سب جل مرے تھے۔ مالکؒ نے موطا میں بھی اس طرح روایت کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دریائے نیل کے نام خط

ابوالشیخ قیس ابن حجاج سے روایت کرتے ہیں کہ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو بہت سے لوگ حضرت عمرو بن العاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہماری کھیتی باڑی کا دارومدار دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو ایک قدیم (ٹوٹکے) طریقے کے بغیر اس میں پانی نہیں بڑھتا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ قدیم طریقہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب چاند کی گیارہ تاریخ آتی ہے تو ہم ایک کنواری لڑکی کا انتخاب کر کے اس کے والدین کی رضامندی سے اسے اعلیٰ درجے کے کپڑے اور زیورات پہناتے ہیں اور پھر اس کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ (پس اس مرتبہ بھی دریا میں پانی نہیں ہے ہمیں بھینٹ چڑھانے کی اجازت دی جائے) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تمام لغو اور بے سروپا باتیں ہیں اسلام تو ان تمام باطل باتوں اور واہموں کو مٹانے آیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اجازت نہ دی اور دریائے نیل بالکل خشک ہو گیا۔ بہت سے لوگ ترک وطن پر آمادہ ہو گئے چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تمام واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ خط پڑھا تو آپ نے ان کو جواب میں لکھا کہ تم نے مصریوں کو بہت اچھا جواب دیا۔ اسلام ان تمام لغو باتوں کو مٹانے آیا ہے' میں اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ ملفوف کر رہا ہوں اس کو دریائے

نیل میں ڈال دینا۔

جب حضرت عمرو بن العاص کے پاس وہ خط آیا تو آپ نے اس رقعہ کو پڑھا۔اس میں لکھا تھا کہ:

''اللہ تعالیٰ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے دریائے نیل کو معلوم ہو کہ اگر تو خود بخود جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو' اور اگر تجھے اللہ تبارک وتعالیٰ جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد وقہار ہی سے استدعا کرتا ہوں کہ تجھے جاری کر دے۔'' حضرت عمرو بن العاص نے اس رقعہ کو صلیب ستارہ کے طلوع ہونے سے پہلے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ جب اہل مصر صبح خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح جاری کر دیا ہے کہ معمول سے سولہ گز پانی زیادہ چڑھ گیا ہے اور اسی دن سے اہل مصر میں مذموم اور جاہلانہ رسم بھی ختم ہوگئی۔

گورنروں کیلئے شرائط نامہ

حذیفہ بن ثابت کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو والی مقرر فرماتے تو یہ شرائط رکھتے اور ان شرائط کو ضبط تحریر میں لے آتے تھے کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو۔ اعلیٰ درجہ کی خوراک نہ کھائے۔ باریک (ریشمی) کپڑا نہ پہنے گا' اہل حاجات کیلئے اپنے دروازے بند نہ کرے گا۔ اگر ایسا کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا۔ (آپ والیوں کو بھی احکام کی خلاف ورزی کی سزا دیتے تھے۔)

اولاد کا مشورہ قبول کرنے سے انکار

عکرمہ بن خالد کہتے ہیں کہ آپ کی صاحبزادی ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا اور صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک روز عرض کیا کہ اگر آپ عمدہ غذا کھائیں تو امور خلافت اور زیادہ مستعدی سے انجام دیں اور امر حق پر بھی اور زیادہ قوی ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا بچو! اس مشورے کا شکریہ لیکن میں نے اپنے دونوں دوستوں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک خاص طریقہ کا پابند دیکھا ہے اگر میں ان کی روش اور دستور کے مطابق عمل نہیں کروں گا تو ان کی منزل کس طرح حاصل کر سکوں گا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ قحط سالی میں جو ایک سال تک جاری رہی۔ ایک سال تک متواتر آپ نے گھی اور گوشت تناول

نہیں فرمایا۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر صوف کا لباس پہنتے تھے جس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوتا حالانکہ آپ خلیفہ (امیر المومنین) تھے اور اسی لباس میں درہ لئے ہوئے بازار تشریف لے جاتے اور اہل بازار کو ادب و تنبیہ فرماتے تھے۔

عبداللہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ سفر کے دوران آپ منزل پر پڑاؤ کرتے تو کوئی خیمہ یا شامیانہ نہیں لگواتے تھے بلکہ کسی درخت کے نیچے کمبل یا کپڑے وغیرہ کا سائبان ڈال لیا کرتے تھے اور اسی طرح کے سایہ میں آرام فرمالیا کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر کثرت گریہ سے دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو اس کو گلاب کی پنکھڑیاں دیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک باغ میں گیا تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی (میرے اور ان کے درمیان دیوار حائل تھی) وہ کہہ رہے تھے کہ عمر خطاب کا بیٹا اور امیر المومنین کا منصب! واہ کیا خوب! اے عمر اللہ سے ڈرتے رہو ورنہ اللہ تم کو سخت عذاب دے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حلیہ

علامہ سیوطی نے ابن عساکر سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ طویل قامت اور فربہ اندام شخص تھے۔ آپ کے بال بہت زیادہ جھڑے ہوئے تھے۔ رنگ گورا چٹا تھا جس میں سرخی جھلک مارتی تھی۔ گال اندر کو دھنسے ہوئے تھے اور مونچھیں بہت لمبی تھیں اور ان کے اطراف میں بھی سرخی تھی۔ ابن عساکر کی تاریخ میں موجود ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ ابو جہل کی بہن تھیں۔ (اس رشتہ سے ابو جہل آپ کا ماموں تھا۔)

فتوحات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت ہی میں ماہ جمادی الآخر 13 ہجری کو خلافت کے لئے نامزد ہو گئے تھے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جس روز انتقال ہوا۔ آپ اسی روز منتخب ہو گئے تھے یعنی بروز سہ شنبہ 22 جمادی الآخر 13 ہجری)

آپ کے دور خلافت میں بے حد فتوحات ہوئیں چنانچہ 14 ہجری میں دمشق، صلح اور جنگ سے فتح ہوا۔ اس کے بعد حمص، بعلبک پر بذریعہ صلح قابض ہوئے اور اسی سال بصرہ اور ایلہ فتح ہوئے۔ اسی سال آپ نے لوگوں کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائیں۔ 15 ہجری میں ملک اردن جنگ سے فتح ہوا اور طبریہ بذریعہ صلح مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ یرموک وقادسیہ پر زبردست جنگیں ہوئیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس سال حضرت سعد نے کوفہ کا شہر بسایا۔ اسی سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی جاگیریں مقرر فرمائیں۔ دفاتر کھولے اور لوگوں کو عطیات بخشے۔ 14 ہجری میں اہواز اور مدائن فتح ہوئے، حضرت سعد ابن وقاص نے ایوان کسریٰ میں جمعہ کی نماز ادا کی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق کی سرزمین میں پڑھایا گیا۔ (یہ ماہ صفر تھا)

اسی سال جلولہ کا واقعہ پیش آیا۔ یزدجرد بن کسریٰ نے شکست فاش اُٹھائی اور رے کی طرف بھاگ گیا۔ اسی سال تکرین فتح ہوا اور وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ پھر بیت المقدس فتح ہوا اور آپ نے شہر جابیہ میں اپنا مشہور خطبہ دیا۔ اسی سال قنسرین اور سروج جنگ سے اور حلب انطاکیہ اور منبج صلح وصفائی سے فتح ہوا۔ اسی سال قرقسیا صلح سے مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اسی سال ماہ ربیع الاول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے سال ہجری کا اجراء ہوا۔ 17 ہجری میں آپ نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع کا کام کیا۔ اسی سال قحط عظیم پڑا۔ اسی نسبت سے اس سال کا نام ''عام الرمادۃ'' رکھا گیا۔ طلب باراں کے لئے آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز استسقا ادا فرمائی۔

18 ہجری میں نیشاپور صلح سے اور حلوان جنگ سے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ اسی زمانے میں حلوان میں سخت طاعون پھیلا جو تاریخ اسلام میں طاعون عمواس کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی سال ختم ہو گیا۔ اس سال سحاط، حران، نصیبین اور بعض جزائر جنگ سے فتح ہوئے۔ موصل اور اس کے اطراف کے علاقے جنگ سے فتح ہوئے۔ 19 ہجری میں قیساریہ بعد جنگ قبضہ میں آیا۔

20 ہجری میں مصر جنگ کے بعد فتح ہوا۔ قیصر روم کا انتقال ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے خیبر اور بخران سے یہود کو جلاوطن کیا خیبر اور وادی القریٰ کو تقسیم کر دیا۔

21 ہجری میں جنگ عظیم کے بعد اسکندریہ اور نہاوند فتح ہوئے۔ ان شہروں کے فتح ہونے کے بعد ملک عجم میں کوئی سرکش جماعت باقی نہیں رہی۔

اسباب شہادت

زہری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ کسی نابالغ لڑکے کو مدینہ منورہ میں باہر سے داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک بار حاکم کوفہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے آپ کو لکھا کہ یہاں ایک بہت ہی ہوشیار اور کاریگر لڑکا موجود ہے۔ اس کو بہت سے ہنر آتے ہیں۔ لوہار اور بڑھئی کا کام اچھی طرح جانتا ہے۔ نقاشی بہت عمدہ کرتا ہے۔ اگر آپ اس کو مدینہ منورہ میں داخلہ کی اجازت دے دیں تو میں اس کو وہاں سے روانہ کر دوں تاکہ وہاں پہنچ کر اہل مدینہ کے کام آ سکے۔ آپ نے اس کو مدینہ میں داخلہ کی اجازت دے دی اور لکھ دیا کہ یہاں بھیج دیا جائے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اس پر سو درہم کا خراج (ٹیکس) عائد کر رکھا تھا۔ یہاں مدینہ آ کر اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھ پر بہت ٹیکس لگا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹیکس زیادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب اس کو بہت ناگوار گزرا اور غصہ سے تلملاتا ہوا واپس آ گیا۔ چند روز کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پھر بلایا اور فرمایا کہ تو کہتا تھا کہ اگر آپ کہیں گے تو میں ایسی چکی تیار کر دوں گا جو ہوا سے چلے گی۔ اس نے کڑوے تیوروں کے ساتھ جواب دیا کہ میں آپ کے لئے ایسی چکی تیار کر دوں گا کہ جس کا لوگ ہمیشہ ذکر کیا کریں گے۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ لڑکا مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے۔

آپ کی شہادت

ابولولوء ایک دو دھارا خنجر (جس کا قبضہ بیچ میں تھا) آستین میں چھپا کر مسجد میں ایک گوشہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ ابھی صبح کا اندھیرا باقی تھا (پو نہیں پھٹی تھی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز کے لئے جگاتے ہوئے گشت کر رہے تھے کہ جب مسجد میں اس کے قریب سے گزرے تو اس نے آپ کے جسم پر پے در پے تین وار کیے۔ (ابن سعد)

عمرو بن میمون انصاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابولوء لوء مغیرہ کے غلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دو دھارے خنجر سے شہید کیا۔ آپ کے علاوہ بارہ اور افراد کو بھی زخمی کیا۔ ان مجروحین میں چھ افراد کا انتقال ہو گیا۔ اس حال میں جب کہ وہ لوگوں کو زخمی کر رہا تھا۔ ایک عراقی نے اس پر کپڑا ڈال دیا (تا کہ وہ الجھ جائے اور اس کو پکڑ لیا جائے) جب ابولوء لوء اس کپڑے میں الجھ گیا تو اس نے اسی وقت خودکشی کر لی۔

ابو رافع کہتے ہیں کہ ابولولوء مغیرہ کا غلام چکیاں بنایا کرتا تھا اور حضرت مغیرہ اس سے چار درہم روزانہ وصول کیا کرتے تھے۔ جس وقت وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا تو اس نے شکایت کی کہ اے امیر المومنین مغیرہ رضی اللہ عنہ مجھ سے زیادتی کرتے ہیں آپ ان کو تنبیہ کر دیجئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تجھے اپنے آقا کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا چاہئے۔ آپ کا منشاء تو تھا کہ آپ اس کے بارے میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے سفارش کریں گے لیکن چونکہ آپ نے واضح طور پر نہیں کہا تھا اس لئے ابولولوء کو آپ کا جواب ناگوار گزرا اور کہنے لگا امیر المومنین آپ میرے سوا ہر ایک کا انصاف کرتے ہیں۔ اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کر لیا اور ایک خنجر پر دھار رکھی اور اس کو زہر میں بجھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ تکبیر سے پہلے فرمایا کرتے تھے۔ صفیں سیدھی کر لو۔ یہ سن کر ابولولو صف میں آپ کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا اور فوراً ہی آپ کے شانے اور پہلو پر خنجر سے دو وار کئے جس سے آپ گر پڑے۔ اس کے بعد اس نے اور نمازیوں پر حملہ کیا اور تیرہ افراد کو زخمی کر دیا۔ (جن سے بعد میں چھ حضرات انتقال کر گئے۔) چونکہ آفتاب طلوع ہو رہا تھا اس لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دو بہت ہی چھوٹی سورتوں کے ساتھ نماز پڑھائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کے مکان پر لائے اور آپ کو اولاً نبیذ پلائی۔ وہ آپ کے زخموں کے راستے سے باہر نکل گئی پھر آپ کو دودھ پلایا گیا وہ بھی زخموں سے باہر نکل گیا لوگوں نے آپ کی تسلی کی خاطر کے لئے کہا کہ آپ فکر نہ کیجئے۔ اگر دودھ اور نبیذ زخموں سے نکل گیا تو کچھ حرج نہیں) یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اگر قتل میں کچھ حرج بھی ہے تو بھی میں قتل ہو چکا۔

لوگوں نے عرض کیا یا امیر المومنین آپ کو وصیتیں کرنا ہیں تو کر دیجئے اور کسی کو خلافت کیلئے بھی منتخب فرما دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کام کے لئے سوائے ان چھ اشخاص

کے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش رہ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ کسی اور کو حقدار نہیں سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے ان چھ حضرات کے نام لئے اور فرمایا کہ مجلس شوریٰ کے انتظام میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہاتھ بٹائیں لیکن خلافت سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اگر حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ منتخب ہو جائیں تو وہ اس کا استحقاق رکھتے ہیں وگرنہ ان چھ میں سے جس کو چاہئیں منتخب کرلیں اور میں نے سعد رضی اللہ عنہ کو کسی خیانت کسی عجز کی بنا پر (امارت سے) معزول نہیں کیا تھا پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں اپنے بعد منتخب ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور تمام مہاجرین' انصار اور تمام رعایا کے ساتھ نیکی سے کام لے اور اس قسم کی بے شمار وصیتیں فرمائیں اور پھر اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کردی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین

جس وقت آپ کا جنازہ تیار ہوگیا اور لوگ جب آپ کا جنازہ لے کر چلنا شروع ہوئے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری دی۔ سلام عرض کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک میں دفن کرنے کی اجازت مانگی آپ نے اجازت دے دی لہٰذا آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں سپرد خاک کردیا گیا۔

حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ

حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔ یہ بنو مصطلق قبیلے کے سردار تھے۔ حارث بن ابی ضرار کا سلسلہ نسب یوں ہے۔

حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن عمرو۔ ش حارث بن ابی ضرار کا قبیلہ مدینہ منورہ کے قریب آباد تھا۔ 5 ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو مصطلق مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نفری جمع کر رہا ہے۔ آپ نے تصدیق کے بعد مسلمانوں کو لشکر ترتیب دینے کا حکم دیدیا۔ اسلامی لشکر تیز رفتاری سے سفر کرتا اس وقت ان لوگوں کے سر پر پہنچ گیا جب وہ اپنے مویشیوں کو پانی وغیرہ پلا رہے تھے۔ بنو مصطلق کے دس آدمی قتل ہوئے اور باقی قید کر لئے گئے۔ قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برہ بھی تھی۔ برہ کا شوہر مسافع بن صفوان لڑائی میں ہلاک ہو چکا تھا۔

برہ ایک صحابی ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں مگر برہ نے ان سے مکاتبت کر لی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے 9 اوقیہ سونے پر مکاتبت کی۔ برہ کے پاس تو کچھ بھی نہ تھا لہٰذا وہ نبی کریمؐ کے پاس مدد کے حصول کیلئے گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رضامندی سے مکاتبت کی رقم دے کر ان سے نکاح کر لیا اور ان کا نام جویریہ رکھا۔ اس دوران حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بھی پہنچ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عرض کی کہ میں قبیلہ بنو مصطلق کا سردار ہوں۔ میری بیٹی آپ کی قید میں ہے۔ وہ کنیز بن کر نہیں رہ سکتی لہٰذا

فدیہ لے کر اسے آزاد کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سسر سے فرمایا کہ اپنی بیٹی سے پوچھ لو۔ حارث نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے جا کر کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ تیری رضامندی پر چھوڑ دیا ہے۔ تم کیا کہتی ہو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کی نسبت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور زوجیت کو مقدم جانا اور باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔

حارث بیٹی کا فدیہ دینے کی خاطر بہت سا مال لایا مگر دو اونٹ ایک گھاٹی میں چھپا دیئے' جن کی بابت اس کے علاوہ اور کوئی نہ جانتا تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔ حارث یہ سن کر آپ کی نبوت کا دل سے قائل ہو گیا اور کلمہ پڑھ لیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے نکاح میں لے لیا ہے تو انہوں نے بنی المصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا کہ یہ لوگ نبی پاک کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان کے بعد حارث رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے سسر ہیں جن کا اسلام لانا بالکل صاف اور غیر متنازعہ ہے۔

حارث بن حزن

حارث بن حزن ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن روبیہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ھوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان الھلالی۔

ہلال بن عامر پر ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نسب مل جاتا ہے۔ حارث بن حزن کا نکاح ہند بنت عوف بن زہیر بن الحارث بن حماطہ بن حمیر سے ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سسرال اپنے دامادوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت سمجھا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ' حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت شداد رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات حارث اور ہند کے دامادوں میں شامل ہیں۔

اس خاندان کو عمرۃ القضاہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کا سسرال بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس نکاح کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کافی کمی آ گئی کیونکہ ان کے سسرال کے جن خاندانوں سے رشتہ داریاں تھیں۔ وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارے نرم رویہ رکھنے لگے اور ان میں اسلام نفوذ کرنے لگا۔

حی بن اخطب

حی بن اخطب ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کا باپ ہے۔ یہ مدینہ میں یہودیوں کے طاقتور قبیلے بنونضیر کا سردار تھا۔ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔ اس کی زوجہ کا نام ضرہ تھا بعض نے برہ بنت شموال لکھا ہے حی بن اخطب نے اپنے علماء اور بزرگوں سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں کو بہت اچھی طرح یاد کر رکھا تھا۔ حی بن اخطب اور اس کا بھائی نبی کریم کو اس وقت دیکھنے گئے۔ جب آپ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے قباء میں قیام کیا مگر پہچاننے کے باوجود وہ آپ پر ایمان نہ لایا۔

حی بن اخطب نے ایک روز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا انتظام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیت کے فیصلے کے بہانے اپنی حویلی میں لے گیا اور ایک دیوار کے قریب بٹھا کر کہا کہ آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے بہت باعث فخر ہے۔ پہلے کچھ کھالیں پھر تعمیل ارشاد ہوگی۔ حی بن اخطب نے یہودیوں سے کہا کہ اس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ' عمر رضی اللہ عنہ' عثمان رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ جیسی قریبی ہستیاں ملا کر صرف دس افراد ہیں۔ اگر چھت سے چکی کا پاٹ گرا دیا جائے تو سب ایک ہی بار ختم ہو جائیں گے۔ ان میں سلام بن مشکم نے انہیں ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانے عمرو بن حجاش چھت پر چڑھ گیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو یہود کی سازش سے آگاہ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حاضرین نے سمجھا کہ رفع حاجت کے لئے گئے ہیں۔ صحابہ کرام وہیں بیٹھے رہے۔ جب زیادہ وقت گزر گیا تو حضرت ابوبکر صدیق صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی اہم کام کے لئے تشریف لے گئے ہیں تم یہاں کیا کر رہے ہو چنانچہ سب وہاں سے بخیریت نکل آئے۔ یہودیوں نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جاتے دیکھا تو حی ابن اخطب کہنے لگا کہ ابوالقاسم نے بہت جلدی کی ہم تو ان کے حکم کی تعمیل میں لگے ہوئے تھے لیکن دل ہی دل میں یہود کو اپنی اس ناکامی پر شدید ندامت تھی۔

مدینہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو حکم بھیجا کہ "میرے شہر سے نکل جاؤ تمہیں دس دن کی مہلت ہے۔ اس کے بعد تم میں سے اگر کوئی آدمی یہاں نظر آیا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔"

منافق عبداللہ بن ابی نے بنی نضیر کو اس موقع پر اپنی حمایت کا پیغام بھیجا اور کہا کہ اپنی جائیدادیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ میرے دو ہزار ساتھی تمہاری مدد کریں گے۔ سلام بن مشکم نے حی بن اخطب سے کہا کہ اس شخص کے وعدے پر اعتبار نہ کرنا۔ اے حی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن بھی ہمارے قلعوں کا محاصرہ کر لیا تو پھر ان شرائط پر صلح ممکن نہ ہوگی۔ حی نے کہا کہ تم کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہو۔ ان کی مجال نہیں کہ ہم پر حملہ کر سکیں۔

حی نے اپنے بھائی جدی بن اخطب کو نبی پاک کے پاس بھیجا کہ یہ پیغام دے کہ "ہم اپنے گھروں اور اموال کو کسی قیمت پر چھوڑ کر نہیں نکلیں گے۔ آپ جو کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔"
جدی نے پہلے اپنے بھائی کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر بتایا۔ اس کے بعد جدی' عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچا۔ اس کے پاس چند حواری بھی موجود تھے۔ اسی دوران نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ اعلان کیا جانے لگا کہ مسلمانو اٹھو اور بنی نضیر کے قلعوں کا چل کر محاصرہ کر لو۔ یہ اعلان سن کر عبداللہ بن ابی کا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا۔ وہ اپنے باپ کے پاس آیا۔ اس نے زرہ پہنی ہوئی تھی۔ تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ رسول اللہؐ کی دعوت پر لبیک کہتا ہوا گھر سے نکلا۔ جدی نے جا کر اپنے بھائی کو بتایا کہ تمہاری مدد کرنے کا وعدہ کرنے والے کا اپنا بیٹا مسلمانوں کے ساتھ شامل ہے' وہ تمہاری مدد نہ کرے گا۔

اسلامی لشکر نے جب راتوں رات ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا تو حی بن اخطب کے ساتھی اسے ملامت کرنے لگے۔ جب محاصرہ طویل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نخلستان کاٹ دینے کا حکم دیا۔ ابویعلی تو عجوہ کھجور کے درختوں کو کاٹنے لگے کیونکہ ان قیمتی کھجوروں

کے کاٹنے سے بنی نضیر کو زیادہ دکھ پہنچنے کا امکان تھا اور عبداللہ بن سلام عام قسم کی کھجوریں کاٹنے لگے۔ جب ابو یعلیٰ عجوہ کھجور کے درختوں کو کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے تو یہودی عورتیں غم سے اپنا سینہ پیٹ رہی تھیں اور رخساروں پر تھپڑ مار رہی تھیں حی بن اخطب نے پیغام بھیجا کہ آپ ان پھلدار درختوں کو کیوں ضائع کرا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تا کہ تمہاری آنکھیں کھلیں اور تم جنگ کے آتش کدے کو بھڑکانے سے باز رہو۔ یہ تدبیر کارگر رہی اور حی کی گردن جھک گئی اور شہر سے کوچ کرنے پر راضی ہو گیا۔

یہودیوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو سواری کے اونٹوں پر سوار کیا دیگر اونٹوں پر جو قیمتی سامان لادا جا سکتا تھا۔ وہ لادا یہاں تک کہ انہوں نے دیواریں گرا گرا کر دروازے کھڑکیاں بھی لادلیں۔ ان کا قبیلہ روانہ ہوا تو ان پر کسی قسم کی افسردگی، پریشانی یا ندامت کے آثار نہ تھے۔ انہوں نے ہر طرح یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ انہیں اس جلاوطنی پر کوئی رنج نہیں۔ ان کی عورتیں سنگھار کیے اور زیورات پہنے بیٹھی تھیں۔ ان کی لونڈیاں اشتعال انگیز اشعار گا رہی تھیں اور رقص کر رہی تھیں۔ مسلمانوں نے ان کے طوفان بدتمیزی پر انگلی تک نہ اُٹھائی اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔

نبی پاک نے انصار کے مشورہ سے بنی نضیر کی املاک اور مال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔ انصار کے صرف تین انتہائی نادار افراد کو حصہ ملا۔ بنی نضیر یہاں سے خیبر چلے گئے جہاں غزوۂ خیبر میں حی بن اخطب مقتول ہوا اور حضرت صفیہ کا شوہر بھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت صفیہ جنگی قیدی کے طور پر پیش ہوئیں اور اسلام کے سخت دُشمن کی بیٹی ام المومنین بن کر احترام کے ابدی مقام پر فائز ہوئیں۔

ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تو آغاز میں سب سے زیادہ مخالف ابوجہل' امیہ بن خلف زمعہ بن اسود' عتبہ' شیبہ پسران ربیعہ وغیرہ تھے۔ بنو امیہ کا سردار ابوسفیان بھی ان دشمنان اسلام کے صلاح مشوروں میں شریک ہوتا تاہم اس وقت تک اس کی دشمنی صرف صلاح مشورے تک تھی۔

ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کفار مکہ کی اس کمیٹی میں بھی شریک تھ جس نے ہجرت کی شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

ہجرت کے دوسرے برس ابوسفیان قریش کے ایک تجارتی قافلہ کو لے کر شام کو روانہ ہوا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی تادیب وتخویف کی خاطر ایک جماعت صحابہ کے ساتھ قافلے کی طرف روانگی فرمائی۔ ابوسفیان کو مدینے کے یہودیوں اور منافقین نے خبردار کر دیا۔ اس نے ضمضم غفاری نامی آدمی کو مکہ روانہ کیا کہ اہل مکہ کو مسلمانوں کی کارروائی کا خوف دلا کر انہیں قافلہ بچانے کا کہے۔ خود ابوسفیان عام راستے سے کترا کر اور بچ کر اپنے قافلے کو نکال لے گیا۔ اس وقت قافلہ شام سے واپس مکہ کو جا رہا تھا۔ ابوسفیان نے ابوجہل کو خبر بھیجی کہ ہم بچ کر نکل آئے ہیں۔ تم اپنا لشکر اب واپس لے جاؤ مگر ابوجہل نہ مانا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف بھرا بیٹھا تھا اور آج ایک ہزار جنگجو لے کر مدینہ پر چڑھائی کرنے پر بضد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے لشکر کی خبر ہوئی آپ نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ صحابہ نے وفاداری اور جانثاری کا عزم دہرایا۔ اس جنگ میں اللہ نے اپنے رسول کو فتح عنایت فرمائی۔

شکست خوردہ کفار کے دلوں میں انتقام کی آگ بھرپور انداز میں شعلہ زن تھی۔ جنگ بدر کے دو ماہ بعد ابوسفیان دو سو سوار لے کر مکہ سے جنگ کا ارادہ لے کر روانہ ہوا۔ جب مدینہ کے قریب یہ لوگ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی۔ آپ مسلمانوں کو ساتھ لے کر میدان میں نکلے۔ ابوسفیان خوفزدہ ہو کر پلٹا اور جاتے جاتے کھجوروں کے باغ جلا گیا۔ اس نے دو آدمیوں کو جو اپنی زمینداری اور کاشت کاری کے کاموں میں مصروف تھے، قتل کر دیا۔ ان دونوں میں ایک حضرت سعید بن عمرو انصاری اور دوسرا ان کا حلیف تھا۔ بھاگتے ہوئے کفار اپنے ستوؤں کے تھیلے ہلکے کرنے کے لئے راستے میں پھینک گئے۔ مسلمانوں نے ابوسفیان کے لشکر کا مقام کرد تک تعاقب کیا۔ ستوؤں کے تھیلوں کے باعث یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ دو ہجری ماہ ذی الحجہ کی ابتداء کے دن تھے۔

کفار کے دیگر سردار مسلمانوں کے ہاتھوں بدر میں قتل ہو چکے تھے لہٰذا ابوسفیان اب ان کا سرغنہ تھا۔ سن 3 ہجری کو اہل مکہ اور ابوسفیان کی بیوی ہند نے جس کے بھائی اور باپ بدر میں قتل ہو چکے تھے، نے ابوسفیان کو غیرت دلائی چنانچہ اس نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ تجارت شام کا قافلہ جو جنگ بدر کے قریب ابوسفیان کی نگرانی میں واپس آیا تھا۔ 50 ہزار مثقال سونا' ایک ہزار اونٹ منافع میں لایا تھا۔ اس قافلہ کا تمام مال اس کے مالکوں کو تقسیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ سب سامان جنگ کی تیاری و فراہمی میں لگا دیا گیا۔ ابوسفیان ایک برس کی تیاری کے بعد تین ہزار جنگجو اور لڑاکوں کا لشکر لے کر ماہ شوال 3 ہجری کے آغاز میں روانہ ہوا۔ جنگ بدر کے مقتول سرداروں کی لڑکیاں اور بیوائیں لشکر کے ہمراہ تھیں۔ اس معرکہ میں مسلمان غالب رہے۔ درمیان میں کفار کو غلبہ حاصل ہوا مگر پھر مسلمان غالب آ گئے اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس جنگ میں ابوسفیان کی بیوی ہند نے جبیر بن معطم کے غلام وحشی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے عوض انعام و اکرام کی ترغیب دی۔ ہند نے شہادت کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبانے کی کوشش کی مگر پھر تھوک دیا۔ جنگ کے ایک موقع پر حضرت ابودجانہ ؓ کی تلوار کی زد میں ہند تھی مگر آپ نے نبی کریم ﷺ کی تلوار سے عورت کو قتل کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اس لڑائی میں حضرت حنظلہ نے حملہ کر کے کفار کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا اور ابوسفیان تک پہنچ گئے۔ حضرت حنظلہ دوڑ کر ابوسفیان پر وار کرنا چاہتے تھے کہ شداد بن اسود لیثی نے پیچھے سے

ان پر وار کر کے شہید کر دیا۔ آخر ابوسفیان اگلے برس پھر لڑائی کا اعلان کر کے واپس لوٹا۔

ابوسفیان اگلے برس تو مدینہ نہ پہنچا۔ راستے سے ہی واپس ہو گیا تاہم سن 5 ہجری میں ابوسفیان قریش اور اپنے حلیف قبائل کے چار ہزار افراد کا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ راستے میں کئی قبائل کے چھوٹے چھوٹے لشکر بھی اس میں شامل ہوتے رہے۔ تمام افواج کفار کا سپہ سالار اعظم ابوسفیان تھا۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر حملہ آور فوج کی تعداد کم سے کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار بیان کی جاتی ہے لشکر میں ساڑھے چار ہزار اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔ مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھود لی۔ لشکر کفار خندق کے قریب آیا تو بہت حیران ہوا کیونکہ اس سے پہلے عربوں نے اس قسم کی خندق نہ دیکھی تھی۔ ایک ماہ تک دونوں جانب سے تیراندازی ہوتی رہی۔ محاصرے کو ستائیس روز گزر گئے تو ایک رات تند و تیز ہوا چلی کفار کے خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں۔ چولہوں پر رکھی دیگیں گر گئیں۔ اس ہوا اور جھکڑ کی صورت میں خدائی امداد نے بہت کام دیا۔ کفار کے ڈیروں میں جابجا آگ لگ گئی جسے مشرکوں نے بدشگونی سمجھا اور راتوں رات فرار ہو گئے۔ ان کے فرار بارے جان کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اب کفار قریش ہم پر کبھی حملہ آور نہ ہوں گے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان ﷛ مسلمانوں کی جانب سے ایلچی کے طور پر ابوسفیان ﷛ کے پاس گئے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے حضرت عثمان ﷛ کو طواف کعبہ کی اجازت دے دی۔ مگر حضرت عثمان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف سے انکار کر دیا۔ اس پر قریش نے برہم ہو کر حضرت عثمان ﷛ کو روک لیا۔ صحابہ کو گمان ہوا کہ حضرت عثمان ﷛ شہید کر دیئے گئے ہیں، جس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا بدلہ لینے کی بیعت لی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں مگر کچھ دیر بعد حضرت عثمانؓ واپس آ گئے۔ اس معاہدے کی رو سے مسلمان طواف کے بغیر واپس ہوئے اور اگلے برس عمرہ کے لئے مکہ آئے۔ سن 8 ہجری میں قریش مکہ نے مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنوخزاعہ کا قتل عام کیا۔ اہل مکہ کو جب اپنے کرتوت کے نتائج پر غور کا موقع ملا تو وہ بہت خائف ہوئے اور ابوسفیان کو مدینہ منورہ روانہ کیا کہ جا کر شرائط صلح از سر نو قائم کرے۔ ادھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لڑائی کی تیاری کا حکم دے دیا۔

ابوسفیان نے مدینے میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور علی کرم اللہ وجہہ سے الگ الگ گفتگو کرنا چاہی مگر کسی نے اسے جواب نہ دیا۔ اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ مذاق کیا اور اس سے کہا کہ تو بنی کنانہ کا سردار ہے' خود جا کر مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ اعلان کر دے کہ میں صلح کی مدت بڑھاتا اور عہد و اقرار کو مضبوط کئے جاتا ہوں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا اور فوراً مدینہ سے روانہ ہو گیا۔ جب وہ مکہ پہنچا تو قریش نے اس کا خوب مذاق اڑایا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی واپسی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مکہ روانگی کا حکم دیا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ لشکر کس طرف اور کس قوم یا علاقے پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گا۔ اس کا مقصد ساری کارروائی خفیہ رکھنا تھا۔

گیارہ رمضان 8 ہجری کو نبی پاک دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسلامی لشکر نے ہزار ہزار کے دستوں کی صورت میں پڑاؤ ڈالے اور آگ روشن کی۔ ابوسفیان نے جب دور سے آگ روشن دیکھی تو حیران رہ گیا کہ اتنا بڑا لشکر کہاں سے آ گیا۔ بدیل بن ورقہ خزاعی نے کہا کہ یہ خزاعہ کا لشکر ہے۔ ابوسفیان یہ سن کر حقارت سے بولا کہ خزاعی کی کیا مجال ہے کہ اتنا بڑا لشکر لا سکے۔ وہ ایک ذلیل و قلیل قوم ہے۔ رات کی تاریکی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں شامل حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دوران گشت ابوسفیان کی آواز پہچان لی۔ انہوں نے فوراً آواز دی اور کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہے اور صبح مکہ پر حملہ آور ہو گا۔ ابوسفیان کے ہوش اڑ گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان کر قتل کرنا چاہا لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ خچر کو تیزی سے نکال لے گئے۔ حضرت عمر پیدل تھے تلوار لہراتے وہ بھی پیچھے پیچھے آ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اسے امان دے چکا ہوں۔ صبح کو ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گھر میں داخل ہونے والوں کو امان دینے کا اعلان کیا۔ بعد میں ابوسفیان کئی معرکوں میں اسلامی لشکر میں شامل رہا اور اس کی دونوں آنکھیں ان ہی معرکوں میں تلف ہوئیں۔

ابوسفیان کے فرزند امیر معاویہ تھے۔ دس ہجری میں وائل بن حجر خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار کیا اور معاویہ بن ابی سفیان کو حکم دیا کہ وہ وائل کو لے جا کر ٹھہرائیں، وائل سوار تھے اور معاویہ پیدل راستے میں گرم ریت سے ننگے پاؤں جلنے لگے تو معاویہ نے وائل سے کہا کہ اپنی جوتی دے دیں، انکار پر ساتھ بٹھانے کی التجا کی۔ وائل نے کہا تم بادشاہوں کی سواری پر نہیں بیٹھ سکتے۔ یہی کافی ہے کہ میری سواری کے سائے میں چلو۔ یہی وائل امیر معاویہ کے دور حکومت میں ان کے پاس وفد لے کر گئے تو ان کی بڑی خدمت کی گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے یزید بن ابی سفیان لشکر شام کے سربراہ مقرر ہوئے۔ ایک مہم پر روانگی کے وقت انہوں نے اپنے بھائی معاویہ کو قائم مقام مقرر کیا۔ اس مہم میں یزید بن ابی سفیان بیمار ہو کر فوت ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے بھائی کو برقرار رکھا، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے قرابت داری کے باعث امیر معاویہ کو کئی رعایتیں دیں، جن کی وجہ سے وہ گورنر کے بجائے بادشاہ بن کر شام پر حکومت کرنے لگے مگر وہ خود کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عامل ہی بیان کرتے تھے۔ اتنے برسوں تک ایک ہی علاقے کی حکومت نے امیر معاویہ کے پاؤں مضبوط کر دیئے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بنو ہاشم اور بنو امیہ کی پرانی عداوت بھی جاگ اٹھی۔ امیر معاویہؓ بیس برس شام کے گورنر اور پھر بیس برس تک بحیثیت حکمران رہے۔

ابوسفیان بن حرب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ ابوسفیان ایک بار حالت کفر میں مدینہ منورہ آیا تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا سے ملنے آپ کے گھر گیا۔ جب ابوسفیان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے برہم ہو کر پوچھا۔ بیٹی تو نے بستر کیوں لپیٹ دیا۔ کیا تو نے بستر کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو ابتدائی مسلمانوں میں سے تھیں اور حبشہ ہجرت کر چکی تھیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے۔ اس پر ایک مشرک جو شرک

کی نجاست سے ملوث اور آلودہ ہو نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے جھلا کر کہا۔ خدا کی قسم تو میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ شر میں نہیں بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں داخل ہو گئی اور تعجب ہے کہ آپ سردار قریش ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔

ابوسفیان بارے کئی روایتیں ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری قائم کرنے والوں کی مسلمانوں میں جب عزت دیکھتا تو اس کے دل میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کی خواہش پیدا ہوتی۔ ابوسفیان نے جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خبر سنی تو کہا کہ ''بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی جوان اور عزت والا نہیں ہے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب ابوسفیان کا انتقال ہوا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی کے ہاتھ زرد رنگ کی خوشبو منگوا کر اپنے رخساروں پر ملی۔ یہ اس دور میں سوگ کی علامت تھی پھر آپ نے فرمایا کہ وہ مجھے تو اس خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں (یعنی سوگ کی ضرورت نہیں) ابوسفیان کے بیٹے یزید' معاویہ اور زیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے کہلانے پر فخر کرتے تھے۔

سرورکائنات کی ازواج مطہرات و باندیاں رضی اللہ عنہما

ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا

خدیجہ رضی اللہ عنہا نام اور طاہرہ لقب ہے۔ ان کے والد خویلد قریش کے معزز قبیلے میں سے تھے۔ ماں بھی قریشی تھیں۔ ماں کا نامہ فاطمہ تھا۔ ان کا شجرہ نسب باپ کی طرف سے اس طرح ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔ اس صورت میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب چوتھی پشت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے جا ملتا ہے۔ ماں کی طرف سے ان کا شجرہ نسب یوں ہے۔ خدیجہ بنت فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن معیص بن عامر بن لوی۔ اس صورت میں ان کا سلسلۂ نسب دسویں پشت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نجیب الطرفین تھیں۔ ان کا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی تعلق ظاہر کرنے کی غرض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین کے طرفین کا شجرہ ملاحظہ کریں۔ ان کی ولادت 555ء اور 57 کسروی میں ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں جو زبوں حالی اہل عرب کی تھی اور جو ناگفتہ رسم و رواج اور بداخلاقیاں ان میں رواج پذیر تھیں۔ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ مگر جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا ابتداء ہی سے اس درجہ نیک اور عفت مآب تھیں کہ اس دور تاریکی میں بھی طاہرہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ لوگوں نے بلحاظ سیادت و

شرافت ان کو سیدۃ النساء قریش کا گراں بہا تمغہ دیا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد تجارت کیا کرتے تھے اور اسی تجارت کی بدولت انہوں نے لوگوں میں وہ نام پایا تھا کہ قریش کے معزز ترین قبائل بنی تیم اور بنی کعب میں عزت و وقعت اور امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ قریش کا قبیلہ یوں بھی ایک بڑا معزز اور نامور قبیلہ تھا اور خویلد نسبا قریشی ہی تھے مگر ان کی دیانت سچائی' ایمانداری' رحم دلی اور نیک کرداری و مروت اور سب سے بڑھ کر دولت کی فراوانی اور اس سے بھی بڑھ کر ایثار و بخشش نے ان کے نام کو اور بھی چمکا دیا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں بہت پہلے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی زراہ تمیمی کے بیٹے بناش کے ساتھ ہوئی جو ابو ہالہ کے نام سے زیادہ شہرت رکھتا تھا۔ اس سے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو لڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔ نباش تو زمانہ جاہلیت ہی میں انتقال کر گیا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق پر لبیک کہتے ہوئے ہند صحابہ کے سلسلہ میں داخل ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان ہی ہند سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث میرے حقیقی ماموں ہند نے مجھ سے بیان کی ہے۔ ہند جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ان کے لشکر میں موجود تھے اور اس معرکے میں شہید ہوئے۔

نباش کی موت کے بعد جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ ہند آخر میں ایک عرصے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتی رہیں اور اعلان نبوت کے پہلے سال ہی رسول اللہ پر ایمان لا کر صحابیات کے رجسٹر میں اپنا نام لکھوا لیا۔ عتیق کے انتقال کے بعد جناب خدیجہؓ نے کچھ زمانہ حالت بیوگی میں گزارا۔ آپ کے والد چونکہ اس وقت بوڑھے' کمزور اور تجارت کے جھمیلوں سے اکتا کر گھر بیٹھ گئے تھے لہٰذا اب جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تجارت کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس وقت ان کی تجارت ایک طرف یمن میں پھیلی ہوئی تھی اور دوسری طرف شام کے علاقوں میں گو بابل کے قرب و جوار اور بصرے میں بعض منڈیاں ایسی بھی تھیں جہاں تجارت کی گرم بازاری تھی لیکن ان دنوں شام کا ملک تجارت کا مرکز بن رہا تھا۔ اسی وجہ سے قریش کے تاجر سال میں ایک بار تجارت کی غرض سے ملک شام ضرور

جاتے تھے۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے تجارتی سامان کے اونٹ وہیں بھیجتیں اور اپنے غلاموں اور ملازموں کو ان کے ساتھ کر دیتیں۔ یہ لوگ وہاں جا کر خرید و فروخت کرتے اور کافی منافع حاصل کر کے لاتے جس سے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سال کے سال معقول آمدنی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تجارت میں وسعت دینے کے لئے چند تجارت پیشہ افراد سے مضاربہ کر رکھی تھی یعنی آپ ان لوگوں کو تجارت کے لئے روپیہ فراہم کرتیں اور نفع و نقصان کی صورت میں ان کی شراکت دار ہوتیں۔ آپ نے ایسے کئی غلام رکھے ہوئے تھے جو مستقل طور پر آپ کے لئے تجارت کرتے تھے۔ ان سب کے باوجود جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک معتبر سچے' دیانتدار اور قابل آدمی کی ضرورت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت دیانت' قابلیت' امانت اور اخلاق کریمانہ کا شہرہ انہوں نے سنا تو فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔

دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب ابوطالب قحط و مہنگائی کی وجہ سے بہت تنگدست ہو گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کفالت میں تھے۔ جناب ابوطالب کی اپنی بھی اولاد کافی تھی جناب ابوطالب اس سے پہلے بھی کچھ زیادہ دولت مند نہیں تھے مگر تجارت کے ذریعے ملکوں ملکوں پھرا کرتے اور جو کچھ کما کر لاتے اس سے اپنی' اپنے اہل و عیال اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گزر بسر کا سامان کر لیتے۔ مزید براں حج کے موقع پر زائرین کے کھانے کا انتظام بھی کرنے کے لئے انہیں اپنی جیب سے کافی خرچ کرنا پڑتا۔ ایک برس اسی طرح کی خدمات کے انجام دینے کے لئے جناب ابوطالب نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک سال کے لیے کچھ رقم ادھار لی بعد میں یہ سعادت اسی رقم کے عوض حضرت عباس کے حوالے کر دی۔ اب رقم نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تجارت ختم ہو گئی دوسرے اہل و عیال بڑھ گئے۔ قرضے کا بوجھ سر پر الگ جمع ہو گیا۔ آمدنی کم خرچ زیادہ ہونے لگا۔ آخر کار جناب ابوطالب نے مجبور ہو کر بھتیجے سے کہا کہ فرزند' تم دیکھ رہے ہو کہ زمانہ مجھ پر کس قدر سختیاں کر رہا ہے۔ جزیرۂ عرب میں ہر طرف قحط کی سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور لوگ دانے دانے کو ترس رہے ہیں۔ میرے پاس اب کچھ سرمایہ بھی نہیں رہا کہ تجارت کروں اور اس سے اپنا اور اہل و عیال کا پیٹ پال سکوں۔ قریش کے کچھ لوگ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی

جانب سے تجارت کرتے ہیں اور ہر سفر میں انہیں ایک معقول رقم حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ابھی کل پرسوں ہی میں قریش کا تجارتی قافلہ شام کے ملک میں جانے کو تیار ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے سامان کے اونٹ بھیجنے والی ہیں۔ اگر تم خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر درخواست کرو تو مجھے بڑی امید ہے کہ وہ ضرور تمہیں اس کام پر ملازم رکھ لیں گی اور عجب نہیں کہ دوسروں کی نسبت تنخواہ بھی زیادہ دیں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ انہیں ایک قابل اور امین آدمی کی ضرورت ہے اور یہ بھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کانوں میں تمہاری دیانت و امانت کا شہرہ پہنچ چکا ہے اور تمہاری صفائی معاملات پر انہیں پورا بھروسہ ہے۔ اگرچہ ملک شام کو تمہارا سفر میں جانا مجھے نہایت شاق اور گراں گزرتا ہے مگر مجبوری کی حالت میں سب کچھ گوارا کرنا پڑتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے چچا کی گفتگو سنی اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر اظہار مدعا کیا۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ معلوم کر کے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کے کام میں دلچسپی رکھتے ہیں دلی مسرت ظاہر کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سا مال و اسباب دے کر اور اپنے غلام میسرہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کر کے شام روانہ کر دیا۔ رخصت کے وقت جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ کسی معاملے میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے اختلاف نہ کرے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات پر نکتہ چینی کرے۔ ہاں جو واقعات و معاملات نظر سے گزرتے جائیں اپنے حافظے میں جمع کرتا جائے اور بے کم و کاست آ کر بیان کر دے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت اپنے دوسرے شوہر عتیق کے مرنے کے بعد دنیا سے بالکل بیزار ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ اکثر اوقات خانہ کعبہ میں جا کر عبادت میں مصروف رہتیں۔ اس وقت کی کاہنہ عورتیں جو اس دور میں بزرگ سمجھی جاتی تھیں' ان کے پاس آمد و رفت رکھتی تھیں۔ آپ ان کی باتیں نہایت عقیدتمندی سے سنتیں اور ان کی بتائی ہوئی نیک باتوں پر عمل کرتیں۔ انہوں نے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا ہوا تھا کہ عنقریب آخری نبی مبعوث ہونے والا ہے اور وہ تمہاری قوم یعنی قریش میں سے ہو گا۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور شمائل پسندیدہ کی شہرت سنی تو ان کا ذہن فوری طور پر اس طرف منتقل ہوا کہ شائد وہ شخص جس کی خبر کاہنہ دیتی ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی

ہوں۔اسی وجہ سے انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو چلتے وقت یہ حکم فرمایا کہ وہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات کو گہری نظر سے دیکھے اور جو واقعات پیش آئیں۔ان کو کم یا زیادہ کیے بغیر آ کر بیان کر دے۔غالباً اسی ایک امید نے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے پر آمادہ کیا ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ایسی چیز اس وقت موجود نہ تھی۔جس نے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپ سے نکاح کرنے کی طرف مائل کیا ہو اور نہ انہیں دنیاوی دولت و وجاہت کی پروا تھی۔چنانچہ کتب سیرت میں لکھا ہے کہ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے شوہر عتیق فوت ہوئے تو بہت سے سرداران قریش کو یہ آرزو دامن گیر ہوئی کہ ان سے شادی کریں کیونکہ دولت مند ہونے کے علاوہ حسن و خوبصورتی میں بھی تمام قبیلہ قریش کی عورتوں سے ممتاز تھیں اور انتظام خانہ داری میں مشہور لیکن انہوں نے کسی شخص سے نکاح کرنا پسند نہ کیا۔اگرچہ ایک شخص نے تو ان سے یہاں تک کہا کہ مجھ سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائیں تو کئی سو اونٹ مہر میں ادا کروں گا لیکن جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کچھ پروا نہ کی۔

غرضیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رخصت ہو کر قافلے کے ساتھ شہر مکہ سے باہر نکلے۔آپ کے چچاؤں نے خصوصاً جناب ابوطالب نے سالار قافلہ کو تاکید کی کہ ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کرتے رہنا اور ہر طرح کی اونچ نیچ اور معاملات بتاتے رہنا کیونکہ ان کو سفر اور تجارت کے متعلق ابھی زیادہ تجربہ نہیں ہے۔آخر یہ قافلہ مکے سے شام کی طرف روانہ ہوا اور منزل بہ منزل قیام کرتا ہوا شام کے قریب جا پہنچا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پہنچ کر ایک راہب نسطورا کے جھونپڑے کے قریب اگے درخت کے سایہ میں جا بیٹھے۔راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو درخت کے تلے بیٹھے دیکھا تو جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ کہا اہل حرم کے ایک معزز سردار عبدالمطلب کا پوتا اور عبداللہ کا بیٹا۔راہب بولا کہ یہ شخص عنقریب اسی امت کا نبی ہونے والا ہے۔

کیونکہ مقدس کتب کی رو سے اس درخت کے نیچے نبی کے سوا اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔میسرہ راہب کی یہ حیرت انگیز گفتگو سن کر خاموش ہو گیا۔اب قافلہ شہر میں داخل ہوا اور تاجروں نے خرید و فروخت شروع کر دی۔نبی کریم ﷺ بھی بازار تشریف لے گئے اور جس قدر سامان ساتھ لائے تھے۔اچھے خاصے منافع پر فروخت کر دیا اور شام کی عمدہ اور نفیس چیزیں خرید کر وطن کی

طرف لوٹے۔ سارے رستے میں آپ کا برتاؤ ہر شخص کے ساتھ بزرگانہ اور خوش معاملگی کا رہا۔ اسی وجہ سے میسرہ جان و مال سے آپ کا مطیع تھا۔

جس وقت قافلہ مکہ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نقد و اسباب جو کچھ شام سے لائے تھے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا۔ حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ اس برس ہر برس کی نسبت تقریباً دوگنا منافع حاصل ہوا ہے۔ ادھر میسرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاملہ اور دیانت و اخلاق کا حال بیان کیا۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات کی صفائی اور سچائی دیکھ کر اور دوسری طرف میسرہ کی زبانی راہب نسطورا کی پیشین گوئی سن کر بہت خوش ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقررہ اجرت سے دوگنا اجرت دی۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی دیانت اور حسن معاملہ کا شہرہ تو پہلے سن چکی تھیں اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنی تجارت کے کام کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا تھا لیکن اب میسرہ کی زبان سے راہب کا قصہ سن کر ان کی عقیدت بے حد بڑھ گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ بے شک یہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ عجب نہیں کہ آخر کار نبوت کے معزز منصب سے سرفراز ہو۔ پس یہی ایک عقیدت تھی جس نے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے پر آمادہ کیا اور انہوں نے اپنے دل میں حتمی فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہو سکے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرف متوجہ کیا جائے چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پیغام دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت و بزرگی صداقت' دیانت' حسن و اخلاق اور قابلیت نے مجھ کو اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ میں خود کو آپ کے نکاح میں دے دوں اور پھر میں کوئی غیر اور اجنبی بھی نہیں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی قرابت رکھتی ہوں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ قصی کے پوتے اسد کی پوتی اور خویلد کی بیٹی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیام پا کر اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کیا۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کوئی معمولی خاتون تو تھیں نہیں۔ نسب کے لحاظ سے افضل نساء قریش تھیں۔ صورت شکل میں سب سے ممتاز' دولت و ریاست میں سب سے بہتر جناب ابوطالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ خدیجہ سے ضرور نکاح کر لو۔ اس سے لوگوں کی آنکھ میں تمہاری عزت و وقعت بڑھے گی۔ اور دنیاوی لحاظ سے تمہیں نیکی و بھلائی کے اس کام میں بڑی کامیابی ہو گی

جس کو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ خدیجہ بذات خود ایک عقل مند اور صاحب فراست خاتون ہے۔ اس سے تمہیں بہت مدد پہنچے گی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پر راضی ہو گئے اور اپنے چچا جناب ابو طالب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر معززین قریش کو ساتھ لے کر جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر پہنچے اور خویلد کی ولایت سے نکاح ہو گیا۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد ابن اثیر کے حوالے سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے چچا عمرو بن اسد نے ولی بن کر کیا کیونکہ ان کے والد خویلد اس سے قبل وفات پا چکے تھے۔ کتب سیرت میں اس نکاح بارے یوں لکھا ہے کہ آنحضرت ملک شام کے سفر سے واپس آئے تو جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی میسہ کی بیٹی نفیسہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ آپ کو ان سے نکاح کرنے کی ترغیب دے۔ چنانچہ نفیسہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور عرض کیا کہ آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے پاس نہ تو کچھ سرمایہ ہی ہے نہ کسی طرح کا سامان۔ نکاح کروں تو کیونکر کروں؟ نفیسہ بولی کہ اگر میں کسی صاحب مال و منال اور شریف بلکہ تمہاری ہی ہم قوم عورت سے تمہارا نکاح ٹھہرا دوں تو تمہیں کچھ عذر تو نہیں ہوگا؟ فرمایا نہیں مگر بتا تو دو کہ وہ کون ہے۔ نفیسہ نے کہا کہ خدیجہ خویلد کی بیٹی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو امید نہیں کہ خدیجہ مجھ جیسے مفلس آدمی کا انتخاب کرے۔ نفیسہ نے کہا کہ اس کی ذمہ دار میں ہوں اور اس معاملے کا سرانجام دینا بھی میری ہی ذمہ داری ہے۔ آپ کچھ فکر نہ کریں میں سب کچھ کر لوں گی۔

نفیسہ کا بیان ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور ساری گفتگو ان کے گوش گزار کر دی۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے کہا کہ اچھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لاؤ۔ میں آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے گئی۔ خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھ کو آپ سے نکاح کرنے کی صرف اس لئے رغبت ہوئی کہ آپ کے اخلاق نہایت ستھرے اور پاکیزہ ہیں۔ صداقت و دیانت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آنحضرت یہ سن کر اپنے چچا جناب ابو طالب کے پاس گئے ان سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا

عمرو بن اسد کو بلا بھیجا اور قبیلے کے معزز لوگوں کو جمع کیا۔ جناب ابو طالب نے عمرو بن اسد کو جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پیام دیا جو عمرو نے فوراً منظور کر لیا۔ بیس اونٹ مہر کے تجویز ہوئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ادا کر دیئے۔ جناب ابو طالب نے اس طرح خطبہ پڑھنا شروع کیا۔

الحمد لله الذی جعلنا من ذریة ابراهیم و زرع اسماعیل وضعئے معدو عنصر مضر و جعلنا خفنة بیته وسوا هذا حرمه وجعل لنا بیتاً محجوجا وحرما امنا و جعلنا الحکام علی الناس ثم ان ابن اخی هذا محمد بن عبدالله لایوزن برجل الارجح به شرفا ونبلا و فضلا و عقلافان کان فی المال قل فان المال ظل زائل و امر حائل و محمد من قد عرفتم قرابة و قد خطب خدیجه بنت خویلد و بذل لها اجله و عاجله کذا و هوالله بعد هذا له بناء عظیم و خطرجلیل جیم

جناب ابو طالب خطبہ پڑھ چکے تو جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے ایک مختصر سا مضمون پڑھا۔ ورقہ خاموش ہوئے تو جناب ابو طالب نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد بھی تمہاری شرکت قبول کریں۔ اس پر عمرو بن اسد بولے کہ "معاشر قریش تم گواہ رہو کہ میں نے خویلد کی بیٹی خدیجہ کو محمد بن عبداللہ کے نکاح میں دیا۔ پیغمبر پاک اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایجاب و قبول ہوا۔ صنادید قریش نے جناب ابو طالب کو مبارکباد دی اور مجلس عقد برخاست ہوئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زنان خانے میں بلا کر کہا کہ اونٹ ذبح کر کے کھانا پکوائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔

نکاح کے وقت ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس برس کی۔ آنحضرت ﷺ کے ازواج کا شرف سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ہی حاصل ہوا۔ ان سے پہلے آنحضرتؐ نے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا اور یہی ایک ایسا ممتاز و مخصوص شرف ہے جس کی وجہ سے مورخین نے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تمام ازواج مطہرات پر فضیلت دی ہے اور حق یہ ہے کہ وہ اس فضیلت کی مستحق بھی تھیں۔

انہوں نے اپنا تن من دھن سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور مدد کی خاطر صرف کر دیا اور جب کبھی کسی طرح کی تکلیف آپ کو مخالفین کی طرف سے پہنچی تو جناب خدیجہؓ ہی تسکین دیتیں اور طرح طرح سے ہمت بندھاتیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت تو شروع ہی سے ازخود بت پرستی اور لوازم بت پرستی سے متنفر تھی بلکہ بت پرستی ان کی چڑ تھی۔ مگر جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھتے تھے شرک اور بت پرستی کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل دردمند پر جو کچھ گزرتی تھی اس کا حال وہی خوب جانتے ہوں گے۔ وہ تو جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ایسی عقل مند اور خدا شناس تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اپنا درد بیان کرتے تو وہ ہر طرح سے ڈھارس بندھاتیں اور نہایت دلسوزی سے تسلی دیتیں۔ زمانہ بعثت سے کچھ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بڑی سخت مشکل پیش آئی کہ نبوت کے آثار جن کو ارہاصات کہتے ہیں۔ مترتب ہو چلے تھے۔ سیدھے سبھاؤ رستہ چلے جا رہے ہوتے کہ پتھر اور درخت سلام کرنے لگتے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں اور بولنے والا دکھائی نہیں دیتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے بھی وہم گزرا کرتا تھا۔ اب خیال ہونے لگا کہ کہیں میرے دماغ میں کسی طرح کی پریشانی تو نہیں پیدا ہو گئی۔ اس موقع پر جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پریشان دیکھ کر ایسے انداز میں موانست و ہمدردی کا اظہار کیا کہ آپ کی ساری پریشانی دور ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس سے متجاوز ہوئی تو آپ کو تاج نبوت عطا ہوا۔ نبوت سے کچھ دنوں پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت بہت پسند تھی۔ باوجود خانہ داری کے کئی کئی دن کی خوراک گھر سے لے جا کر شہر کے باہر تین میل کے فاصلے کے قریب حرا پہاڑ کے غار میں دن رات اکیلے بیٹھے غور و فکر اور عبادت میں مستغرق رہا کرتے تھے۔ آخرکار خدا کی زبردست نشانی یعنی جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور تاج نبوت سر مبارک پر رکھ کر چلے گئے۔ نبی کریمؐ خدا کے فرشتے کو دیکھ کر ڈر گئے اور کانپتے تھراتے گھر تشریف لائے اور فرمایا مجھے گرم کپڑا اوڑھا دو جناب خدیجہ نے آپ کے اوپر چادر ڈال دی۔ طبیعت میں کچھ سکون ہوا تو پوچھا کیا حال ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا

واقعہ بیان کر دیا اور فرمایا مجھے اپنے نفس پر خوف آتا ہے۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دلسوزی کے لہجے میں آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ خدا سے بہت بعید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سچے، امانت دار، نیک دل مہربان، خیر خواہ تمام صفات والے شخص کو ضائع ہونے دے۔ آپ خدا سے ڈرتے ہیں۔ رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ محتاج و مسکین کو صدقہ دیتے ہیں۔ آپ جیسے شخص کو خدا کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید اطمینان کے لئے آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل صحائف آسمانی تورات وانجیل وغیرہ کے عالم تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب حالات بیان کیے تو انہوں نے بڑے وثوق سے کہا کہ آسمانی کتابوں کی رو سے ایک پیغمبر کی آمد کا وقت ہو گیا ہے اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ پیغمبر موعود تم ہی ہو۔ خدا تعالیٰ تمہیں نبوت سے سرفراز فرمائے گا اور تمہاری قوم تم کو وطن سے نکال باہر کرے گی۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا تو تمہارا ساتھ دیتا اور پوری قوت کے ساتھ تمہاری مدد کرتا۔ ورقہ کی اس گفتگو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیرت بہت حد تک تبدیل ہو گئی اور آپ فرحاں وشاداں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا کی کیفیت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی کہ تو وہ آپ کو گھر میں چھوڑ کر ورقہ کے پاس گئیں اور جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا بیان کیا۔ ورقہ بن نوفل کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ قدوس قدوس، پھر کہا خدیجہ رضی اللہ عنہا قسم خدا کی اگر یہ امر واقعی ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس ناموس اکبر کا نزول ہوا ہے۔ جس کا موسیٰ پر ہوا تھا یعنی وہ خدا کا امین فرشتہ جبرائیل علیہ السلام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کا نبی۔ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ گھبراؤ مت، ثابت قدم رہو۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے گھر واپس آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام گفتگو بیان کی اس سے آپ کو بہت حد تک تسلی ہوئی۔ اس کے بعد خود ورقہ پیغمبر پاک ؐ سے ملے اور کہا کہ بھتیجے! جو واقعات تم نے آنکھ سے دیکھے کان سے سنے ہیں، سب مجھ سے بیان کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری سرگزشت ورقہ سے دہرائی تو انہوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قسم خدا کی تم اس امت کے نبی ہو اور جو غار میں تمہارے پاس آیا وہ خدا کا

فرشتہ جبرائیل علیہ السلام ہے۔

اس سے پہلے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو عداس کے پاس بھی لے گئی تھیں۔ یہ شخص نصرانی تھا۔ نینویٰ کا رہنے والا تھا۔ یہ راہب ایسا عمر رسیدہ تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے بھنویں آنکھوں پر گر پڑی تھیں۔ جناب خدیجہ نے کہا کہ عداس میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں اور پوچھتی ہوں کہ تیرے پاس جبرائیل علیہ السلام کی بھی کوئی خبر ہے یعنی جبرائیل علیہ السلام کا کچھ تذکرہ آسمانی کتابوں میں بھی ہے؟ کیونکہ مکے اور نہ صرف مکے بلکہ سارے جزیرۂ عرب میں یہ لفظ نامانوس سا ہے۔ عداس نے کہا کہ قدوس قدوس اس سرزمین میں جہاں کے باشندے مشرک اور بت پرست ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام کا نام کیسا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں جو بات پوچھتی ہوں اس کا جواب دو۔ کہا جبرائیل علیہ السلام خدا کا امین ہے اور موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ اب جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کا سارا واقعہ عداس سے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ خدیجہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان آدمی کے پاس آ کر اسے عجیب و غریب باتیں بتاتا ہے۔ تم میرا یہ خط محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ۔ اگر وہ مجنوں یا آسیب زدہ ہیں تو اچھے ہو جائیں گے اور نبی ہیں تو ان کو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا گھر آئیں تو جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیات بآواز بلند پڑھ رہے تھے۔

نٓ والقلمہ وما یسطرون ○ ما انت بنعمۃِ ربک بمجنون ○

حضرت خدیجہ یہ آیات سن کر بہت خوش ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میرے ساتھ عداس کے پاس تشریف لے چلئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عداس کے پاس گئے تو اس نے پشت پر سے کپڑا اٹھایا اور مہر نبوت کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑا اور پکار کر کہنے لگا۔ خدا کی قسم تم ہی وہ نبی ہو جس کی موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام بشارت دے گئے ہیں۔

غم گسار

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نہ صرف نبوت کی تصدیق کی اور سب سے پہلے سرکار دو

عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں بلکہ آغاز اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی معین و مددگار تھیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو چند سال تک کفار مکہ اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اثر کام کر رہا تھا کیونکہ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں بہت زیادہ اثر تھا۔ بعثت کے آغاز میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

لقد خشیت علی نفسی

مجھے اندیشہ ہے کہ میری جان نہ نکل جائے۔

تو یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جنہوں نے کہا کہ

''خدا کی قسم' اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں' ہمیشہ سچ بولتے ہیں' لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں' ناداروں کی خبر گیری فرماتے ہیں۔ لوگوں کی امانتیں ادا کرتے ہیں اور مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ سے آپ کو ہر وقت تسلی وتشفی دیتی رہتی تھیں۔ گویا یہ غمخوار نبوت تھیں۔ دعوت اسلام کے سلسلہ میں جب مشرکین مکہ نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی نے آپ کو دلاسہ اور تسلی دی۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ ہوتا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔''

(ابن ہشام)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا شعب ابی طالب میں

جب محرم الحرام 7 نبوی میں قریش مکہ نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ لکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم اور ان کے حامیوں سے یک قلم تمام تعلقات منقطع کر لئے اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔ بنو ہاشم میں سے سوائے ابولہب کے ہر شخص اس گھاٹی میں محصور ہو گیا۔ ابولہب قریش کے ساتھ رہا۔ یہ محاصرہ تین سال تک رہا۔

حصار سخت تکلیف دہ تھا' یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز باہر سے سنائی دینے لگی۔ سنگ دل بلبلانے کی آواز سن کر خوش ہوتے لیکن جو ان میں رحم دل تھے ان کو سخت ناگوار گزرا۔

(طبقات ابن سعد' ابن ہشام)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شعب ابی طالب میں تمام بنو ہاشم کے ساتھ محصور تھیں اور ہر وہ تکلیف برداشت کر رہی تھیں جو دوسرے محصورین کو دی جاتی تھی۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ مکہ میں جب کوئی تجارتی قافلہ آتا تو ابولہب قافلہ والوں کے پاس جا کر اعلان کرتا۔ کہ کوئی تاجر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شے عام نرخوں پر نہ فروخت کرے بلکہ ان سے دگنی تگنی قیمت لے اور اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہو تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خریدنے کے لئے آتے لیکن نرخ کی گرانی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس لوٹ جاتے۔ مختصر یہ کہ ایک طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تہی دستی اور دشمنوں کی چیرہ دستی تھی اور دوسری طرف بچوں کا بھوک سے تڑپنا اور بلبلانا تھا۔

تین سال تک بنو ہاشم اس حصار میں رہے۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ پتے کھا کھا کر گزارا کیا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سخت بھوکا تھا۔ اتفاق سے رات کی تاریکی میں میرا پاؤں کسی تر چیز پر پڑا۔ میں اسے فوراً زبان پر رکھ کر نگل گیا۔ اب تک معلوم نہیں کہ وہ کیا شے تھی۔ تاہم اس زمانہ میں بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اثر ورسوخ سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے غلام کو ساتھ لے کر کچھ غلہ لے جا رہے تھے۔ جاتے ہوئے ابوجہل نے دیکھ لیا اور کہا کہ کیا تم بنو ہاشم کے لئے غلہ لے جاتے ہو۔ میں تمہیں ہرگز غلہ نہ لے جانے دوں گا اور سب میں تم کو رسوا کروں گا۔ اتفاق سے ابوالبختری سامنے آ گیا۔ واقعہ معلوم کر کے ابوجہل سے کہنے لگا۔ ایک شخص اپنی پھوپھی کے لئے غلہ بھیجتا ہے تم اس میں کیوں رکاوٹ بنتے ہو۔ ابوجہل کو غصہ آ گیا اور سخت سست کہنے لگا۔ ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابوجہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ مار کھانے سے زیادہ ابوجہل کو اس کی تکلیف پہنچی کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شعب میں سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ (ابن ہشام)

بالآخر تین سال کی مسلسل مصیبت کا خاتمہ ہوا اور 10 نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال قبل بنو ہاشم شعب سے باہر نکلے۔

وفات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شعب ابی طالب سے باہر آئیں لیکن اب مسلسل تکالیف و مصائب کے باعث سیدہ رضی اللہ عنہ کی صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ آخر نکاح کے بعد 25 سال زندہ رہ کر ماہ رمضان یا شوال 10 نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال قبل انتقال فرما گئیں۔ رمضان یا شوال ہی میں حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا۔

وفات کے وقت آپ کی عمر 64 سال 6 ماہ تھی چونکہ نماز جنازہ اس وقت تک شروع نہیں ہوئی تھی لہذا انہیں بھی اس طرح دفن کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے اور اپنی سب سے زیادہ غمگسار بیوی کو قبر کی آغوش میں رکھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہ کی قبر جنت المعلی (حجون) میں ہے اور زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے تاریخ اسلام کا ایک نیا دور شروع ہوا اور یہ زمانہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سخت ترین زمانہ ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ سال عام الحزن کے نام سے مشہور ہے کیونکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے رخصت ہو جانے سے ایک تو کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا اور دوسرے کفار نے نہایت بے رحمی اور بے باکی کے ساتھ آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ کفار پہلے بھی آپ کو کافی تکلیف دیتے تھے۔ لیکن خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر آپ کو کافی تسلی ہو جاتی تھی اور ستانے کی تکلیف کا مداوا ہو جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تمام عمر یاد فرماتے رہے بلکہ جس طرح ان کی حیات دنیوی میں ان کی سہیلیوں سے اچھا سلوک فرماتے' ان کے انتقال کے بعد بھی آپ کا رویہ آپ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں سے وہی رہا بلکہ پہلے سے بہت بہتر رہا۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب بھی کوئی شے لائی جاتی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فلاں سہیلی کے گھر لے جاؤ۔"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کو فلاں کے گھر بھیج دو کیونکہ وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرتی تھی۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بڑھیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا۔ جثامہ المزنیہ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تو حسانۃ المزنیہ ہے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی خیر و عافیت پوچھی۔ اس نے جواب دیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں خیریت سے ہوں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ عورت کون ہے؟ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں جو کچھ آپ اس بڑھیا کے لئے کر رہے تھے یہ اور کسی دوسرے کے لئے آپ نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"اے عائشہ رضی اللہ عنہا یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور عہد کو پورا کرنا بھی ایمان میں سے ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محبت کی تکریم بھی ایمان کا جزو ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کے صلہ میں یہ فضیلت عطا فرمائی کہ انہیں جنت کی عورتوں میں سے افضل قرار دیا۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط رقم فرمائے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم جانتے ہو کہ یہ خط کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"افضل نساء اهل الجنته خديجه بنت خويلد رضى الله عنها و فاطمه بنت محمد و مريم بنت عمران و آسيه بنت مزاحم' امراة فرعون

جنت کی عورتوں میں سے سب سے افضل یہ چار عورتیں ہیں۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مریم رضی اللہ عنہا بنت عمران اور آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم جو فرعون کی بیوی تھیں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ خاص خصوصیت ہے اور اس میں کوئی دوسری ام المومنین ان کی شریک نہیں ہیں۔

پھر نہ صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''افضل نساء اہل الجنۃ'' فرمایا بلکہ ایک روایت میں انہیں ''خیر نساء العالمین'' یعنی تمام جہانوں کی عورتوں سے بہتر فرمایا چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیرنساء العالمین مریم بنت عمران و خدیجه بنت خویلد و فاطمه بنت محمد صلی الله علیه وسلم و آسیه امراة فرعون

تمام جہانوں میں سب سے بہتر چار عورتیں ہیں۔ مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور فرعون کی بیوی آسیہ

غرض جس قدر اسلام اور پیغمبر اسلام کی مدد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کی اتنی کسی نے نہیں کی۔ ان کی ثابت القلبی اور مستقل مزاجی نے ایسے نازک وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بندھائی جب وہ سب طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی میں ایک نہایت مضبوط اور زبردست بازو تھیں اور ہر وقت ایک بڑے مستعد مددگار کی طرح آپ کی مدد کے لئے تیار رہتی تھیں۔ وہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں اور سب سے پہلے آپ کے حکم کی تعمیل بجالائیں چنانچہ امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول خدا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جب گھر میں تشریف لاتے تو خدیجہ کا ذکر کر کے انکی بہت تعریف کرتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے معمول کے مطابق ان کی تعریف کرنی شروع کی۔ مجھے رشک آیا میں نے کہا کہ وہ تھیں کیا۔ ایک بوڑھی بیوہ عورت تھیں۔ خدا نے آپ ﷺ کو ان کے عوض ان سے بہتر بیوی عنایت کی۔ یہ سن کر رسول اللہ کا چہرہ مبارک مارے غصے کے تمتما اٹھا اور فرمانے لگے کہ خدا کی قسم ان سے اچھی بیوی مجھے نہیں ملی وہ ایمان لائی اس وقت جبکہ سب لوگ کافر تھے۔ انہوں نے میری تصدیق کی تھی جبکہ سب لوگ مجھے جھٹلاتے۔ انہوں نے اپنا سارا دھن مال مجھ پر فدا کر دیا تھا جبکہ سب لوگوں نے مجھ کو محروم کر دیا۔ خدا نے ان کے بطن سے مجھے اولاد عطا کی جو کسی اور بیوی سے نہیں ہوئی۔ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے اس روز سے اپنے

دل میں عہد کر لیا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبھی ایسی بات نہیں کہوں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر پورا بھروسہ رکھتے اور تمام معاملات میں ان سے مشورہ لیتے اور نہ صرف مشورہ لیتے بلکہ ان کے مشورے کے مطابق عمل کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے پیغمبر پاک کو اس قدر رنج پہنچا کہ ان کے بعد اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں نہ آتیں تو اس رنج کی کچھ بھی تلافی نہ ہوتی جب تک جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں مخالفین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور زیادہ تکلیف دہی کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کا انتقال ہونا تھا کہ چاروں طرف سے مصیبتوں کا پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے حالات جو ہم نے سیرت اور احادیث کی کتابوں سے لکھے ہیں۔ ان میں کوئی بات ایسی نہ تھی کہ کوئی بدگمان ان کی نسبت شک کا اظہار کر سکے۔ ان حالات سے دوست دشمن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں کو صرف دین داری کے تقاضے نے نکاح پر آمادہ کیا تمام حالات میں ایک ہی بات ہے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کا نسطورا راہب سے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ورقہ بن نوفل اور عداس سے معلوم کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی پیغمبر موعود ہیں۔ سو یہ کچھ باعث حیرت نہیں اس سے تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ تورات اور انجیل دونوں میں خدا کا وعدہ تھا کہ میں ایک پیغمبر بھیجوں گا۔ اس وقت سے لوگ اپنی اپنی سمجھ اور علم کے مطابق قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ اگر نسطورا راہب اور ورقہ بن نوفل اور عداس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر موعود سمجھا تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ نسطورا راہب ورقہ بن نوفل اور عداس نے کیا سمجھا ایسے سینکڑوں ہزاروں افراد نے انہیں پیغمبر ہی سمجھا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے پیغمبر پاک پر تکثیر کا اعتراض تو وارد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ آپ کا پہلا نکاح تھا۔ وہ لوگ دوسرے سے زن و اولاد کے تعلقات کو خلاف شان پیغمبری سمجھتے ہیں تو اس کا جواب جعلنا لھم ازواجا و ذریۃ کی صورت خود قرآن میں موجود ہے ہم تو سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی پیغمبر سے واقف نہیں جو زن و اولاد کے تعلقات سے پاک صاف رہا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ان تعلقات سے بری رہنے کی امت کو تعلیم نہیں دی ہاں خود تجرید کی۔ زندگی

بسر کر کے زن واولاد سے بے تعلقی کا نمونہ دکھایا کہ یہ بھی ایک طرح کی تعلیم ہے تو ان کی زندگی ہی کیا تھی۔ کل 33 برس بنی اسرائیل کی مخالفتوں سے ان کو نکاح کا خیال نہ آیا ہوگا۔

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آنحضرت ﷺ کے یہاں سات اولادیں ہوئیں چار صاحبزادیاں زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ، ام کلثوم، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور تین صاحبزادے قاسم، طاہر اور عبداللہ رضی اللہ عنہم صاحبزادوں میں سب سے بڑے قاسم تھے اور صاحبزادیوں میں زینب رضی اللہ عنہا، یہ چاروں صاحبزادیاں اور تینوں صاحبزادے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے بلکہ تینوں صاحبزادے تو نبوت سے پہلے ہی وفات بھی پا گئے تھے۔ صاحبزادیوں نے نبوت کا مبارک زمانہ پایا اور تمام مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو سب بہنوں میں بڑی تھیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور ان کی ولادت کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تیس برس کی تھی۔ ان کا نکاح ابوالعاص بن الربیع سے ہوا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھانجے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ابوالعاص سے ایک صاحبزادے علی اور ایک صاحبزادی امامہ پیدا ہوئیں۔ علی بلوغ کے قریب پہنچ کر انتقال کر گئے اور امامہ جوان ہو کر فاطمۃ الزہراؓ کے انتقال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیاہی گئیں۔ جب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی تو امامہ کا دوسرا عقد مغیرہ بن نوفل بن حارث ﷺ سے ہوا اور ان سے ایک فرزند یحیٰ پیدا ہوئے

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا پہلا عقد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوا اور پھر دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفان کے عقد میں آئیں یعنی پہلے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے انتقال کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں۔

حضرت عثمانؓ کے ہاں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ایک صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے جو ۶ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ حضرت عثمان کی کنیت ابوعبداللہ ان ہی سے مشہور ہوئی حضرت ام کلثوم سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی فاطمۃ

الزہرا رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں ان سے تین صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ محسن رضی اللہ عنہ اور دو صاحبزادیاں ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہما پیدا ہوئیں۔ محسن تو حالت رضاعت ہی میں انتقال کر گئے جبکہ حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ بڑے ہو کر صاحب اولاد ہوئے۔ حسن رضی اللہ عنہ نے زہر کے صدمے سے وفات پائی اور حسین رضی اللہ عنہ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

عائشہ بنت عبداللہ المعروف ابوبکر بن عثمان المعروف ابوقحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب آپ کا نام عائشہ' کنیت ام عبداللہ' لقب صدیقہ ہے' والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جبکہ والدہ کا نام ام رومان ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والد کی طرف سے قریشیہ ہیں۔ نسب چھ واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے جا ملتا ہے اور ماں کی طرف سے کنانیہ ہیں۔ والدہ ام رومان' عامر بن عویمر بن عبد شمس بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن الحارث بن غنم بن کنانہ کی بیٹی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ماں باپ کی اکلوتی بیٹی نہ تھیں کہ ان کی پرورش کی خاطر والدین کو چاہتے نہ چاہتے زیادہ توجہ دینا پڑتی۔ ان کے اور بھائی بہن بھی تھے لیکن جس چیز نے والدین کی نظروں میں انہیں زیادہ عزیز اور باوقعت ثابت کیا۔ وہ ان کی غیر معمولی ذہانت' طبیعت کی تیزی' خداداد حسن صورت' سلیقہ شعاری' ادب اور بلند خیالی تھی۔ والدین انہیں سب بچوں سے زیادہ پیار کرتے اور اسی وجہ سے ان کی پرورش میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ اسی سبب سے دوسرے بھائی بہنوں کی نسبت ان کی پرداخت بھی بہت اچھی ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت مدینہ کے تین برس پہلے ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ ہوا اس کا کسی طور اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور یہ امر تھا بھی باعث صدمہ کہ خانہ داری کا سارا انتظام ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے علاوہ مخالفین کی شورش کچھ انکی وجہ سے اور کچھ جناب ابوطالب

کے رعب کے باعث دبی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے آگے پیچھے انتقال کرتے ہی کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نو مسلموں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانی شروع کر دیں جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدمہ زیادہ بڑھ گیا۔ ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی غم خواری اور دلدہی کو یاد کر کے سخت مغموم ہوئے۔ صبح حکیم بن الاوقص کی بیٹی عثمان بن مظعون صحابی کی بیوی خولہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کوئی نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دینی بھائی ہیں اور وہ شروع سے آپ کے دکھ درد کے شریک رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اچھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور زمعہ سے جا کر کہو۔ خولہ خوشی خوشی پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گئیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو گھر موجود نہ تھے لہٰذا انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان سے کہا کہ بی بی مبارک ہو خدا تعالیٰ نے آپ کے لئے بڑی خیر و برکت کا سامان کر دیا ہے۔ ام رومان نے پوچھا وہ کیا؟ کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پاس اس غرض سے بھیجا ہے ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا کہ خولہ کیا عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو سکتا ہے؟ میرے خیال میں تو نہیں ہو سکتا کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی کہلاتے ہیں۔ اس طرح عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہوئی اور چچا بھتیجی میں نکاح کیسا؟ لیکن تم ذرا دیر ٹھہرو عائشہ کے والد آنے ہی والے ہیں ان سے کہو وہ کوئی معقول جواب دیں گے۔ تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور خولہ نے ان سے بھی وہی کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خدا نے آپ کے لئے بڑی خیر و برکت کا سامان کر دیا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ کے ساتھ اپنے نکاح کا تم کو پیغام دیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں یہ پیغام بخوشی منظور کرتا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ میں آنحضرت کا بھائی ہوں اور خولہ کیا ایک بھائی کی لڑکی دوسرے بھائی کے لئے حلال ہے۔ خولہ نے کہا تم صبر کرو میں ابھی جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھ آتی ہوں چنانچہ خولہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے دینی

بھائی ہیں' قرابتی بھائی نہیں اور ایک دینی بھائی کی لڑکی سے دوسرے دینی بھائی کا نکاح ہو سکتا ہے۔ خولہ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور انہوں نے اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ ہجرت مدینہ کے ایک برس بعد جب ان کی عمر نو جوانی کی تھی' وداع کی گئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں صرف آپ ہی کنواری تھیں باقی سب دہاجنیں تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض وفات پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات کو جمع کر کے فرمایا کہ اگر تم سب اجازت دو تو میں ایام علالت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزاروں کیونکہ وہاں میری تیمارداری اچھی طرح ہوگی۔ تمام ازواج تو ہر لحہ آپ کی خوشی کی متمنی ہوتی تھیں۔ لہٰذا سب نے عرض کیا کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہولت اور آرام میسر ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بخوشی قیام کریں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ وفات تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی واقعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکثر مواقع پر فخریہ انداز میں بیان کرتی تھیں کہ یوں تو خدا کے مجھ پر بہت سے احسان ہیں مگر ایک وہ احسان جس کے ساتھ اس نے مجھے مخصوص فرمایا۔ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو اپنی بیویوں سے اجازت لے کر زمانہ وفات تک میرے ہی گھر رہے اور میری ہی باری کے دن میری ہی گود میں آپ نے وفات پائی اور میرے ہی حجرے میں مدفون ہوئے۔ (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ عید کے موقع پر حبشیوں کے چند لڑکے مسجد نبوی کے صحن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے سامنے ایک کھیل کھیل رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم ان کا تماشا دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں' فرمایا تو اچھا میری پیٹھ کے پیچھے کھڑی ہو جاؤ۔ میں اپنی تھوڑی آپ کے بازو پر رکھ کر کھڑی ہو گئی اور کھیل دیکھنے لگی اور اتنی دیر کھیل دیکھتی رہی کہ من اکتا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دوران میری خاطر کھڑے رہے۔ اب اندازہ کریں کہ نو عمر اور کھیل کود کی حریص لڑکی کس قدر کھیل کی آرزو مند ہوتی ہے بس یہی حال میرا تھا یعنی میں بہت دیر تک تماشا

دیکھتی رہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری خاطر کھڑے رہے۔ (بخاری ومسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس قدر محبت صرف اس لئے نہ تھی کہ وہ حسین اور خوبصورت تھیں۔ دوسری ازواج مطہرات مثلاً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ان سے بہت زیادہ خوبصورت تھیں بلکہ اپنی دانشمندی اور فضائل حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کی وجہ سے عزیز تھیں اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات گھریلو معاملات میں ان ہی سے مشورہ لیا کرتے اور یہ ایسی تدبیر بتاتیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر عمل کرنے میں ذرا بھی تردد نہ ہوتا۔ ان کی زبان نہایت صاف اور شستہ تھی اور گفتگو میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ معقولیت اور اثر آفرینی زیادہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو ان ہی سے باتیں کرتے اور جب ان کی گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے سنا کرتے۔ چونکہ باتیں معقول اور نتیجہ خیز ہوتی تھیں۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت پسند فرماتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فطرتاً رحم دل اور خوش خلق تھے اور عموماً اپنی بیویوں کے ساتھ خوش خلقی نرمی اور حسن معاشرت کے ساتھ پیش آتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب نئی نئی بیاہی گئیں تو ان کی والدہ ام رومان نے اس خیال سے کہ لڑکی نو عمر ہے۔ پہلے پہل تنہا گھر میں رہے گی تو کہیں طبیعت اکتا نہ جائے۔ انصار مدینہ کی لڑکیوں کو جو ان کی ہمجولیاں تھیں۔ ان کے ساتھ کھیلنے کو بھیج دیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے بیٹھ جاتیں۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آ نکلتے تو لڑکیاں ادھر ادھر چھپ جاتیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک ایک کو پکڑ پکڑ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجتے اور فرماتے کہ جاؤ کھیلو اور کسی بات کا خوف نہ کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنی بیویوں سے خوش طبعی بھی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ غزوہ تبوک یا حنین سے واپس تشریف لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک بڑا طاق یا دیواری الماری تھی۔ اس پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ طاق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گڑیاں گڈے بنے سنورے ترتیب کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ہوا چلی اور پردہ اٹھ گیا۔ پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے طاق میں پڑی گڑیوں کی طرف اشارہ کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہ

کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے کھیلنے کا گڑیاں، گڑیوں کے درمیان کپڑے کا ایک گھوڑا بھی تھا جس کے کاغذ کے دو پر بھی تھے۔ پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اور یہ کیا ہے جواب دیا۔ گھوڑا' فرمایا او ہو گھوڑے کے پر بھی ہوا کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے برجستہ جواب دیا کہ آپ نے سنا نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے پردار گھوڑے تھے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ (بخاری)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر محبت اور مہربانی کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کا حد سے زیادہ ادب کرتی تھیں اور شوہر کے طور پر آپ کی بے انتہا عزت کرتیں۔ ساری عمر میں بھی ایسا موقع نہیں آیا کہ اپنے مرتبے کی حد سے تجاوز کیا ہو۔ جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شان یا خلاف طبیعت ہوتی۔ اس کو عمل میں لانے کی جرأت ہی نہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو اور خارجی معاملات کو دریافت کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتیں اور معلوم ہونے پر ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا راز سمجھ کر محفوظ رکھتیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بہترین بیوی ہونے کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ افک کے قصہ میں ان کی برأت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمائی۔ یہ قصہ قرآن پاک کی سورہ نور کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں مختصراً اور کتب احادیث و تفاسیر میں تفصیلاً مذکور ہے۔ جناب رسالت مآب جب کبھی سفر کو تشریف لے جاتے تو امہات المومنین میں قرعہ ڈال لیا کرتے۔ جن کے نام کا قرعہ نکلتا۔ ان ام المومنین کو ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ ہجرت کے پانچویں برس غزوہ بنی مصطلق سے پہلے ایک غزوہ کے لئے جاتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ ڈالا۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئیں واپسی پر مدینہ تھوڑی دور تھا کہ ایک جگہ مقام ہوا اور کچھ رات ابھی باقی تھی کہ چل کھڑے ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے پڑاؤ سے باہر چلی گئی تھیں۔ وہاں ان کا منکوں والا ہار جو چلتے وقت اپنی بہن اسماء سے مانگ لائی تھیں' ٹوٹ کر گر پڑا۔ پڑاؤ کے پاس آئیں تو ہار گرنے کا معلوم ہوا۔ اس کی تلاش میں پھر واپس گئیں اور وہاں ڈھونڈنے لگیں اس دوران لشکر کوچ کر گیا۔ یہ واپس آئیں تو اس جگہ کسی کو نہ پایا۔ خیال کیا کہ آخر کوئی نہ کوئی مجھے ڈھونڈنے آئے گا اپنی جگہ بیٹھ گئیں اور بیٹھے بیٹھے سو گئیں۔ اس وقت یہ

رواج تھا کہ لشکر کے پیچھے ایک آدمی رہا کرتا جو لوگوں کی گری پڑی چیز اٹھا لیتا۔ اتفاق سے یہ آدمی صفوان بن معطل تھا۔ اس نے دور سے آدمی کا ہیولہ دیکھ کر آواز دی اور جب معلوم ہوا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر پرے ہٹ گیا۔ خود اونٹ سے اتر پڑا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر بٹھا کر مہار ہاتھ میں لے کر آگے آگے چلنے لگا۔ دوسری طرف لشکر منزل پر پہنچا اور لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو گم پایا تو آپس میں صلاح و مشورہ اور قیاس کرنے لگے۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آ پہنچیں اور صفوان نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ بات تو اتنی ہی تھی مگر منافقوں نے اس پر خوب خوب حاشیہ آرائی کی۔ سب سے زیادہ عبداللہ بن ابی نے اس کا چرچا کیا۔ بہت سے مسلمان بھی اس آفت میں پھنسے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے اور منافقوں کی چہ میگوئیاں سنیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کشیدہ رہنے لگے۔ اتنے میں یہ بیمار ہو گئیں۔ اگرچہ ان کو منافقوں کے بہتان و افترا پردازی کی ابھی تک کچھ بھی خبر نہ تھی لیکن اتنا تو یہ بھی جانتی تھیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو لطف و مہربانی اس سے پہلے بیماری کی حالت میں ان کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اب نہیں کرتے گھر تشریف لاتے ہیں تو صرف اس قدر پوچھ لیتے ہیں کہ تم کیسی ہو اور بس۔

اتفاق سے ایک دن شام کو جھٹ پٹے کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسطح کی ماں جو رشتے میں ان کی پھوپھی تھیں کو ساتھ لے کر قضائے حاجت کے لئے مدینے سے باہر تشریف لے گئیں۔ مسطح اگرچہ مہاجر مسلمان تھا اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوا تھا مگر بدقسمتی سے منافقوں کے ساتھ اس چرچے کی آفت میں پھنس گیا تھا۔ الغرض جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس لوٹیں تو مسطح کی ماں اپنی چادر میں الجھ کر گر پڑی اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ مسطح تباہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کے لہجے میں کہا کہ تم ایسے شخص کو برا کہتی ہو جو بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جنگ رہا۔ ام مسطح بولی کہ اے بھولی بھالی بی بی، تمہیں کیا معلوم کہ اس نے تم پر کیسا بہتان لگایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چونک کر کہا کہ کیسا بہتان۔ ام مسطح نے کہا کہ میرا عقیدہ اور یقین تو یہ ہے کہ تم منافقوں کے بہتان سے بالکل پاک صاف ہو اور تم ہی جیسی پاک اور عصمت مآب بی بی کو خدا نے اپنے مقدس پیغمبر

کے لئے پیدا کیا مگر منافقوں نے خدا ان کا منہ کالا کرے۔ تمہاری نسبت ایسی ایسی باتیں اڑا رکھی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار تو پہلے ہی سے تھیں۔ اس رنج کے صدمے سے رہی سہی اور بھی نڈھال ہوگئیں اور زار و قطار روتی ہوئی گھر آئیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اجازت لے کر میکے چلی گئیں اور ام رومان اپنی والدہ سے کہا کہ لوگ جو یہ چرچا کر رہے ہیں کیا ہے؟ ام رومان نے جواب دیا کہ بیٹا! مجھے ان باتوں سے معاف رکھو‘ لوگوں کے اس چرچے سے میرے تو ہوش و حواس جا چکے ہیں۔ اس بارے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتی کہ جب ایک عورت اپنے خاوند کو زیادہ پیاری ہوتی ہے تو اس کی سوکنوں کو ہمیشہ اس پر رشک آتا ہے اور وہ چاہتے نہ چاہتے اس پر نکتہ چینی کرتی رہتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والدہ کی یہ گفتگو سن کر نہایت رنجیدہ ہوئیں اور شام سے روتے روتے صبح کر دی۔ صبح کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹی کی مزاج پرسی کو آئے اور انہیں روتا دیکھ کر ام رومان سے رونے کا سبب پوچھا۔ ام رومان نے کہا کہ منافقوں کے چرچے کی عائشہ کو اب خبر ہوئی ہے اور اسی وجہ سے اس نے روتے روتے آنکھیں سجا لی ہیں۔ ابوبکر ؓ روتے ہوئے بیٹی کے پاس آئے اور کہنے لگے بیٹا رو مت ~ اگر تم واقعی اس الزام سے پاک ہو جو منافقوں نے تمہارے سر عائد کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم حقیقت میں پاک ہو تو خدا عنقریب اس کا کوئی رستہ نکال دے گا۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑنے کا مشورہ لیا۔ حضرت اسامہ ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی بیوی ہیں اور ہم نے ان میں سوائے بھلائی اور نیکی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ خدانخواستہ ان میں کوئی عیب کی بات ہوتی تو خدائے علوم الغیوب ان کو آپ کی خدمت کا شرف ہرگز نہ دیتا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ خدا کی طرف سے عورتوں کے بارے میں آپ پر کچھ تنگی تو نہیں ہے اور دنیا میں عورتوں کا کال بھی نہیں لیکن آپ کو گھر کی لونڈی بریرہ سے دریافت کرنا چاہئے جو بات ہوگی وہ صاف صاف کہہ دے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلا کر دریافت کیا تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس بات کے علاوہ اور کوئی بات نہیں دیکھی کہ وہ نوعمر لڑکی

ہے۔ گھر کا آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مہاجرین وانصار کو مسجد میں جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا۔ اے گروہ مسلمانان تم میں سے کون سا آدمی اس شخص کے مقابلے میں میری مدد وحمایت کے لئے کھڑا ہوتا ہے جس نے میری اہلیہ پر تہمت لگا کر مجھے سخت تکلیف دی۔ خدا کی قسم جہاں تک مجھے معلوم ہے مجھے اپنی بیوی میں نیکی اور بھلائی کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا اور جس مرد یعنی صفوان بن معطل کی نسبت لوگ باتیں بناتے ہیں۔ میں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں دیکھتا۔ وہ بے شک میرے گھر آتا جاتا تھا مگر ہمیشہ میری موجودگی میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ میری غیر موجودگی میں میرے گھر گیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ تقریر سن کر انصار کے سردار سعد بن معاذ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی حمایت کو تیار ہوں۔ اگر وہ ہمارے قبیلۂ اوس میں سے ہے تو میں خود اس موذی کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا اور اگر ہمارے بھائی خزرجیوں میں سے ہے تو جو آپ حکم فرمائیں گے تعمیل میں کوتاہی نہ ہوگی۔ اس پر سعد بن عبادہ جو خزرجیوں کے سردار تھے اور عبداللہ بن ابی منافق جو اسی قبیلے میں سے تھا اٹھے اور کہنے لگے کہ سعد بن معاذ تمہاری یہ ساری تقریر بالکل فضول ہے۔ خدا کی قسم تم ہمارے کسی آدمی پر ہاتھ بھی اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ سعد بن عبادہ نیک اور متحمل مزاج آدمی تھے مگر اس موقع پر ان کو غیرت قومی نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا اور وہ بھی صرف سعد بن معاذ کے مقابلے میں۔ اسید بن حضیر جو سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی تھے۔ سعد بن عبادہ سے مخاطب ہو کر بولے کہ تم بالکل جھوٹ کہتے ہو خدا کی قسم ہم ضرور ایسے موذی آدمی کو قتل کریں گے۔ بے شک تم منافق ہو اور منافق کی طرف سے جھگڑ رہے ہو۔ اسید کا یہ کہنا تھا کہ دونوں قبیلوں میں غضب کا جوش پیدا ہو گیا اور ایک دوسرے سے کشت وخون پر آمادہ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جھٹ منبر سے اتر آئے اور کمال نرمی وتحمل سے دونوں قبیلوں کو خاموش کر دیا۔ دوسری طرف عائشہ رضی اللہ عنہا روتے روتے اس قدر ہلکان ہو گئیں کہ ان کے والدین کو خیال ہوا کہ ان کا جگر پھٹ جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں اور ان کے والدین ان کے پاس افسردہ بیٹھے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سلام کے بعد ان کے پاس بیٹھ گئے حالانکہ اس سے پہلے جب سے منافقوں نے بہتان طرازی کی کبھی نہیں بیٹھے تھے۔ ادھر

ایک مہینہ پورا گزر گیا کہ پیغمبر پاکؐ پر وحی نہیں اتری۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھتے ہی فرمایا عائشہ! مجھے تمہاری نسبت فلاں فلاں باتوں کی خبر ملی ہے۔ اگر تو تم ان سے پاک ہو اور تمہارا دامن منافقوں کے چرچے کی گندگی سے آلودہ نہیں ہے تو عنقریب خدا تمہاری صفائی اور معصومیت ظاہر کر دے گا اور اگر تم گناہ کی مرتکب ہوئی ہو تو خدا سے معافی مانگو اور اس کی جناب میں توبہ کرو کیونکہ گناہگار آدمی جب توبہ کرتا ہے تو خدا اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ نبی کریمؐ جب یہ گفتگو کر چکے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پرنم آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگا۔ اور انہوں نے اپنے والد کی طرف سے چہرہ کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال کا جواب میرے پاس تو نہیں ہے۔ آپ جواب دیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو جواب نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ماں ام رومان سے کہا کہ آپ ہی کچھ جواب دیں۔ انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ تب انہوں نے حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ لوگوں کی سنی سنائی باتیں آپ کے دلوں پر پتھر پر نقش کی طرح بیٹھ گئی ہیں اور یہ جھوٹی افواہیں آپ کے نزدیک مرتبہ تصدیق پر پہنچ چکی ہیں۔ حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں بالکل پاک اور بے لوث ہوں۔ میری تمہاری وہی کیفیت ہے جو یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہی تھی کہ فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے بچھونے پر مغموم جا لیٹیں۔ یہ اتنا تو جانتی تھیں کہ خدا ان کو منافقوں کے الزام سے ضرور بری کرے گا لیکن اس کا وہم و خیال بھی نہ تھا کہ ان کی شان میں ایسی محکم وحی نازل ہوگی جو قیامت تک حافظوں کے سینوں اور قاریوں کی زبانوں پر جاری رہے گی۔ ان کو صرف یہ توقع تھی کہ خدا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا تو خواب میں کوئی ایسا واقعہ دکھا دے گا جس سے میری برأت ہو جائے گی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کوئی ایسی بات ڈال دی جائے گی۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی مجلس میں تشریف فرما تھے اور گھر کے لوگوں میں سے ابھی تک ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار مترتب ہونے لگے۔ باوجود اس کے کہ سخت سردی پڑ رہی تھی آپ کے چہرہ مبارک سے پسینے کے قطرے انار کے دانوں کی طرح ٹپک رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً آپ کو کپڑا اوڑھا دیا اور سر کے نیچے لپیٹ کر بڑا سا چمڑے کا تکیہ رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ سے کپڑا اٹھایا اور مسکراتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ سب سے پہلے جو الفاظ آپ کی زبان مبارک سے نکلے وہ یہ تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمہیں خوش ہونا چاہئے۔ خدا کی قسم تم منافقتوں کے الزام سے بالکل پاک ہو۔ خدا نے تمہاری برأت کی آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ پھر آپ نے سورۂ نور کے دوسرے اور تیسرے رکوع کی آیات پڑھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بے گناہی اور برأت سن کر جوش مسرت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے اصحاب کا نہیں بلکہ خدا کا شکر کرتی ہوں کہ اس نے اپنے کلام پاک میں میری برأت نازل فرمائی۔ اس پر ان کی والدہ ام رومان نے کہا نہیں بیٹی پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر ان کی عنایت و مہربانی کا شکریہ ادا کرو۔ غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر چڑھ کر سورہ نور کی آیات تلاوت کیں اور عبداللہ بن ابی حضرت ابوبکرؓ کے بھانجے مسطح، حمنہ بنت امیمہ بنت عبدالمطلب اور حسان بن ثابت چار افراد کو حد قذف کا سزاوار قرار دیا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چھبیس یا اٹھائیس برس تھی۔ لگ بھگ نو برس آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے شرف سے فیضیاب ہوئیں لیکن یہ ان کی خداداد ذہانت اور فطری دانشمندی کا نتیجہ تھا کہ اسی قلیل عرصے میں ان کو حدیث و فقہ میں اس قدر کمال حاصل ہو گیا تھا کہ بڑے بڑے صحابہ ان کی معلومات کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ علم فرائض اور مسائل میراث کے حل کرنے میں ان کو وہ قدرت حاصل تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر خلیفہ نے ایک دو بار نہیں بلکہ کئی بار میراث کے مسائل ان سے دریافت کئے اور انہوں نے فوراً انہیں حل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور حدیث کے عالم ان سے حدیثیں سنتے اور پھر انہیں لوگوں سے بیان کرتے تھے۔ جن تابعین نے ان سے روایت حدیث کی ہے ان کی تعداد بے شمار ہے۔ عطا بن ابی رباح جو ایک مشہور تابعی ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے وقت کے تمام لوگوں سے زیادہ

فقیہہ تھیں اور ان کی رائے عام مسائل میں سب سے احسن اور خوب تصور کی جاتی تھی۔ مشکل سے مشکل مسائل کو نہایت آسانی سے حل کر دیتیں۔

حدیث و فقہ کے علاوہ ایام جاہلیت کے حالات و واقعات اور شعرائے متقدمین کے اشعار اور فن طب کے رموز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ دوسرا نہیں جانتا تھا چنانچہ عروہ جو خود بھی بڑے پائے کے عالم تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے فقہ طب اور شعر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی معلومات کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اس زمانے کی عورتوں کی تو بات ہی کیا مرد بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ محدثین کا یہ کہنا درست ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ذہین اور صاحب علم خاتون کچھ عرصہ اور زندہ نہ رہتیں تو علم حدیث کا آدھا حصہ یقیناً ضائع ہو جاتا۔ انکی عالمانہ اہمیت اور دانشمندانہ رعب لوگوں کے دلوں میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ بڑے بڑے صاحب مرتبہ افراد ان کے سامنے آنے سے ہچکچاتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فیاضی اور مروت سے آگاہی کی خاطر صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی سوکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروت کا بینظیر سلوک کیا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ابولؤلؤ مجوسی کے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے جاں بلب ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادے عبداللہ ﷺ سے کہا کہ جب میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جا کر میرا اسلام عرض کرنا کہ اگر آپ مہربانی کرتے ہوئے اجازت دیں تو عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کے محترم شوہر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں اور آپ کے والد بزرگوار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کر دیں۔ عبداللہ تم عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہایت لجاجت اور سماجت کے ساتھ میری یہ عرض پیش کرنا اگر وہ بخوشی اجازت دیں تو بہت بہتر ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور میری خواہش کی خاطر ام المومنین کے دل کو ہرگز میلا نہ کرنا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں مدفون ہوئے تھے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جس طرح زندگی میں ہمیشہ آپ کے ہمدم ہم قدم رہے انتقال کے بعد بھی آپ کی

رفاقت ومؤانست سے الگ نہ ہوئے یعنی اسی ایک حجرے میں دفن کئے گئے ان دونوں کے دفن ہونے کے بعد حجرے میں صرف ایک قبر کی جگہ باقی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو اپنے لئے وقف کرلیا تھا۔ کسی مسلمانوں کو اور خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہوسکتی تھی کہ وہ نبیوں کے سردار اپنے شوہر اور بزرگ والد کے پہلو میں دفن ہو لیکن جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کا پیغام ان کو دیا تو انہوں نے بڑی خوشی سے کہا کہ عبداللہ تمہیں معلوم ہے کہ جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں مدفون ہوئے خالی جگہ کو میں نے اپنے لئے متعین کر رکھا تھا مگر چونکہ تمہارے والد نے اسلام پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی بے حد خدمت کی ہے لہٰذا میں خود کو اس قابل نہیں پاتی کہ ان کی خواہش پر اپنی خواہش کو ترجیح دوں۔ بے شک تم امیر المومنین کا جنازہ یہاں لے آؤ۔ میں خوش ہوں کہ ان کو میرے حجرے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق کے پہلو میں دفن کردو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی مگر انہوں نے اپنی بڑی بہن حضرت اسماء کے بڑے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لی تھی۔ **57** یا **58** ہجری میں رمضان کی **17** ویں تاریخ شب چہار شنبہ کو انتقال فرمایا اور اسی رات مدینے کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عروہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتوں قاسم بن محمد، عبداللہ بن محمد اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے ساتھ مل کر قبر میں اتارا۔ حضرت عائشہ کے فضائل وخصائل کتب احادیث میں اتنے زیادہ ہیں کہ انہیں درج کرنے کیلئے ایک الگ کتاب درکار ہوگی۔

کسی مجلس میں ایک شخص نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو برے لفظوں سے یاد کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سن کر برا مانا اور کہا کہ اگر انہوں نے منافقین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر میرے متعلق غلط بات کہہ دی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کتنا کچھ کہا ہے۔ اب آیئے ذرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ

عنہ و عائشہ رضی اللہ عنہا کے باہمی تعلقات پر ایک نظر ڈالیں۔ ان کی آپس کی رشتے داریاں ہمیں معلوم ہیں۔ عمریں معلوم ہیں۔ اسلامی خدمات معلوم ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے ساتھ جس طرح کا برتاؤ کرتے تھے۔ وہ معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی حیثیت کتنی اہم ہے۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد امہات الامہ میں لکھتے ہیں کہ ان لوگوں میں منافسہ تو مدت سے قائم تھی۔ بعد کے واقعات نے منافسہ کو محاسدہ بنا دیا کیونکہ طبیعتوں میں شکایات پیدا ہوتی ہیں اور ان کو ایک دوسرے سے کہہ سن کر صاف نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا اظہار نہ کیا جس سے بات بات میں بدگمانی کے پہلو نکلتے آئے اور رنجش چپکے چپکے ترقی کرتی گئی۔ اس بات کے ذکر کرنے کی شائد ضرورت نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا باپ بیٹی ایک فریق جبکہ علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا میاں بیوی دوسرا فریق تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر فریق اپنی اپنی جگہ موجود تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم 22 صفر 11 ہجری روز شنبہ کو بیمار پڑے۔ مرض درد سر سے شروع ہوا پھر بخار آنے لگا۔ سرسام ہوا اور اٹھارہ دن میں انتقال ہوگیا۔ بخار میں کپڑا اوڑھے لیٹتے تو کپڑا اس قدر تپ جاتا' ہاتھ میں نہ لیا جا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔ تصفیہ خلافت کے وقت اسی امامت کو خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے تازہ اور آخری سند گردان کر صحابہ نے بالاجماع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ تسلیم کر لیا۔

لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج پرسی کیلئے دھڑا دھڑ آ رہے ہیں۔ تمام مدینے میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے کہا کہ اب نبی کریم کا وقت رخصت ہے تم سامنے سے مت ہٹنا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے لئے کچھ فائدے کی بات (وصیت) کر جائیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سامنے جا کھڑے ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کھولی' سامنے اپنے لاڈلے علی رضی اللہ عنہ کو کھڑے دیکھا تو فرمایا ''میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہیں وہ بات لکھ دوں جس کی وجہ سے تم میرے بعد کبھی جادہ مستقیم سے منحرف نہ ہو۔'' اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا بعض نے کہا کہ وصیت لکھوانی چاہئے اور بعض جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اس بات کی مخالفت کی اور کہا کہ ہمیں

صرف اللہ کی کتاب کافی ہے۔ امہات الامہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرماتے ہوئے حاضرین کو وہاں سے اٹھا دیا۔ پیر کے دن عصر کے وقت آغوش عائشہ رضی اللہ عنہا میں روح مبارک جوار رحمت باری میں جا پہنچی۔

پیدائش اور نکاح کے وقت عمر

حکیم محمود احمد ظفر اپنی کتاب امہات المومنین رضی اللہ عنہما میں اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا (والدہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا۔ عبداللہ کی وفات کے بعد وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کی دو اولادیں ہوئیں۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں پیدا ہوئیں اور بعض پانچویں سال کے آخر میں ان کا پیدا ہونا لکھتے ہیں۔ مشہور روایات کے مطابق ان کی پیدائش کا سن یہی بتایا جاتا ہے۔

1- روایات سے پتا چلتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی علاتی بہن سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے 10 سال بڑی تھیں۔ (اکمال فی اسماء الرجال ص 558) امام ذہبی نے بھی عبدالرحمٰن بن ابی الزناو کا قول نقل کیا ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ (سیر اعلام النباء جلد 2 ص 152)

ایسا ہی حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب جلد 2 ص 4 پر لکھا ہے کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال عمر میں بڑی تھیں۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ہجرت کے وقت سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر 27 سال تھی چنانچہ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے الاصابہ میں ابونعیم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

"ولدت قبل الهجرة بسبع عشرين سنة"

وہ ہجرت سے 27 سال قبل پیدا ہوئیں۔ (الاصابہ جلد 4 ص 225)

حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ 73 ہجری میں ان کا انتقال ہوا اور انتقال کے وقت ان کی عمر سو سال تھی۔ (الاستیعاب علی الاصابہ جلد 4 ص 225)

علامہ ابن اثیر نے بھی اسد الغابہ جلد 5 ص 393 پر لکھا ہے کہ ہجرت سے 27 سال قبل پیدا ہوئیں۔ 17 آدمیوں کے بعد ایمان لائیں اور 73 ہجری میں وفات پائی۔ ایسا ہی حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے (البدایہ والنہایہ تذکرہ عبداللہ بن زبیر 73 ہجری)

اب جبکہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر ہجرت کے وقت 27 سال تھی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی اس بہن سے دس سال چھوٹی تھیں تو صاف ظاہر ہے کہ ہجرت کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 17 سال بنتی ہے۔

2- دوسری دلیل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہمارے ارباب سیر اور مؤرخین نے بلکہ بخاری کی بعض روایات میں بھی یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا 4 یا 5 ہجری میں پیدا ہوئیں لیکن اس بات کی تردید خود اصحاب سیر نے ایک دوسری روایت میں کر دی اور بتا دیا کہ سیدہ کی عمر ہجرت نبوی کے وقت 17-18 سال تھی۔ اس سے کم نہ تھی چنانچہ ابن ہشام نے اپنی کتاب ''السیرۃ النبویہ'' میں سن ایک نبوی میں جو لوگ ایمان لائے' ان کی جو فہرست دی ہے اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی مرقوم ہے۔ چنانچہ لکھا:

ثم اسلم ابوعبیدہ بن الجراح و اسماء بنت ابی بکر و عائشہ بنت ابی بکر وھی یومئذ صغیرۃ

پھر سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ دولت ایمان سے مشرف ہوئے ...... اور سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان ایام میں چھوٹی تھیں۔

(السیرۃ النبویہ' ابن ہشام جلد 1 ص 354)

ابن ہشام کے علاوہ علامہ قسطلانی نے مواہب الدنیہ میں لکھا ہے

قال ابن سعد اول امراۃ اسلمت بعد خدیجہ ام الفضل زوج العباس و اسماء بنت ابی بکر و عائشہ اختھا (مواہب الدنیہ ص 46)

ایسا ہی اس کی شرح زرقانی ص 246 پر مرقوم ہے لیکن یہاں بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام کے ساتھ بریکٹ میں یہ لکھ دیا ہے کہ ''اس وقت وہ چھوٹی تھیں۔'' (وھی صغیرۃ) یہی بات کئی اور مورخین نے بھی لکھی ہے۔

اب جب سن ایک نبوی میں ایمان لانے والوں میں ایک نام حضرت سیدنا عائشہ رضی

اللہ عنہا کا بھی ہے۔ اگر چہ یہ بھی ساتھ لکھ دیا کہ وہ ان دنوں چھوٹی تھیں تو اس سے دو امور ثابت ہوئے۔

(الف) سن ایک نبوی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پیدا ہو چکی تھیں لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی پیدائش 4 یا 5 نبوی میں ہوئی وہ سراسر غلط ہے۔

(ب) دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس زمانہ میں اتنی تھی کہ وہ ایمان لانے اور نہ لانے کے معاملہ کو بخوبی سمجھ سکتی تھیں۔ اگر ایمان لانے کے وقت ان کی عمر 5 سال بھی تسلیم کر لی جائے تو ہجرت نبوی کے وقت ان کی عمر 18 سال بنتی ہے اور ہجرت سے ایک سال بعد یعنی شوال ایک ہجری میں ان کی عمر 19 سال بنتی ہے جو کہ ایک بالغ اور شادی کے قابل عورت کی ہے۔

3- ہماری تیسری دلیل اس سلسلہ میں یہ ہے جیسا کہ ہم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اداسی اور پریشانی کی زندگی نظر آنے لگی' کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسے مونس وغم خوار کا چلے جانا ایک داعی کیلئے ایسا ہوتا ہے جیسے غموں کے پہاڑ اس پر گر پڑے ہوں۔ باہر لوگوں کی اذیتیں اور گھر میں مونس وغم خوار کی عدم موجودگی اور اس پر مستزاد یہ کہ تین چھوٹی بچیاں جن کے سروں پر ماں کی شفقت کا کوئی سائبان نہیں' آپ کے لئے ایک بہت بڑی پریشانی کا باعث تھا۔ چنانچہ ایک روز آپ اسی حزن و ملال کے عالم میں گھر میں تشریف فرما تھے کہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو اس طرح غمزدہ دیکھ کر کہنے لگیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کب تک بغیر بیوی کے رہیں گے؟ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے خولہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ بات سن کر فرمایا کہ کس سے نکاح کروں؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اگر آپ بیوہ چاہتے ہیں تو وہ بھی موجود ہے اور اگر کنواری کی خواہش ہے تو وہ بھی موجود ہے' آپ نے ارشاد فرمایا: بیوہ کون ہے اور کنواری کون؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا بیوہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور کنواری ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جاؤ دونوں کو جا کر میرا پیام دو۔"

سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ پہلے میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئی اور ان کی اہلیہ محترمہ ام رومان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے کس قدر بھلائی اور بہتری کا سامان بہم پہنچایا۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا ''وہ کیا؟'' میں نے کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی صاحبزادی عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ اپنے لئے مانگا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی وہی کچھ کہا جو ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو میری یہ بات سن کر نہایت تعجب ہوا اور انہوں نے نہایت حیرانی سے یہ سوال کیا۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ یہ تو ان کی بھتیجی ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور ان کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کے بارے میں عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نسبی بھائی کی بیٹی حرام ہے۔ دینی بھائی کی بیٹی حرام نہیں ہے' لہٰذا عائشہ کا نکاح میرے ساتھ ہوسکتا ہے۔ میں پھر واپس ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے مطلع کیا۔ یہ جواب سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا ''خولہ ٹھہرو میں ابھی آ رہا ہوں۔'' اور باہر تشریف لے گئے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ سیدھے معطم بن عدی کے گھر گئے۔ معطم بن عدی مکہ کا ایک رئیس تھا۔ ذاتی طور پر ایک شریف آدمی تھا۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے واپس تشریف لائے تو مکہ کے قریب کوہ حراء کے دامن میں ٹھہر گئے۔ پھر آپ ﷺ نے خزاعہ کے ایک آدمی کے ذریعے اخنس بن شریق کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ کو پناہ دے لیکن اخنس نے یہ کہہ کر پناہ دینے سے معذرت کر لی کہ میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اخنس کے انکار کے بعد آپ نے سہیل بن عمرو کے پاس پیغام بھجوایا لیکن اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ بنی عامر کی دی ہوئی پناہ بنو کعب پر لاگو نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپ نے معطم بن عدی کے پاس پیغام بھجوایا۔ معطم نے آپ کے پیغام کا جواب اثبات میں دیا اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنے بیٹوں اور قبیلہ کے لوگوں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگ ہتھیار باندھ کر خانہ کعبہ کے گوشوں میں جمع ہو جاؤ کیونکہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے۔ اس کے بعد معطم

نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ مکہ کے اندر آ جائیں۔ آپ کو جب یہ پیغام ملا تو آپ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ میں داخل ہوئے اور سیدھے مسجد حرام تشریف لے گئے۔ معطم نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ ''اے اہل قریش میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے' اب ان سے کوئی تعرض نہ کرے۔'' ادھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے حجر اسود کے پاس تشریف لے گئے۔ اسے بوسہ دیا پھر دو رکعت نماز پڑھی اور گھر تشریف لے آئے۔ اس دوران معطم بن عدی اور اس کے لڑکوں نے ہتھیار بند ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد حلقہ باندھے رکھا تا آنکہ آپ اپنے مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ (ابن ہشام جلد 1 ص 419' 422)

یہ واقعہ ہم نے جملہ معترضہ کے طور پر صرف اس لئے بیان کیا ہے تاکہ پتا چلے کہ معطم بن عدی کافر ہونے کے باوجود ایک شریف انسان تھا۔ اپنی ذاتی شرافت ہی کی وجہ سے اس نے آپ کو پناہ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے اس حسن سلوک کو بھی فراموش نہ فرمایا چنانچہ بدر میں جب کفار مکہ کی ایک اچھی خاصی تعداد قیدی ہو کر آئی اور بعض قیدیوں کی رہائی کے لئے اس کے بیٹے جبیر بن معطم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

''اگر معطم بن عدی زندہ ہوتا' پھر مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو رہا کر دیتا۔'' (بخاری جلد 2 ص 573)

اس شریف النفس شخص کے بیٹے جبیر بن معطم سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وعدہ کیا ہوا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے باعزت اور شریف انسان کے لئے وعدہ خلافی ایک جرم کے مترادف بات تھی۔ معطم بن عدی ابھی تک کفر کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے بیٹے جبیر سے اپنی شبنم کی طرح صاف اور پوتر بیٹی کا نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ معطم بن عدی کے گھر گئے۔ اس وقت معطم اور اس کی بیوی دونوں گھر میں موجود تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معطم سے کہا کہ مجھے اس رشتہ کے بارے میں آخری بات بتادو۔ معطم تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر کچھ نہ بولا مگر اس کی بیوی نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں کہا کہ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر میں آ جائے گی تو ہمارا لڑکا بے دین ہو

جائے گا۔اس وجہ سے بھی ہم اس رشتہ کی تکمیل سے ڈر رہے ہیں۔ معطم کی بیوی کا یہ جواب سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معطم کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ معطم نے جواب دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جو میری بیوی کہہ رہی ہے وہ تو تم سن ہی رہے ہو گویا اس طریقہ سے معطم نے اپنی بیوی کی بات کی تصدیق کر دی اور اس رشتہ کی تکمیل سے انکار کر دیا۔

میاں بیوی کا یہ جواب سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے گھر سے اٹھ کر چلے آئے۔گھر آ کر خولہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ میں اس رشتہ سے راضی ہوں۔ چنانچہ اس طریقہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہو گیا۔

(مسند احمد جلد 6 ص 211)

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

1- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے قبل معطم بن عدی کے بیٹے جبیر بن معطم کے ساتھ منگنی ہو چکی تھی یا پھر نکاح ہو چکا تھا۔

2- جبیر بن معطم اس وقت ایک جواں سال آدمی تھا اور اس کے جواں سال ہونے پر بخاری کی یہ روایت ایک بین دلیل ہے کہ جبیر بن معطم ہجرت کے وقت اس سازش میں شریک تھا جو قریش نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے بارے میں دارالندوہ میں تیار کی تھی۔(السیرت النبویہ ابن ہشام جلد 1 ص 481) پھر یہ روایت بھی ہمارے اس دعویٰ کو اور زیادہ پختہ کرتی ہے کہ جبیر بن معطم جنگ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور سفارشی گیا تھا اور آپ نے اسے فرمایا تھا کہ میں تیری سفارش تو قبول نہیں کرتا البتہ اگر تیرا باپ آج زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے ان تمام قیدیوں کو چھوڑ دیتا۔

(بخاری جلد 1 'الاصابہ ترجمہ جبیر بن معطم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبیر ان دنوں خوب جواں سال تھا۔اب ایک جواں سال آدمی پانچ سالہ بچی سے کیسے شادی کر سکتا ہے جبکہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عرب میں صغرسنی کی شادی کا بالکل رواج نہیں تھا کیونکہ تاریخ و سیر کی ورق گردانی کرنے سے ایک مثال بھی نہیں پیش کی

جا سکتی کہ کسی نوجوان عرب یا نوجوان صحابی رسول نے کسی کم سن لڑکی سے شادی کی ہو۔ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی اور اس وقت وہ بالغہ تھیں کیونکہ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر 27 سال تھی۔

عائلی زندگی

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عائلی اور گھریلو زندگی بھی خوشگوار تھی۔ سیدہ رضی اللہ عنہ کا گھر بنو نجار کے محلّہ میں ایک معمولی گھر تھا ایک حجرہ تھا جس کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں۔ چھت کھجور کی پتیوں اور ٹہنیوں کی تھی جن کے اوپر کمبل ڈال دیا گیا تھا تاکہ بارش میں نہ ٹپکے۔ چھت کی بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا تھا۔ دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا جو ساری عمر کبھی بند نہ ہوا۔ پردہ کے طور پر ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ حجرہ کے متصل ایک بالاخانہ تھا جس کو مشربہ کہتے تھے۔ ایلاء کے ایام آپ نے اسی مشربہ میں قیام فرمایا تھا۔

یہ تو حجرہ کی حقیقت تھی لیکن اس کے اندر کی کل کائنات ایک چارپائی' ایک چٹائی اور ایک بستر اور ایک کھجور کی چھال بھرا تکیہ' کھجور رکھنے کے ایک دو مٹکے' پانی رکھنے کا ایک برتن اور پانی پینے کے لیے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی۔ صاحب مسکن اگرچہ نہ صرف خود منبع انوار بلکہ دوسروں کو منبع انوار بنانے والا تھا لیکن مسکن میں راتوں کو چراغ جلانا صاحب مسکن کی استطاعت سے باہر تھا۔ (بخاری جلد 1 ص 73) اور خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور ہمارے گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔ حجرہ میں کل دو آدمی تھے' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دنوں کے بعد بریرہ رضی اللہ عنہ نام کی ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ گھر میں کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی۔ خود سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی تین روز متواتر ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ گھر میں مہینہ مہینہ آگ نہیں جلتی تھی۔ صرف چھوہارے اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ فتح خیبر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کے سالانہ مصارف کے

لیے وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ اسی وسق چھوہارے اور 20 وسق جو لیکن فیاضی اور جود و سخا کی وجہ سے سال بھر کے لیے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔ اس عسرت کی زندگی کے باوجود آپ کی گھریلو زندگی نہایت خوشگوار اور مطمئن تھی۔ اگرچہ سیدہ رضی اللہ عنہا اپنی نوجوانی کی غفلت اور بھول چوک سے بری نہ تھیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا آٹا گوندھ کر رکھتیں اور بے خبر سو جاتیں' بکری آتی اور سارا آٹا کھا جاتی۔ اس کے علاوہ دوسری عمر رسیدہ ازواج کے مقابلہ میں کھانا بھی اچھا نہیں پکاتی تھیں۔

حضور علیہ السلام کی پوری زندگی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کی اسی طرح کی عسرت کی زندگی رہی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انتقال فرمایا تو سارا عرب مسخر ہو چکا تھا۔ تمام صوبوں سے دولت کے انبار بیت المال میں چلے آرہے تھے' تاہم جس روز آپ نے انتقال فرمایا اس روز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک دن کے گزارے کا سامان نہ تھا۔

سوکنوں پر حملہ کرنے میں پہل نہ کرتیں۔ یہ رویہ اور سلوک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی سوکنوں کے ساتھ تھا۔ اپنی سوتیلی اولاد کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ نہایت مشفقانہ اور ایک حقیقی والدہ کی طرح کا تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی چار بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے دو کا نکاح تو انہوں نے اپنی زندگی ہی میں کر دیا تھا۔ تیسری کا نکاح فتح بدر کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ یہ تینوں اپنے سسرال میں جا چکی تھیں۔ گھر میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں' جو سسرال میں تھیں' ان میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا 2 ہجری میں انتقال فرما گئیں۔ دوسری دو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے بالترتیب 8 ہجری اور 9 ہجری میں انتقال فرمایا اور سات آٹھ برس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے زندہ رہیں لیکن باہمی ناخوشگواری اور آزردگی کا کوئی واقعہ ان میں پیش نہیں آیا۔

وفات

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 70 سال سے زیادہ تھی۔ آپ 17 رمضان المبارک 58 ہجری میں چند روز بیمار رہ کر اس دار فانی سے انتقال

فرما گئیں۔

امام ابن جوزی نے 66 سال عمر لکھی ہے جبکہ ذہبی نے 63 سال (سیر اعلام النبوہ جلد 6 ص 193 اور ابن قتیبہ نے 70 سال کے قریب سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت عمر بیان کی ہے۔ (المعارف ص 134) سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا ہجوم کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اجتماع اور ازدحام دیکھ کر روز عید کے ازدحام کا گمان ہوتا تھا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''خدا عائشہ پر رحمت فرمائے وہ اپنے باپ کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دنوں مدینہ طیبہ کے قائم مقام گورنر تھے کیونکہ مروان بن الحکم عمرہ کرنے گیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سیدہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عتیق، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یعنی بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔ اس طرح علم وعرفان کا یہ سورج قبر کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

سارا مدینہ بلکہ پوری مملکت اسلامیہ آپ کے غم میں آبدیدہ تھی۔ ایک مدنی سے لوگوں نے پوچھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا غم اہل مدینہ نے کتنا کیا؟ اس نے جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں اس کو ان کا غم تھا یعنی تمام مسلمان مغموم تھے۔

(طبقات ابن سعد جز والنساء ص 54)

ابن خلدون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور مروان بن الحکم کے مابین ناراضگی اور اس کے نتیجے میں مروان کی سازشوں کو بھی بیان کرتے ہیں جس سے بعض علماء ان کی موت کو قتل قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مروان نے خود کو قتل سے بری ثابت کرنے کے لیے عمرہ پر جانے کا قصد کیا۔

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام سودہ جبکہ باپ کا نام زمعہ ہے۔ یہ بھی قریشیہ ہیں۔ان کا سلسلہ نسب عامر بن لوی تک پہنچتا ہے۔اس لیے عامر یہ کہلاتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نویں پشت میں عامر بن لوی سے جاملتا ہے۔ان کی ماں کا نام شموس تھا۔ان کے نانا کا نام قیس تھا جو قبیلہ عدی بن النجار میں سے تھے جو اس زمانے میں قریش کے برابر تو نہیں مگر قریش کے علاوہ اور قبائل عرب میں امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرح نہ تو کوئی مالدار تھیں نہ صورت ہی کی وجہ سے کوئی ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ ان کو جس چیز نے قبائل قریش کی عورتوں میں فضیلت و بزرگی کی عام شہرت دے رکھی تھی وہ ان کی خوش خلقی اور نیک کرداری تھی۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو خولہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کا نکاح کرادیا مگر چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت نوجوان تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ داری کے انتظام اور بیٹیوں کی پرورش کے لئے ایک منظم سلیقہ شعار، مدبر اور معمر عورت کی ضرورت تھی۔ اس لئے اس کے چند ہی روز بعد آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ابن اثیر نے اس نکاح کی کیفیت اس طرح لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے جو صدمہ اور رنج ہوا قابل بیان نہیں۔خولہ نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نکاح

کیوں نہیں کر لیتے۔ فرمایا کس سے کروں۔ عرض کیا مرضی ہو تو کنواری سے کریں اور چاہیں تو دہاجن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنواری کون ہے اور دہاجن کون؟ خولہ نے عرض کیا کہ کنواری تو آپ کے دوست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور دہاجن زمعہ کی بیٹی سودہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں سے درخواست کرو خولہ سودہ کے پاس گئیں اور کہا لو سودہ رضی اللہ عنہا تمہیں مبارک ہو خدا نے تمہارے لئے بہتری اور برکت کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا وہ کیا؟ کہا رسول اللہؐ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور اپنے لئے تمہاری درخواست کی ہے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بولیں کہ خولہ مجھے یہ پیام بخوشی منظور ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم میرے ماں باپ کے پاس جا کر اس بات کا ذکر کرو۔ خولہ آپ کے والد زمعہ کے پاس گئیں اور سودہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا پیام دیا۔ زمعہ نے کہا کہ خولہ بات تو بہت اچھی ہے مگر تمہاری سہیلی سودہ رضی اللہ عنہا کی کیا رائے ہے۔ خولہ نے کہا کہ وہ بخوبی منظور کرتی ہے۔ زمعہ نے کہا تو اچھا سودہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ خولہ ان کو اپنے ساتھ لے آئیں تو زمعہ نے کہا کہ بیٹا سودہ رضی اللہ عنہا محمد بن عبداللہ ﷺ نے تم سے اپنے نکاح کا پیام بھیجا ہے میرے نزدیک تو بات اچھی ہے کیا تم بھی میری رائے سے اتفاق کرتی ہو اور محمد بن عبداللہ ﷺ سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہو؟ سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہاں۔ زمعہ نے کہا خولہ تم جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں بلا لاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور زمعہ نے جناب سودہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے نکاح کر دیا۔ ان کا بھائی حج کو گیا ہوا تھا۔ وہاں سے واپس آیا تو یہ خبر سن کر سر پر خاک اڑانے لگا۔ لیکن جب مشرف بہ اسلام ہوا تو افسوس کے ساتھ بار بار کہتا تھا کہ جس روز میں نے یہ خبر سن کر کہ سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا سر میں خاک ڈالی تھی۔ اس روز میں نرا احمق اور جاہل تھا اور درحقیقت میری عقل ماری گئی تھی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اپنے چچا زاد سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ سکران اگرچہ ابتداء میں قریش کا ساتھی تھا اور قریش جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ تھا یہی سب سے زیادہ آپ کا دشمن بھی تھا۔ لیکن خدا کی ہدایت و توفیق سے

سکران مسلمان ہوگیا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ سکران کا انتقال ہجرت مدینہ سے تقریباً 5 برس پہلے اور سودہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہجرت مدینہ کے تین برس پہلے ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جب تک زندہ رہے کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کچھ نہ کر سکے۔ نو مسلموں کو وقت بے وقت جسمانی تکلیفیں پہنچاتے رہے۔ لیکن ان دونوں کے انتقال کی دیر تھی کہ کفار کی طرف سے تکلیفوں کا پہاڑ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑا اور مخالفین کھلم کھلا طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے لگے اور چونکہ آپ کی ساری باتیں مفید اور نتیجہ خیز ہوتی تھیں لہٰذا قریش میں سے کئی خوش قسمت حلقہ اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں میں سے تھیں اور ابتداء ہی سے نیک خصلت اور سمجھدار تھیں اچھی اور سچی بات ان کے دل پر فوراً اثر کر جاتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی اور حق گوئی کا شہرہ جب ان کے کانوں میں پڑا اور قرآن حکیم کی بعض آیات سنیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا انہیں پورا یقین ہوگیا۔ ایک دو بار خود بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس وعظ میں کسی تدبیر سے شریک ہوئیں اور ان کو اچھی طرح اطمینان ہوگیا کہ بے شک یہ خدا کے برحق نبی ہیں۔ سکران بن عمرو ان کے شوہر اس پرانی ڈگر پر چلے جا رہے تھے اور قریش مکہ کے ہم آہنگ تھے یعنی جس طرح دوسرے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کو جھٹلاتے تھے، یہ بھی جھٹلاتے۔ جناب سودہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی اس جہالت اور بدعقیدگی سے نہایت مجبور اور عاجز تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ جیسے بھی ہو سکے اس دارالکفر سے نکل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت سے فیض یاب ہوا جائے مگر پھر چند روز توقف کیا اور دل کو سمجھایا کہ ابھی اپنا عقیدہ مخفی رکھنا بہتر ہے۔ ممکن ہے کہ جس طرح خدا کی ہدایت نے میری دستگیری کی ہے۔ سکران کی بھی رہنمائی کرے۔ یہ سوچ کر نہایت اطمینان سے گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئیں اور کبھی کبھی اپنے شوہر سکران کو اسلام کی ترغیب دلاتی رہتیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چند ہی روز میں سکران کی طبیعت اسلام کی طرف مائل ہوگئی اور آخرکار دونوں میاں بیوی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

جس زمانے میں جناب سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سکران مسلمان ہوئے اس دور میں نومسلموں پر کفار کی طرف سے طرح طرح کی سختیاں ہو رہی تھیں۔ بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے فوراً بعد توحید کی منادی شروع کر دی۔ توحید کی منادی میں شرک اور بت پرستی کی توہین اور مذمت کرنا ہی تھی۔ وہ گرم مزاج لوگ بتوں کی تحقیر اور اپنے عقائد کی تذلیل کی تاب نہ لا کر بھڑوں کی طرح چھتے سے باہر نکل پڑے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی بے ادبی دشنام طرازی اور موقع پا کر زدوکوب تک کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور نومسلموں کو تو اس قدر تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں کہ وہ اکتا کر ترک وطن پر آمادہ ہو گئے کیونکہ ابھی تک ان میں اتنی قوت نہیں تھی کہ مخالفوں سے انتقام لے کر فی الجملہ راحت پاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاندانی وجاہت کے بھروسے پر جہاں تک ہو سکا۔ ان نو مسلموں کی حمایت کی لیکن خاندانی وجاہت ایسے لوگوں کی عام شورش کے مقابلے میں کیا کام آئے جو ہر وقت مار کٹائی اور بے حرمتی پر تلے بیٹھے تھے۔ آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نومسلموں کو تحفظ کے لئے نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاں بھیج دیا۔ پہلی بار گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ میں جا پناہ لی۔ اس گروہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوام بھی تھے۔ اس گروہ میں جناب سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سکران بھی تھے۔ سکران حبشہ میں بیمار ہوئے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہو گیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا شوہر کے انتقال کے بعد پھر مکہ چلی آئیں کیونکہ اس وقت مخالفوں کی شورش میں کچھ کمی ہو گئی تھی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حبشہ سے مکہ آئیں تو اپنے قدیم مکان میں فروکش ہوئیں اور ہجرت سے تین سال پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح ہوا کسی تاریخ سے اس بات کا ٹھیک پتا نہیں چلتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ان کا نکاح ہوا تو ان کی عمر کتنی تھی لیکن ان کے سن وفات اور سن اسلام کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت ان کی عمر کم و بیش پچاس برس کی تھی۔ الغرض نکاح کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تین برس تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں رہیں پھر ہجرت کر کے مدینہ آئیں اور

حضرت ابوایوب انصاری ﷺ کے گھر میں قیام کیا جہاں نبی کریمؐ فروکش تھے۔ مدینے میں آ کر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سمیت کئی بیبیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں تو ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ نہ دیں اور پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف ازواج سے محروم رہ جاؤں۔ یہ سوچ کر انہوں نے ایک روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں سن رسیدہ اور بڑھیا ہو گئی ہوں۔ میرے قویٰ بالکل ضعیف اور کمزور ہو گئے ہیں اور مجھ میں کسی طرح کی خواہش نام کو باقی نہیں رہی۔ میری اب آرزو یہی ہے کہ آپ کی ازواج کے رجسٹر میں میرا نام باقی رہے اور قیامت کے دن ان ہی بیبیوں میں میرا بھی حشر ہو۔ میں اپنی باری اور اپنا حق خوشی سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ رضی اللہ عنہا کی اس درخواست کو قبول فرمایا اور ان کو طلاق نہ دی۔

جس زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ مدینہ قصبہ بھی نہیں ایک گاؤں تھا اور اس کا نام مدینہ بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا ہوا ہے ورنہ اس کا اصل نام یثرب تھا چنانچہ قرآن میں بھی مدینے کو یثرب ہی فرمایا گیا ہے۔ یثرب کے معنی عربی میں خراب اور اجڑے کے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برے ناموں سے نفرت تھی لہٰذا آپ نے یثرب کا نام مدینہ رکھ دیا' تب سے یہی نام پڑ گیا۔ اس کے معنی ہیں شہر' یثرب کی آب و ہوا بھی خراب تھی یثرب کا بخار مشہور تھا۔ نام کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آب و ہوا بھی بدل کر درست ہو گئی۔ یثرب میں بیت الخلاء بھی نہیں تھے۔ شرفاء کی بہو بیٹیاں رفع حاجت کے لئے جھٹ پٹے کے وقت کا انتظار کر کے گاؤں سے باہر جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی مجبوراً اسی طرح کرتیں۔ گاؤں کے شریر نوجوان آتی جاتی عورتوں کو پریشان بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر ﷺ کو یہ بات بہت ناگوار تھی وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح امہات المومنین کو پردے میں بیٹھنے کا حکم دیا جائے۔ اسی لئے بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پردے کی بابت عرض کیا کرتے تھے مگر پردے کے بارے کوئی وحی تو آئی نہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کیسے حکم دیتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رفع حاجت کے لئے باہر نکلیں' شام کے دھند لکے کا وقت تھا کچھ دور گئی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک اور خاتون بھی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پہچان کر کرخت لہجہ میں کہا سودہ رضی اللہ عنہا! میں نے تمہیں باہر جانے سے روکا تھا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا خاموشی کے ساتھ بدستور چلی گئیں اور فراغت کے بعد واپس آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور کہا کیا ہم اپنی ضرورت کو بھی باہر نہ نکلا کریں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عورتوں کو ان کی ضروریات کے معاملات سے منع نہیں کرتا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پہلے شوہر سکران سے ایک بیٹا عبدالرحمٰن تھا۔ سودہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 19 ہجری کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں مدینے میں ہوا اور یہیں دفن ہوئیں ان کی نظروں میں دنیاوی جاہ وجلال کی ذرا بھی وقعت نہ تھی ان کی سیر چشمی اور فیاضی کی بہت سی مثالیں کتب حدیث میں درج ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ ان کے پاس درہموں سے بھری ہوئی زنبیل بھیجی۔ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ زنبیل میں کھجوریں ہوں گی کیونکہ اس زمانے میں زنبیل میں کھجوریں ہی بھری جاتی تھیں۔ خادم سے پوچھا کہ کیا کھجوریں ہیں۔ خادم نے عرض کیا کھجوریں نہیں درہم ہیں۔ جناب سودہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کھجوریں ہوتیں تو کھانے کے کام میں آتیں۔ درہم لے کر ہم کیا کریں گے چنانچہ زنبیل بھرے درہم فوراً خیرات کر دیئے۔

نکاح کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب سودہ رضی اللہ عنہا کی حالت پر نظر کی جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ خلاف تقدس کوئی امر طرفین کو نکاح میں آمادہ نہ کر سکا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی تو یہ حالت تھی کہ دعوت اسلام کی وجہ سے اپنے ہی عزیز واقارب انکی مخالفت پر کمربستہ تھے۔ گھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہمدردی اور تسلی سے راحت ملتی تھی اور باہر ابو طالب کی حمایت سے اتنا تھا کہ جان کی طرف سے اطمینان تھا مگر کفار نے غریب نومسلموں کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تکالیف کو اپنی ذاتی تکالیف سے زیادہ محسوس کرتے تھے۔ اس دوران پہلے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انتقال کیا اور بعد میں جناب ابو طالب نے' اب تھوڑا بہت جو امن واطمینان تھا وہ بھی ناممکن ہو گیا۔ حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا اور جناب ابو طالب کی مفارقت کا جو صدمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہم اس کا ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے مگر بس اتنا پتا چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابو طالب کے جنازے کے ساتھ بے اختیار زار وقطار روتے رہے۔ ایسی حالت میں نکاح کی کیا سوجھ سکتی تھی مگر خدیجہ رضی اللہ عنہا لڑکیاں چھوڑ گئی تھیں جو محتاج پرداخت تھیں انکی پرورش کی خاطر سودہ رضی اللہ عنہا جیسی سن رسیدہ تجربہ کار اور سب سے بڑھ کر مسلمان عورت کا ہونا ضروری تھا۔

ابن سعد نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا جب سکران رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں تو انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے آ رہے ہیں اور انہوں نے آ کران کی گردن کو چھوا ہے۔ یہ خواب انہوں نے اپنے خاوند سکران رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں انتقال کر جاؤں گا اور تیرا نکاح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا۔ پھر ایک اور رات انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ سوئی ہوئی ہیں اور ان پر چاند ٹوٹ کر گرا ہے۔ یہ خواب بھی انہوں نے اپنے خاوند سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں تھوڑے عرصہ کے بعد انتقال کر جاؤں گا۔ چنانچہ سکران رضی اللہ عنہ بیمار پڑے اور تھوڑے دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئی۔

(طبقات ابن سعد جلد 8)

عام حالات

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے عام حالات کوئی اتنے زیادہ کتابوں میں مذکورہ نہیں۔ نبوت کے تیرھویں سال میں جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے وہاں سے حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اہل خانہ کو مدینہ طیبہ لے آئیں۔ چنانچہ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ مدینہ طیبہ میں لے آئے۔ ان کے آنے سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے رہنے کے لئے

ایک مکان تیار کروالیا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی مدینہ طیبہ آ گیا اور یہاں کچھ عرصہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوگئی۔ اب حریم نبوت میں سودہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں' ایک بوڑھی عورت اور دوسری جوان عورت تھی۔ دونوں میں بعض دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مزاح بھی ہوتا اور چھیڑ چھاڑ بھی۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز وہ ہمیں ملنے کے لئے تشریف لائیں۔ جب وہ آ کر بیٹھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور میرے درمیان بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پاؤں میری طرف تھا اور دوسرا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی طرف۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حریرہ بنایا ہوا تھا۔ میں نے سودہ رضی اللہ عنہا کو بھی کھانے کی پیشکش کی لیکن انہوں نے انکار کیا۔ میں نے کہا کہ یا تو آپ حریرہ کھائیں وگرنہ میں آپ کے منہ پر مل دوں گی لیکن سودہ رضی اللہ عنہا نے پھر کھانے سے انکار کیا چنانچہ میں نے پلیٹ میں سے تھوڑا سا حریرہ لے کر ان کے منہ پر مل دیا۔ چنانچہ انہوں نے بھی تھوڑا سا حریرہ لے کر میرے منہ پر مل دیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہنسے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آگے پیچھے آئی تھیں۔

ایک روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کی کھال میں آنا اس سے زیادہ پسند نہیں کیا۔ جتنا سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ کی کھال میں آنا (جنہوں نے اپنی ساری زندگی گوشہ نشینی اور عبادت میں کاٹ دی۔ کسی جھگڑے سے واسطہ نہیں رکھا اور نہ مرد سے سروکار بلکہ اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی)۔ گویا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آرزو کی کہ وہ سودہ رضی اللہ عنہا کے طریق اور خصلت پر ہوتیں۔

حافظ ابن القیم قدس سرہ نے لکھا ہے کہ یہ ان کے خصائص میں سے تھا کہ انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ یہ جذبہ ایثار ان کا اس وجہ سے تھا تا کہ وہ اس محبوبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بارگاہ نبوت میں تقرب حاصل کریں۔

10 ہجری میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا۔ اس موقع پر حضرت سودہ رضی

اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں چونکہ آپ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہ سکتی تھیں بلکہ سست رفتار تھیں لہٰذا رسول اللہ سے اجازت چاہی کہ لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے سے قبل ان کو جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ وہ لوگوں سے پہلے مزدلفہ روانہ ہو گئیں کیونکہ انہیں بھیڑ میں چلنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

وفات

واقدی نے ان کا سن وفات 54 ہجری بتایا ہے کہ مدینہ طیبہ میں شوال 54 ہجری میں انتقال فرمایا۔

لیکن مشہور اور ثقہ لوگوں کی روایت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اخیر میں مدینہ طیبہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (الاستیعاب جلد 4 'انساب الاشراف جلد 1)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات 23 ہجری میں ہوئی اس لئے خیال ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات 22 ہجری میں ہوئی۔ یہی صحیح ہے۔ سب کا اتفاق ہے۔

اولاد

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سکران رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبدالرحمن تھا۔ انہوں نے جنگ فارس میں جام شہادت نوش فرمایا۔ دوسرا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

خصائص وفضائل

ازواج مطہرات میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ دراز قد اور فربہ اندام تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس نے انہیں دیکھا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں (کیونکہ دوسری عورتوں سے بلند و بالا تھیں)

حریم نبوت میں رہنے کی وجہ سے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دن رات ارشادات نبوت سے مستفید ہوتی تھیں۔ لیکن حدیث کی کتابوں میں ان سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں

سے بخاری میں صرف ایک ہے۔ صحابہ میں سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور یحیٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زراہ نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اخلاق نبوت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ اطاعت و فرمانبرداری تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''میرے بعد گھر میں بیٹھنا'' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے اس فرمان پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لئے نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کئی حج کئے لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ نے آپ کے انتقال کے بعد کوئی حج نہیں کیا بلکہ برابر گھر میں بیٹھی رہیں بلکہ فرمایا کرتی تھیں۔

'بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی۔''

جود وسخا اور فیاضی میں بھی ان کا ایک خاص مقام تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ وہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں۔ درہم و دینار سے انہیں کوئی محبت نہ تھی۔ جو کچھ آتا تھا اس کو راہ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔

آپ کی طبیعت میں ظرافت و مزاح کا عنصر بھی تھا۔ کبھی کبھی اس انداز سے چلتیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں کہ رات میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر دیر تک رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا اس لئے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیئے۔

اُمُ المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نام ہند' کنیت ام سلمہ' سلسلہ نسب یہ ہے:

ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم

قریش کے مشہور خاندان بنو مخزوم سے تعلق تھا۔ والدہ بنو فراس سے تھیں اور ان کا سلسلہ نسب یہ تھا۔

عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن خزیمہ (بعض کے نزدیک جزیمہ) بن علقمہ بن جذل الطعان ابن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

بعض حضرات نے عاتکہ سے عاتکہ بنت عبدالمطلب سمجھا ہے اور ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تصور کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ نام ہند تھا لیکن بعض حضرات نے رملہ لکھا ہے۔ صحیح ہند ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے دو بیٹے عبداللہ اور زبیر رضی اللہ عنہ ان کے چچازاد بھائی تھے۔

روایات میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو امیہ مکہ مکرمہ کے مشہور مخیر اور فیاض تھے۔ سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی خود کفالت کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا لقب ''زادالراکب'' تھا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھیں اور نہایت ناز ونعمت سے پرورش پائی تھی۔ (ابن سعد)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا۔ عبداللہ زیادہ تر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے اور ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ اس رشتہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے ان کے ہاں سلمہ، عمر، درہ اور زینب پیدا ہوئے۔ (جمہرہ انساب العرب)

آپ ابتداء ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوگئی تھیں۔ گویا دونوں میاں بیوی السابقون الاولون میں سے تھے۔ اسلام لانے کے بعد دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شرکت کی۔

بلکہ نووی نے یہاں تک لکھا ہے۔

هما اول من هاجر الى الحبشه

دونوں میاں بیوی نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

حبشہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد دونوں میاں بیوی واپس مکہ آئے اور پھر یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس ہجرت میں بھی ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ مورخین اور اہل سیر نے لکھا ہے کہ

''وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئیں۔''

(نسب قریش صفحہ 337)

بخاری کی ایک روایت کے مطابق وہ سب سے پہلے مہاجر تھے جو سرزمین یثرب میں داخل ہوئے لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سر باندھا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ان دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر انہیں ہدف اذیت بنایا۔ اس پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا لیکن اس کے برعکس مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ طیبہ داخل ہوئے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا۔ اس لیے ان دونوں روایتوں میں باہم تخالف نہیں ہے۔''

(فتح الباری جلد 7)

بہر حال سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ طیبہ پہنچے۔ یہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ تھی۔ خاندان عمرو بن عوف نے ان کو پورے دو ماہ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا۔

لیکن جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے۔ ان کی اہلیہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ نہ تھیں۔ انہوں نے بعد میں ہجرت کی اور ان کی ہجرت کا واقعہ بھی نہایت عبرت انگیز ہے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب اپنی بیوی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے لیے نکلے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر والے مزاحم ہوئے اور کہا کہ تم اکیلے مدینہ طیبہ جاسکتے ہو لیکن ہماری بیٹی کو ساتھ نہیں لے جاسکتے۔ چنانچہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلے گئے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا واپس اپنے گھر آ گئیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی گود میں اس وقت ان کا دودھ پیتا بچہ سلمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والے اپنے بچے سلمہ رضی اللہ عنہ کو ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے چھین کر لے گئے۔ اب ایک عجیب حالت تھی۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تو مدینہ روانہ ہو گئے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں اور ان کا بیٹا سلمہ رضی اللہ عنہ اپنی ددھیال میں۔ یہ بات ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نہایت تکلیف دہ تھی۔ خاوند کی جدائی کے ساتھ ساتھ بچے کی جدائی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی قلبی حالت کو نہایت دگرگوں کر دیا۔ چنانچہ وہ روزانہ گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ سات آٹھ روز تک یہی حالت رہی لیکن خاندان کے لوگوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر ایک روز ان کے ایک چچا زاد نے ان کو اس حال میں دیکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ گھر آ کر اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور کہا اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو۔ اس کو جانے دو اور اس کا بچہ بھی اس کے حوالے کر دو۔"

لوگوں نے ان کی یہ بات مان لی اور حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کو بچہ دے کر مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ آپ جانے کے شوق میں تنہا ہی اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہو گئیں۔ راستے میں ایک مقام پر پہنچیں تو کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ انہوں نے آپ کو پہچان لیا کیونکہ ان کے خاوند اور عثمان میں دوستانہ تعلقات تھے۔ عثمان نے جب دیکھا کہ آپ تنہا ہیں تو اونٹ کی مہار پکڑ لی اور مدینہ کی طرف چل

پڑے۔ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ عثمان راستہ میں اگر کہیں ٹھہرتا تو اونٹ بٹھا کر خود دور کہیں درخت کے نیچے چلا جاتا اور میں نیچے اترتی۔ روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر دور ہٹ جاتا اور مجھے کہتا کہ سوار ہو جاؤ آپ کہتی ہیں کہ میں نے پوری زندگی میں ایسا شریف انسان کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا قبا پہنچیں تو عثمان واپس لوٹ گیا لوگ ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کا حال پوچھتے اور یہ بھی پوچھتے کہ وہ کس کی بیٹی ہیں۔ جب آپ بتاتیں کہ قریش کے نامور سخی ابوامیہ ان کے باپ ہیں تو وہ حیرت سے آپ کو دیکھنے لگتے۔ شاید اس دور میں شرفاء کی عورتیں تنہا سفر کی جرأت نہ کرتی ہوں لہٰذا وہ اس پر حیران ہوتے ہوں لیکن حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے اندر ایمان کی آگ تھی جو جرأت و دلیری پیدا کر رہی تھی۔

حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں اپنے بچوں کے ساتھ نہایت خوشی و مسرت کی زندگی گزار رہے تھے کہ 2 ہجری میں جنگ بدر کا واقعہ پیش آ گیا جس میں آپ نے بھرپور شرکت کی۔ 3 ہجری میں غزوۂ احد کے معرکہ میں آپ ابواسامہ جشمی کے ایک تیر سے زخمی ہو گئے۔ ایک ماہ کے علاج کے بعد زخم مندمل تو ہو گئے مگر زہر اندر ہی اندر پھیلتا رہا۔ اسی اثنا میں آپ سریہ قطن پر مامور ہوئے۔ ابوسلمٰی رضی اللہ عنہ مہم سے کامیاب لوٹے مگر پرانا زخم ہرا ہو گیا اور جمادی الاخر 4 ہجری میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ حالت نزع میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے۔ روح دیدار کی منتظر تھی ادھر آپ آئے ادھر رخصت ہوئی۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا' آپ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر آئے۔ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے چند عذر ہیں۔

1- میں سخت غیور عورت ہوں۔

2- عیال دار ہوں۔

3- میرا یہاں کوئی ولی نہیں جو میرا نکاح کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ تیسری شرط یہ تھی کہ میری عمر زیادہ ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سب عذروں کو منظور کیا۔ اب ام

سلمٰی رضی اللہ عنہا کو کیا عذر ہوسکتا تھا چنانچہ اپنے لڑکے عمر سے کہا کہ اٹھو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کردو بعض روایتوں کے مطابق آپ کے بیٹے کم سن تھے لہٰذا یہاں جس عمر کا ذکر ہے وہ حضرت عمر بن الخطاب ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چکی' گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمہ کی چھال بھری تھی' عنایت فرمایا۔ یہی سامان دوسری بیویوں کو بھی دیا تھا۔ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا بہت حیادار تھیں۔ شروع میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو آپ اپنی بچی زینب کو گود میں بٹھا لیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ حضرت عمار بن یاسر جو حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی اور بعض روایات کے مطابق ماں کی طرف سے بھائی تھے' کو جب معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین کر لے گئے۔ اس کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو مکان ادھر ادھر سے دیکھا۔ پھر دیکھا کہ بچی گود میں نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا زینب کہاں ہے؟ عرض کی عمار آئے تھے وہ اسے لے گئے۔

حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا شوال 4 ہجری میں حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ اس کے بعد سفر و حضر دونوں میں آپ کو بڑے قریب سے دیکھا۔ معاہدہ حدیبیہ کی شرائط ظاہری طور پر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نہایت افسردہ تھے۔ تکمیل صلح کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم چونکہ ان شرائط سے شکستہ خاطر تھے۔ اس لیے تین بار حکم کے باوجود کوئی شخص بھی نہ اٹھا۔ یہ رویہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا سے ازراہ شکایت واقعہ بیان کیا۔ آپ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ دل ہیں۔ اس وجہ سے تعمیل ارشاد نہ کر سکے۔ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر قربانی کریں اور سر منڈائیں یہ خود بخود اتباع کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ رہے تھے ہر شخص دوسرے کی حجامت بنانے میں مصروف تھا۔ اس سے حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کی اصابت رائے کا پتا چلتا ہے۔

وفات

واقدی کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کا انتقال 59 ہجری میں حضرت امیر معاویہ کی وفات سے ایک سال قبل ہوا۔ یہ روایت طبقات ابن سعد اور انساب الاشراف میں موجود ہے۔ حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں لکھا ہے کہ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کا انتقال 60 ہجری میں یزید بن معاویہ کے عہد حکومت میں ہوا اور یہی صحیح ہے۔ وفات کے وقت عمر 84 برس تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

اولاد

حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی اولاد نہ تھی البتہ پہلے شوہر حضرت ابو سلمٰی رضی اللہ عنہ سے چار اولادیں تھیں۔

1۔ سلمہ: رضی اللہ عنہ یہ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح امامہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب سے کیا تھا یہ عبدالملک بن مروان کے دور تک زندہ رہے۔

2۔ عمر رضی اللہ عنہ: یہ حبشہ میں پیدا ہوئے بعض روایات کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں 9 برس کے تھے۔ اس حساب سے یہ 2 ہجری میں پیدا ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے زمانہ خلافت میں فارس اور بحرین کا گورنر بنایا تھا۔ انہوں نے 83 ہجری میں عبدالملک بن مروان کے عہد میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

3۔ درہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے اگر میں نے اسے پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لئے کسی طرح حلال نہ تھی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔

4۔ زینب: مسلم شریف کی روایت کے مطابق یہ بھی حبشہ میں پیدا ہوئیں بعض روایتوں کے مطابق ان کی پیدائش ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے تھوڑے دن بعد ہوئی۔ اس طرح ان کی جائے پیدائش مدینہ طیبہ ہے۔ ان کا نکاح عبداللہ بن زمعہ بن الاسود الاسدی سے ہوا۔ یہ اپنے

زمانے کی بڑی فقیہہ تھیں۔ بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارا جس کی برکت سے بڑھاپے میں بھی ان کا چہرہ جوانوں کی طرح تروتازہ تھا۔

مناقب فضائل

آپ قرآن حکیم نہایت اچھا پڑھتی تھیں بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز اور لہجہ میں پڑھتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرآن پڑھتے تھے آپ نے فرمایا ایک ایک آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے پھر خود اسی طرح پڑھ کر بتلایا۔

حدیث میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا ان کا اس فن میں اور کوئی حریف نہ تھا۔ ان سے 387 روایات مروی ہیں۔ آپ کو حدیث کی سماعت کا بڑا شوق تھا۔ ایک روز بال گندھوا رہی تھیں کہ نبی پاک خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور زبان سے ''یاایھا الناس'' کے الفاظ نکالے۔ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا نے اسی وقت مشاطہ سے فرمایا بال باندھ دو۔ اس نے کہا کہ جلدی کیا ہے؟ ابھی تو زبان سے ''ایھا الناس'' ہی ادا ہوا ہے۔ فرمایا کیا خوب؟ کیا ہم آدمیوں میں داخل نہیں؟ اس کے بعد بال باندھ کر اٹھیں اور سارا خطبہ کھڑے ہو کر سنا۔

آپ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے ان میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ' اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ' ہند بنت الحارث الغراسیہ' صفیہ بنت شیبہ' عمر (فرزند) زینب (بیٹی) مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (برادرزادہ) بنہان (غلام مکاتب) عبداللہ بن رافع رضی اللہ عنہ' نافع رضی اللہ عنہ' پسر شیبہ رضی اللہ عنہ' ابوبکیر رضی اللہ عنہ' حسن بصری رضی اللہ عنہ' سلیمان بن پسار رضی اللہ عنہ' ابوعثمان الہندی رضی اللہ عنہ' حمید رضی اللہ عنہ' ابوسلمہ رضی اللہ عنہ' سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ' ابووائل رضی اللہ عنہ' صفیہ بنت محض رضی اللہ عنہا' شعبی رضی اللہ عنہ' عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام عکرمہ' ابوبکر بن عبدالرحمٰن' عثمان بن عبداللہ بن موہب' عروہ بن زبیر' کریب مولیٰ ابن عباس قبیعہ بن زدیب' نافع مولیٰ ابن عمر یعلی بن ملک وغیرھمہ

حافظ ابن قیم۔ نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نام زینب' کنیت ام الحکم' قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں۔ سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

زینب بن جحش بن رأب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ

والدہ کا نام امیمہ تھا جو کہ حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اسی رشتہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی زاد تھیں۔ (الاستعیاب جلد 4)

پہلے آپ کا نام برہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے زینب رکھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل آپ کے متبنٰی اور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔

باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ چونکہ موالی میں سے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بھی تھیں اور عرب کا یہ دستور تھ کہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے مناکحت کو باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر قرآن

کریم کی آیت نازل ہوئی۔اس آیت میں مومن سے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی مراد ہیں اور مومنہ سے خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کے لیے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی فیصلہ کردے تو اس پر راضی نہ ہوں۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ دونوں مان گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوگیا۔نکاح ہوگیا لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی نظر میں حقیر رہے۔اس لیے گھر میں باہمی لڑائی ہوتی اور موافقت مزاجی نہ ہوئی۔ آپ زید رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق نہ دینا۔اس لیے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرو لیکن آخر ایک دن زید رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تنگ آکر زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی ہے۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہوگئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ ہی کو حکم دیا کہ تم خود جاکر زینب رضی اللہ عنہا سے میرے نکاح کا پیغام دو۔تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جو کچھ ہوا' وہ زید رضی اللہ عنہ کی رضامندی سے ہوا) حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور دروازہ کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوگئے۔ (حالانکہ پردے کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا مگر یہ ان کا کمال درجہ اور کمال تقویٰ تھا اور کہا کہ اے زینب رضی اللہ عنہا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک کہ میں اپنے پروردگار سے مشورہ نہ کرلوں۔یعنی استخارہ نہ لوں۔اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لیے مخصوص تھی وہاں جاکر استخارہ میں مشغول ہوگئیں۔چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر طلب کی۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی

خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا تھا' اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس کا اعلان ہو چنانچہ جبرائیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

ترجمہ: پس جب زید رضی اللہ عنہ' زینب رضی اللہ عنہا سے اپنی حاجت پوری کر چکے تھے اور ان کو طلاق دے دی تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کر دیا'' اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے۔ (مسلم حدیث 1428)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں جانے سے قبل قاصد کے ذریعے آپ کو اطلاع کرا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نکاح کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائی ہیں چنانچہ جس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی تو سجدہ شکر میں گر گئیں۔

چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس حکم ربانی اور وحی آسمانی کی خبر مل چکی تھی۔ اس لیے اس اطلاع کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں بغیر اذن کے داخل ہوئے کیونکہ نکاح آسمانی کا یہ اعلان اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا اطلاع کے بعد قولاً اور عملاً اس کو قبول کر لینا اور سجدہ شکر بجا لانا اور پیغام نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پہلے ہی سے جا چکا تھا۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میں اپنے دل میں تم سے زیادہ کسی کو قابل وثوق نہیں پاتا لہٰذا تم ہی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ ملاحظہ ہو زرقانی جلد 3 صفحہ 245۔

گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے دریافت فرمایا تمہارا نام کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا نام برہ ہے کیونکہ اصلی نام ان کا برہ ہی تھا آپ نے بجائے برہ کے زینب نام تجویز کیا۔

یہاں ایک بات اور ضروری ہے کہ بعض حضرات نے آپ کا نکاح سن 5 ہجری لکھا ہے لیکن حافظ ابن سید الناس نے نکاح کا برس 4 ہجری بتایا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم مقرر رہا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ

نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی ابو احمد بن جحش نے کیا تھا۔ بظاہر یہ گزشتہ حدیث کے معارض معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ بعد میں نکاح بھی پڑھا گیا ہو۔

ولیمہ

چونکہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا تھا اور پھر اس کے بارے میں قرآن مجید کی آیات نازل فرمائیں۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ کا خاص اہتمام فرمایا چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا جس قدر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں فرمایا۔ ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو دعوت کے طور پر بلایا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے لیکن تین آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے شدت حیا کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا لیکن مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے تا کہ وہ سمجھ جائیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو مبارکباد دی پھر فرداً فرداً تمام ازواج مطہرات کے حجروں کو تشریف لے گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں ان آیات کا ترجمہ یہ ہے۔

''اے ایمان والو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں مت داخل ہو مگر جب کہ تم کو اذن دیا جائے۔ کھانا کھانے کے لیے در آں حال یہ کہ اس کے پکنے کا انتظار کرو لیکن جب تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہو گیا ہے تو آ جاؤ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اُٹھ کر جاؤ اور باتوں میں مت لگ جاؤ۔ اس سے اللہ کے نبی کو تکلیف پہنچی ہے اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو حق بات کے ظاہر کرنے سے کوئی حجاب نہیں اور اگر تم بیبیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔'' اسی دعوت ولیمہ میں آیات حجاب بھی اتریں۔ آیات حجاب کے نزول کے بعد آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہو گئی۔ یہ ایک روایت کے مطابق ذی قعد 5 ہجری کا واقعہ ہے کہ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر 35 سال تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کی چند خصوصیات ہیں جو کسی اور کے نکاح میں نہیں پائی جاتیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔

1- ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنٰی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی۔

2- مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد و غلام اور آقا و مولا کی تمیز اُٹھ گئی۔

3- اس نکاح میں پردے کا حکم نازل ہوا۔

4- نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی۔

5- نکاح آسمانوں پر ہوا اور حق تعالٰی نے ان کا نکاح پڑھایا اور جب کہ اور بیویوں کے نکاح ان کے اولیاء نے پڑھائے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی (الاحزاب 37)

تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیویوں سے فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تو تمہارے اولیاء نے کیے اور میرا نکاح خود اللہ تعالٰی نے ساتویں آسمان پر کیا۔

اسی سلسلہ میں طبریٰ اور بلاذری نے نقل کیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں۔ مجھے تین باتوں میں آپ پر ناز ہے اور آپ کی کوئی بیوی اس بارے میں ناز نہیں کر سکتی اور وہ تین باتیں یہ ہیں۔

1- میرا جدامجد اور آپ کا جدامجد ایک ہے۔

2- میرا آپ سے نکاح اللہ نے آسمان پر پڑھایا۔

3- میرے معاملہ کا سفیر جبرائیل امین تھا۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں۔ ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا خصوصیات کے ساتھ ممتاز تھیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زینب بن جحش میرا مقابلہ کرتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں۔ میں نے ان سے زیادہ کسی عورت کو دیندار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور سب سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھا۔

وفات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری میں روایت ہے کہ پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں سے سب سے جلدی مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لمبا ہوگا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا نے اس کو ظاہر پر محمول کیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواج مطہرات جب جمع ہوئیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لمبا ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو قد میں چھوٹی تھیں جب سب سے پہلے ان کی وفات ہوئی تب معلوم ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہاتھ صدقہ و خیرات میں سب سے لمبا تھا کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے کماتی تھیں۔ دباغت کا کام جانتی تھیں جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔ کفن بھی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ چنانچہ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کا وقت آیا تو فرمایا میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے غالباً عمر رضی اللہ عنہ بھی میرے لیے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا اور دوسرا صدقہ کر دینا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لیے بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے خود تیار کر رکھا تھا اس کو ان کی بہن حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے صدقہ کر دیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال 20 ہجری میں ہوا اس وقت آپ کی عمر 53 سال تھی۔

(ابن سعد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ ان کی قبر میں تدفین کے لیے کون داخل ہوگا؟

انہوں نے جواب دیا جو زندگی میں ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی احمد بن جحش رضی اللہ عنہ نے انہیں قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھا جو صرف ایک سال کے لیے تھا۔ جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کے پاس آئے تو بار بار کہتی تھیں۔

''اے اللہ یہ مال آیندہ سال میرے پاس نہ آئے۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ یہ کہہ کر اسی وقت تمام مال اپنے اعزاء واقرباء اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ہوئی تو یہ فرمایا کہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فوراً ایک ہزار درہم اور روانہ کیے اور سلام کہلا کر پیغام بھیجا کہ وہ بارہ ہزار تو آپ نے خیرات کر دیے۔ یہ ایک ہزار آپ اپنی ضرورتوں کے لیے رکھ لیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت تقسیم کر دیے۔''

اُمُ المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نام زینب تھا اور سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:
زینب بنت خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن حنیس بن عیلان الھلالیہ
آپ بڑی رحم دل اور جود وسخا کی حامل تھیں چنانچہ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ بدین وجہ ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔ طبرانی نے ابن شہاب الزہری سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت خزیمہ الھلالیہ (آپ کو ہلالیہ و عامریہ کہا جاتا تھا کیونکہ وہ ہلال بن عامر کے خاندان سے تھیں) سے نکاح فرمایا اس وقت بھی ان کی کنیت ام المساکین تھی۔ یہ نام اور کنیت ان کی اس وجہ سے تھی کہ وہ فقراء اور مساکین کو نہایت کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا اور وہ آپ کے ساتھ تھوڑا ہی عرصہ ایام زندگی گزار سکیں۔
ابن ابی خیثمہ فرماتے ہیں کہ سیدہ زینب جاہلیت میں بھی ام المساکین کے لقب سے معروف تھیں۔

حرم نبوی میں داخلہ

امام زہری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آنے سے قبل حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ 3 ہجری میں جنگ

احد میں شریک ہوئے اور شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوئے۔ (دلائل النبوۃ البیہقی)

قتادہ بن دعامہ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل وہ طفیل رضی اللہ عنہ بن الحارث کے حبالہ عقد میں تھیں۔ (طبقات ابن سعد) لیکن ابن کلبی کا بیان ہے کہ وہ پہلے طفیل رضی اللہ عنہ بن الحارث کے نکاح میں تھیں، انہوں نے طلاق دے دی تو ان کے بھائی عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا اور وہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔ حافظ ابن سید الناس کی رائے بھی یہی ہے۔ (الاصابہ جلد 7)

امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب بنت الحارث الھلالیہ ام المساکین سے نکاح فرمایا۔ وہ آپ سے نکاح سے قبل حصین رضی اللہ عنہ یا طفیل رضی اللہ عنہ ابن الحارث کے نکاح میں تھیں اور یہ سب سے پہلی بیوی ہیں۔ (سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد) جنہوں نے آپ کی حیات طیبہ میں رحلت فرمائی۔

(المعجم الکبیر)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رمضان کے مہینہ میں ہجرت سے 31 ماہ بعد ان کو اپنی ازواج مطہرات کے زمرہ میں لیا۔ یہ آٹھ ماہ حریم نبوت میں رہیں اور ربیع الاخر کے اواخر میں ہجرت سے 39 ماہ بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔

(عیون الاثر)

حافظ ابو عمرو نے لکھا ہے کہ یہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہ کی ماں کی طرف سے بہن تھیں۔

(اسد الغابہ)

نکاح کے وقت ساڑھے بارہ اوقیہ (پانچ سو درہم) مہر مقرر ہوا۔ (طبقات ابن سعد)

وفات

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہ عین عنفوان شباب میں تیس سال کی عمر میں انتقال فرما گئیں اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلی بیوی ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انتقال فرمایا۔ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں بہت تھوڑا

عرصہ رہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں رہنے کی مدت بعض نے دو ماہ اور بعض نے تین ماہ اور بعض نے آٹھ ماہ لکھی ہے لیکن اس پر قریباً اتفاق ہے کہ وفات ربیع الآخر کے مہینے کی آخری تاریخوں میں ہجرت سے 39 ماہ بعد ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔

چونکہ یہ حریم نبوت میں بہت ہی کم عرصہ رہیں لہٰذا ان کے عام حالات زندگی کی تفصیل کتابوں میں موجود نہیں ہے۔

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

آپ کا نام حفصہ اور والد کا نام عمر بن الخطابؓ ہے۔ آپ کا والد کی طرف سے سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی

والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا جو مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں۔ خود بھی صحابیہ تھیں۔ والدہ کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے۔
زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح اس وجہ سے سیدہ حفصہ سیدنا عبداللہ بن عمر کی حقیقی بڑی ہمشیرہ تھیں۔

واقدی کی روایت کے مطابق حضرت حفصہؓ بعثت نبوی سے 5 سال قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ اس وقت قریش مکہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔ جوان ہونے پر خنیسؓ بن حذافہ سے نکاح ہوا اور نہایت اچھے طریقے سے دونوں میاں بیوی اپنی زندگی گزارتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو السابقون الاولون میں سے ہیں ابتدائے اسلام ہی میں دولت ایمان سے مشرف ہوئے لہٰذا حضرت حفصہ بھی ماں باپ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئیں' بعد میں بنو تیم کے قیس بن حزافہ سے نکاح ہوا۔ شوہر بھی مسلمان تھا گویا کہ آنکھ کھولتے ہی ہر طرف ایمان کے نور کی بارش تھی۔

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے مدینہ طیبہ

ہجرت فرمائی تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر خنیس ؓ نے بھی مدینہ طیبہ کو ہجرت کی۔ مدینہ میں بھی یہ اپنی زندگی کے دن اچھے گزار رہے تھے۔ 2 ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ حضرت خنیس نے بھی اس میں شرکت کی اور ہمت و بہادری کے جوہر دکھائے لیکن میدان جنگ میں کچھ ایسے کاری زخم آئے کہ جانبر نہ ہوئے چنانچہ واپسی پر انہی زخموں کی وجہ سے جام شہادت نوش فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ اگرچہ غزوہ بدر میں بھی شرکت کی تھی لیکن وہ زخم جوان کی شہادت کا باعث بنے۔ وہ غزوہ احد میں کھائے تھے لیکن یہ روایت مرفوع ہے صحیح روایت یہی ہے کہ غزوہ بدر کے زخموں کی وجہ سے انتقال فرمایا تھا۔

لہٰذا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکاح کی فکر لاحق ہوئی اتفاق سے اسی زمانہ میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تھا جو کہ حضرت عثمان ؓ کے حبالہ عقد میں تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک دن پریشان دیکھا وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ان کے غمگین ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو سسرالی رشتہ تھا وہ منقطع ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کی تم سے شادی کر دوں۔ انہوں نے کہا کہ میں اس معاملہ پر غور کروں گا۔ چند دنوں کے بعد ان سے پھر ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ اس رشتہ پر راضی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملا ان سے بھی یہ کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے نکاح کر دوں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میری یہ بات سن کر خاموش ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طریقہ انکار سے افسوس بھی ہوا لیکن اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت حفصہ ؓ سے نکاح کی خواہش کی اور نکاح ہو گیا۔ ایک دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ جب کچھ دن پہلے تم نے مجھے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی پیشکش کی اور میں تمہاری بات سن کر خاموش رہا اور تمہیں میری یہ خاموشی ناگوار گزری لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تھا اور میں

آپ کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (بخاری) طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حذافہ شہید ہوئے تو میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے عثمان کے ساتھ نکاح کی پیشکش کی لیکن انہوں نے میری اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ میں نے اس بات کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے عثمان ؓ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی پیشکش کی لیکن انہوں نے بے التفاتی سے کام لیا اور میری پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح تیری بیٹی سے زیادہ اچھی عورت سے کر دیا اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں نے عثمان ؓ کو یہ پیشکش اس وقت کی جب ان کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تھا اور ان دنوں عثمان رضی اللہ عنہ کی خواہش یہ تھی کہ سیدہ اُم کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح ہو جائے۔ اس وجہ سے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیشکش سے اختراض برتا۔ پس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حبالہ عقد میں لے لیا جبکہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد 8)

ابو عبیدہ معمر بن المثنی کے مطابق یہ نکاح 2 ہجری میں ہوا۔ ملاحظہ ہو الاستیعاب جلد 4 صفحہ 1811 ' اسد الغابہ جلد 7 صفحہ 65 ء الاصابہ جلد 7 صفحہ 582 اور زہری کی روایت کے مطابق 3 ہجری میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا۔ حافظ ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ یہ نکاح شعبان میں ہجرت نبوی سے تیس ماہ بعد ہوا یہ ایک قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق احد کے بعد یہ نکاح ہوا۔

نکاح کے بعد حضرت حفصہ حریم نبوت میں رہنے لگیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی معاشرتی زندگی نہایت اچھی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر ؓ کی صاحبزادی تھیں۔ اس لیے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روبرو گفتگو کرتیں۔ جس کی وجہ سے گھریلو زندگی میں قدرے شکر رنجی پیدا ہو جاتی۔ یہ خاوند سے روبرو بات

کرنا اسلام کی وہ آزادی ہے جو اسلام نے ہر عورت کو دی ہے چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرا برابر بھی اہمیت نہ دیتے تھے۔ لیکن اسلام نے ان کو ایک خاص مقام دے دیا اور قرآن مجید میں ان کے متعلق آیات اتریں تو پھر ہمیں ان کی قدر و قیمت اور ان کا رتبہ و منزلت معلوم ہوئی۔ ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو مشورہ دیا۔ میں نے اسے کہا کہ تم کو رائے اور مشورہ سے کیا تعلق؟ انہوں نے جواب دیا ابن خطاب تم کو ذرا سی بات بھی برداشت نہیں حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ بات سن کر فوری طور پر اُٹھا اور اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ میں نے کہا کہ بیٹی یہ بات میں نے کیا سنی ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہو۔ وہ بولیں ہاں ہم ایسے کرتے ہیں۔ میں نے خبردار کیا کہ میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں تم کہیں اس کے گھمنڈ اور دھوکہ میں نہ رہنا جس کے حسن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فریفتہ کر لیا ہے۔ (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی تیزی کچھ اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے دیکھا کہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھ کو حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا حفصہ! خدا سے ڈرو۔ پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا صفیہ تم نبی کی بیٹی ہو تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے۔ طبیعت اور مزاج کی اسی تیزی کی وجہ سے احادیث میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور پھر آپ نے رجوع فرما لیا۔

ایک اور حدیث طبرانی وغیرہ میں مرقوم ہے کہ حضرت قیس بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ اسی اثنا میں ان کے دو ماموں قدامہ بن مظعون اور عثمان بن مظعون ان کے پاس آئے دیکھا کہ حضرت حفصہؓ رو رہی تھیں اور فرما رہی ہیں۔ خدا کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی عیب کی وجہ سے طلاق نہیں دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے

جبرائیل نے کہا ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طلاق سے رجوع فرما لیجئے کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور پرہیزگار ہے اور وہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوگی۔

اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرورکائنات نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی جب کہ وہ صوامہ اور قوامہ ہے اور جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہوگی۔ (مستدرک حاکم جلد 4)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت صدمہ ہوا بعض روایات میں ہے کہ وہ اپنے سر میں صدمہ سے مٹی ڈالتے تھے کہ پیارے مصطفیٰ سے سسرالی رشتہ ختم ہوگیا۔ پس جبرائیل نازل ہوئے اور کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ حفصہ کو طلاق سے رجوع کریں۔

وفات

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان 45 ہجری میں مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا یہ امیر معاویہ کا دور حکومت تھا۔ گورنر مدینہ مروان بن الحکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنازہ کو کاندھا بھی دیا اور پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنازہ کو قبر تک لے گئے اور ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادوں عاصم، سالم، عبداللہ اور حمزہ نے قبر میں اتارا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ کا سن وفات 41 ہجری بتایا جاتا ہے۔ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ یہ واقع جمادی الاولیٰ میں وقوع پذیر ہوا۔ (اسد الغابہ)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال فرمایا۔ یہ روایت اس بنا پر پیدا ہوگئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کی خلافت میں 27 ہجری میں فتح ہوا۔ لیکن یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا۔ حضرت عثمان ؓ کے دور خلافت میں اور دوسری مرتبہ امیر معاویہ ؓ کے دور خلافت میں معاویہ بن خدیج کی زیر قیادت۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت اپنے بھائی حضرت عبداللہ کو بلا کر وصیت فرمائی اور غابہ میں اپنی جائیداد جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے۔ اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔ غابہ مدینہ میں ایک مشہور جگہ تھی جو شام کی طرف واقع تھی۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نہایت فضل و کمال کی حامل تھیں۔ امام نووی نے تہذیب میں لکھا ہے کہ ان سے 40 احادیث منقول ہیں جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ یہ بات بھی سیدہ کی فضیلت میں جاتی ہے کہ ان کے خاندان کے آدمیوں نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ ان کے والد عمر رضی اللہ عنہ چچا زیادان کے شوہر تین ماموں عثمان بن مظعون، عبداللہ بن مظعون اور قدامہ بن مظعون اور ان کے ماموں کے بیٹے، سائب بن عثمان بن مظعون یہ اعزاز سیدہ کے لیے خاص ہے۔

(ابن ہشام)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی اگرچہ کوئی اولاد یاد کے طور پر نہ تھی لیکن سیدہ کی معنوی یادگاریں بہت سی ہیں۔ جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حمزہ بن عبداللہ، صفیہ بنت ابی عبیدہ (زوجہ عبداللہ بن عمر) حارث بن وہب، مطب بن ابی وداعہ ام بترا انصاریہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، عبداللہ بن صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ وغیرہ

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو علم سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اسی شوق کا اثر تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم کی بہت فکر رہتی تھی۔ حضرت شفاء بنت عبداللہ کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر (دم) آتا تھا۔ ایک روز وہ بیت نبوت میں آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو وہ منتر سکھا دو۔ روایات میں ان کی ایک صفت یہ بھی آتی ہے۔

انہا صوامة قوامة وہ (حفصہ) صائم النہار اور قائم الیل ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا انتقال کے وقت تک صائم تھیں۔

(الاصابہ جلد 1)

آپ کو دین میں تفقہ کا بھی ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ مختلف آیات سے مختلف نکات

نکالتی رہتیں۔

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر اور اصحاب حدیبیہ جہنم میں داخل نہیں ہوں گے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یا رسول اللہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (ان منکم الا واردھا) تم میں سے ہر شخص جہنم میں وارد ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کے جواب میں فرمایا:

ہاں لیکن یہ بھی تو ہے:۔

"پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

ایک بار نبی پاکؐ نے راز کی کوئی بات حضرت حفصہؓ سے کہہ دی اور پوشیدہ رکھنے کی تائید کی لیکن انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہہ دی جس پر یہ آیت نازل ہوئی "اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور اس نے وہ بات کہہ دی اور اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس کی خبر کر دی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کچھ حصہ اس سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا پھر جب اس سے کہا تو اس نے کہا کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ مجھے خدائے علیم وخبیر نے دی۔

شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے باہم مظاہرت کی یعنی دونوں نے مل کر اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر ان دونوں کے بارے میں آیتیں اتریں۔

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان کے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ایکا کرو تو خدا اور جبرائیل اور نیک مسلمان اور تمام فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ عصر کے بعد سب بیویوں کے پاس کھڑے کھڑے (خبر گیری کے لیے) تشریف لاتے تھے۔ ایک روز حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد پیا تو مجھ کو رشک آیا اور میں نے حضرت حفصہ

رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں وہ یوں کہے کہ آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔ مغافیر ایک خاص قسم کا گوند ہے جس کی کچھ بدبو ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے شہد پیا ہے۔ ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اس کا رس چوسا ہو (اسی وجہ سے شہد میں بو آنے لگی۔) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدبو کی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے۔ اس لئے آپ نے قسم کھالی کہ میں پھر شہد نہیں پیوں گا اور اس خیال سے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا دل برا نہ ہو۔ اس کے اخفاء کی تاکید فرمائی مگر ان بی بی نے دوسری سے کہہ دیا اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا شہد پلانے والی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و سودہ و صفیہ رضی اللہ عنہا اصلاح مشورہ کرنے والی ہیں اور بعض روایات میں یہ قصہ دوسری طرح بھی آتا ہے ممکن ہے کہ کئی واقعے ہوں اور ان سب کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں۔

(بیان القرآن سورہ تحریم)

ابن مردویہ نے منفرد طریقوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دونوں حضرات نے فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ (وإذ اسر النبی الخ)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ تیرا باپ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا باپ میرے بعد لوگوں کے امیر ہوں گے۔ خبردار یہ راز کسی کو نہ بتانا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اختلاف سے سخت نفرت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہا کے عہد خلافت میں جب جنگ صفین ہوئی اور پھر اس جنگ کا خاتمہ تحکیم پر ہوا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے لیکن حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھائی کو سمجھایا کہ اگر چہ اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں لیکن پھر بھی تمہیں ضرور شریک ہونا چاہئے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ تمہاری گوشہ نشینی ان میں مزید اختلاف پیدا کر دے۔ چنانچہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سمجھانے کی وجہ سے اس واقعہ میں شریک رہے۔ (بخاری جلد 2)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابن صیاد نامی تھا۔ اس میں دجال کی بہت سی علامات پائی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق شک تھا۔ ایک دن اس کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سر راہ ملاقات ہوگئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ چونکہ ایک متقشف زاہد تھے لہذا انہیں اسکی صورت دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ آپ نے ابن صیاد کو بہت سخت سست کہا۔ اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو مارنا شروع کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بولی تمہیں اس سے کیا غرض' اسے چھوڑ دو تمہیں پتا نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرم اس کا غصہ ہوگا۔

(مسند احمد جلد 4 صفحہ 383)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بعض مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہونے کے ناطے کلام میں سبقت لے جاتیں۔ چنانچہ ابن شہاب الزہری روایت کرتے ہیں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ ازواج مطہرات نے نفلی روزہ رکھا۔ کسی نے انہیں ہدیہ کے طور پر کھانا بھیجا تو انہوں نے اس پر روزہ افطار کرلیا پھر کچھ دیر بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا مجھ پر کلام میں سبقت لے گئی اور یہ کیونکر نہ ہوتا آخر وہ اپنے باپ (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی بیٹی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ حفصہ نے کہا: یارسول اللہ میرا اور عائشہ رضی اللہ عنہ کا نفلی روزہ تھا۔ ہمیں کچھ کھانا ہدیہ کے طور پر آیا اور ہم نے اس پر روزہ افطار کرلیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کی جگہ پر ایک اور روزہ رکھ لو۔ (الموطا مالک بن انس جلد 1 ص 304)

اس حدیث پر جو فقہی احکام مرتب ہوتے ہیں اس میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ نفلی روزے کی قضا نہیں ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور امام مالک اس حدیث کی وجہ سے نفل کو بلا سبب توڑنا جائز نہیں سمجھتے اور یہ وجوب قضا کا حکم لگاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد کہ حفصہ رضی اللہ عنہا جلدی سے بول پڑیں اور وہ اپنے باپ عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی۔ اس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی مدح ہے کہ وہ بات کرنے' سوال پوچھنے اور دینی مسائل دریافت کرنے میں جری تھیں۔

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام برہ تھا بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ رکھا) والد کی طرف سے سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن خزیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو۔ حارث بن ابی ضرار یعنی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد خاندان بنو مصطلق کے سردار تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔

آپ کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلے کے ایک شخص مسافع بن صفوان سے ہوا تھا۔ مسافع اور آپ کا باپ حارث دونوں سخت دشمن اسلام تھے۔ مسافع بن صفوان المصطلق تو حالت کفر میں قتل ہو گیا۔ آپ کے والد حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ طیبہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار بنی المصطلق کے رئیس نے مسلمانوں پر حملہ کے لیے بہت سی فوج جمع کی ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق احوال کے لیے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ بریدہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خروج کا حکم دیا۔

شعبان 5 ہجری کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جس کے پاس تیس گھوڑے تھے جن میں دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے۔ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔

اسلامی لشکر نے ناگہاں اور اچانک ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت وہ لوگ اپنے مویشیوں کو

پانی پلا رہے تھے۔ حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ دس آدمی ان کے قتل ہوئے۔ باقی مرد عورتیں، بچے اور بوڑھے سب گرفتار کر لئے گئے۔ مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ اور دو سو گھرانے قید ہوئے۔ ان قیدیوں میں سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برہ تھی۔

مال غنیمت کی تقسیم میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ مجھ سے مکاتبت کر لو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو۔ ثابتؓ نے 4 اوقیہ سونے پر مکاتبت منظور کر لی۔ لیکن حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سونا نہ تھا۔ انہوں نے چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کر دیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو معلوم ہے کہ میں برہ (جویریہ) سردار بنی المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میری اسیری کا حال آپ پر مخفی نہیں۔ تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں۔ انہوں نے مجھے مکاتبت بنا دیا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں اعانت کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں اگر تم پسند کرو وہ یہ کہ تمہاری طرف سے مکاتبت کی واجب الادا رقم میں ادا کر دوں اور آزاد کر کے تجھ کو اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ میں اس پر راضی ہوں۔
عبداللہ بن زیاد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تا کہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا لائیں۔

اِن میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ اور پسندیدہ تھے اُن کو ایک گھاٹی میں چھپا دیا کہ واپسی میں ان کو لے لوں گا۔ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ کی خدمت میں پیش کئے اور کہا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے۔ یہ اس کا فدیہ ہے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔ حارث نے کہا کہ (ترجمہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ کے سوا کسی اور کو اس کا علم نہ تھا۔ (اللہ ہی نے آپ کو اس سے مطلع کیا ہے۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے بنی المصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے بنی المصطلق کے 100 گھرانے آزاد کر دیئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

کہ میں نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جن کی وجہ سے ایک دن میں 100 گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔ اس سلسلہ میں امام بیہقی نے ایک روایت خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تین رات قبل خواب میں دیکھا کہ چاند یثرب سے چلا آرہا ہے اور میری آغوش میں آ گرا۔ میں نے یہ بات لوگوں کو بتانا پسند نہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب ہم قیدی ہوئے تو میں نے اپنے اس خواب کی تعبیر کی امید لگائی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کر کے اپنی زوجیت میں شامل فرما لیا۔ (دلائل النبوۃ جلد 4)

طبرانی میں ابن شواب الزہری سے روایت ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں تھیں۔ آپ نے انہیں آزاد فرمایا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا برقرار دیا اور بنو المصطلق کے جتنے قیدی تھے ان سب کو رہا فرمایا۔ (طبقات ابن سعد)

وفات

صحیح روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال ربیع الاول 50 ہجری میں ہوا۔ ایک اور روایت کے مطابق 56 ہجری میں آپ نے وفات پائی۔ مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ وہ اس وقت گورنر مدینہ تھا۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انتقال کے وقت سن مبارک 65 سال تھا اور دوسری روایت کے مطابق 70 سال۔ (طبقات ابن سعد)

جب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں اس وقت ان کی عمر بیس برس تھی اور انتقال کے وقت 65 سال۔

اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نام زینب تھا خیبر میں خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہو گیا ہو ۔صفیہ کہتے تھے اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ یہ زرقانی کی روایت ہے۔ باپ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے۔صفیہ بنت حی بن اخطب بن سعید بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن خزرج بن ابی حبیب بن النضیر بن الخام بن یخوم۔

صفیہ رضی اللہ عنہا کا والد ابن اخطب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور بنو نضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا لیکن حافظ ابن سید الناس نے برہ بنت شموال نقل کیا ہے جو رفاعہ بن شمول القرظی کی بہن تھی۔

ماں رئیس قریظہ کی بہن تھی اور یہ دونوں خاندان (بنو نضیر اور بنو قریظہ) بنو اسرائیل کے ان قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا۔ سلام نے طلاق دے دی پھر ان کا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ کنانہ خیبر میں مارا گیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور بھائی بھی وہاں کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ پہلے دونوں خاوندوں سے صفیہ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو اس کے مال غنیمت کی تقسیم میں صفیہ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ ان

پوچھا: اے عائشہ کیا دیکھا۔ جواب دیا ہاں ایک یہودیہ کو دیکھ آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا مت کہو وہ اسلام لے آئی ہے اور اس کا اسلام نہایت اچھا اسلام ہے۔

وفات

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان 50 ہجری میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان کی عمر 60 سال تھی۔ ابن خیثمہ کہتے ہیں کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال معاویہ کے دور حکومت میں ہوا۔ ایک لاکھ درہم ترکہ میں چھوڑا جو ایک زمین کی قیمت کا تھا اور ایک تہائی کی اپنے یہودی بھانجے کیلئے وصیت کر گئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے چند احادیث جن کو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان اور یزید بن معتب نے روایت کیا ہے۔ دیگر ازواج مطہرات کی طرح صفیہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی علم وعرفان کا مرکز تھا چنانچہ جب صبیرہ بنت جیفر حج بیت اللہ کر کے مدینہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو دیکھا کہ کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے ان کے پاس بیٹھی تھیں۔ صبیرہ بھی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے آئی تھیں۔ اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے مختلف سوالات کرائے۔ ایک مرتبہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک کنیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور کہا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا جس کو حضرت صفیہؓ نے ایمان افروز جواب دیا۔ اس کے بعد اس لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے عمر رضی اللہ عنہ سے میری شکایت کس کے اکسانے پر کی۔ اس نے کہا کہ شیطان کے اکسانے پر۔ صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اور پھر بولیں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔ میاں بیوی کی باہمی محبت سے زندگی کی گاڑی اچھے طریقے سے چلتی ہے۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی۔ چنانچہ جب آپ کی طبیعت ناساز ہوئی تو صفیہ رضی اللہ عنہا نے نہایت حسرت سے کہا کہ کاش آپ کی بیماری مجھے لگ جاتی۔ یہ کہنا تھا کہ تمام ازواج مطہرات نے صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا سچ کہتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

ایام محاصرہ میں جو 35 ہجری میں ہوا تھا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بہت مدد کی یہاں تک کہ پانی بھی عثمان رضی اللہ عنہ پر بند کر دیا اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا تا کہ باہر سے کوئی اندر نہ جا سکے تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کی طرف چل دیں۔ غلام کنانہ ساتھ تھا۔ مالک الاشتر کی نظر پڑی تو اس نے آ کر خچر کے منہ پر مارنا شروع کیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں۔ خچر کو چھوڑ دو اور مجھے واپس جانے دو۔ گھر واپس آئیں تو سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ ان کے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین ایک لکڑی رکھ دی جس کے اوپر سے کھانا اور پانی جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کھانا بڑا عمدہ پکاتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتیں۔

ایام محاصرہ میں جو 35 ہجری میں ہوا تھا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بہت مدد کی یہاں تک کہ پانی بھی عثمان رضی اللہ عنہ پر بند کر دیا اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا تا کہ باہر سے کوئی اندر نہ جا سکے تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کی طرف چل دیں۔ غلام کنانہ ساتھ تھا۔ مالک الاشر کی نظر پڑی تو اس نے آ کر خچر کے منہ پر مارنا شروع کیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں۔ خچر کو چھوڑ دو اور مجھے واپس جانے دو۔ گھر واپس آئیں تو سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ ان کے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین ایک لکڑی رکھ دی جس کے اوپر سے کھانا اور پانی جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کھانا بڑا عمدہ پکاتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتیں۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

نام برہ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ نام رکھا۔میمونہ یمن سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں برکت اور میمون کے معنی ہیں مبارک۔باپ کی طرف سے نسب نامہ حسب ذیل ہے۔

میمونہ بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ھوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان' الھلالیہ۔ ہلال بن عامر پر ان کا نسب بھی حضرت زینب بنت خزیمہ سے جاملتا ہے۔اسی وجہ سے یہ بھی الھلالیہ ہیں۔

والدہ کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے۔ ہند بنت عوف بن زھیر بن الحارث بن حماطہ بن حمیر' حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا' عبداللہ بن عباس ﷺ اور خالد بن ولید ﷺ کی حقیقی خالہ تھیں کیونکہ ان کی بڑی بہن لبابہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کی والدہ تھیں اور دوسری بہن لبابہ الصغریٰ جو عصماء بنت الحارث کے نام سے موسوم تھیں۔ولید بن مغیرہ کی بیوی تھیں اور خالد بن ولید کی والدہ تھیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی کئی بہنیں تھیں بعض تو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے تھیں اور بعض ماں کی طرف سے۔

1-ام الفضل لبابہ الکبریٰ

یہ عباس بن عبدالمطلب یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اہلیہ محترمہ تھیں اور

عبداللہ بن عباس، فضل بن عباس کی والدہ تھیں۔

عصماء بنت الحارث (بعض حضرات کے نزدیک لبابہ الصغریٰ کا نام ہی عصماء بنت الحارث تھا۔ بعض کے نزدیک یہ میمونہ رضی اللہ عنہ کی الگ بہن تھیں۔ ان کا نکاح ابی بن خلف سے ہوا۔

عزہ بنت الحارث

یہ زیاد بن عبداللہ بن مالک الہلالی کی بیوی تھیں۔ یہ سب بہنیں میمونہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی تھیں بعض ماں اور باپ کی طرف سے تھیں اور بعض صرف ماں کی طرف سے۔

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

ان کا پہلا نکاح حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ ان سے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے جو بچے پیدا ہوئے ان کے نام عبداللہ رضی اللہ عنہ" محمد رضی اللہ عنہ" عون رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جب جنگ موتہ میں شہید ہوئے تو پھر ان کا نکاح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان سے ایک بیٹا محمد پیدا ہوا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ربیب تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی اور ان سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا۔ بلاذری نے ایک اور بچے کا نام عون بتایا ہے وہ بھی آپ کا ہے۔

سلمیٰ بن عمیس

ان کی یہ بہن سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب کی اہلیہ تھیں اور ان سے ان کی بیٹی امامہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئیں۔ بعض نے اس لڑکی کا نام امتہ اللہ اور بعض نے فاطمہ بتایا ہے۔ جنگ اُحد میں امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شداد بن اسامہ بن الہاد اللیثی نے ان سے نکاح کیا اور ان سے دو لڑکے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ کہا جاتا تھا کہ پوری روئے زمین میں ہند بنت عوف سے زیادہ کوئی عورت اپنے دامادوں کے لحاظ سے بزرگ اور خوش قسمت نہیں ہے کیونکہ اس کے دامادوں میں یہ شخصیات شامل ہیں۔

1- ان کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے رسول اللہؐ کے نکاح میں آئیں۔

2- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

3- حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

4- حضرت عباس رضی اللہ عنہ

5- حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

6- حضرت علی رضی اللہ عنہ

7- شداد بن الهاد رضی اللہ عنہ

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ابوسفیان صخر بن حرب کی شادی چچازاد سے ہوئی تھی، جس کا نام صفیہ بنت ابوالعاص بن امیہ تھا۔ صفیہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک پیاری سی بیٹی عطا فرمائی۔ اس وقت ابوسفیان کی عمر 33 برس تھی۔ انہوں نے بیٹی کا نام رملہ رکھا۔ رملہ نازونعم سے پروان چڑھ کر جوان ہوئی اور شادی کے قابل ہوگئی۔ اس کے لئے شادی کے پیغامات آنے شروع ہوئے۔ ماں باپ کو رملہ کے لئے موزوں رشتہ عبیداللہ بن جحش کا لگا تو انہوں نے دونوں کی شادی کر دی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کا نام امیمہ تھا جو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ امیمہ بنت عبدالمطلب کے شوہر کا نام جحش بن رباب تھا۔ یہ دونوں عبیداللہ بن جحش کے والدین تھے۔ جحش بن رأب کا تعلق خاندان بنی اسد بن خزیمہ سے تھا۔ عبیداللہ جحش کے دو بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ بھائیوں کے نام ابواحمد اور عبداللہ تھے اور بہنوں کے نام زینب، اُم حبیبہ اور حمنہ تھے۔ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی اور وہ اُم المومنین بنیں۔ رملہ بنت ابوسفیان اور عبیداللہ بن جحش کی شادی ہوگئی اور رملہ والدین کے گھر سے رخصت ہوکر سسرال پہنچ گئی۔ شادی کے بعد دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کرلیا۔ بعثت کے تین سال بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر علی اعلان اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ مشرکینِ مکہ نے اذیت رسانی، مخالفت اور عداوت کرنے میں کوئی

دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ان سب مخالفین میں ابوسفیان صخر بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ حالات روز بروز بگڑتے چلے گئے۔ کفار مکہ نئے مذہب کو بالکل برداشت نہ کرتے تھے۔ جب حالات بے قابو ہو گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت حبشہ کا مسلمانوں کو حکم دیا۔ چنانچہ پہلا قافلہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلا گیا۔ اس قافلے میں رملہ جن کی کنیت اُم حبیبہ تھی اوران کے شوہر بھی شامل تھے۔ حبشہ میں ان کے شوہر عبیداللہ نے عیسائیت قبول کر لی جس کے باعث دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ وہیں پر عبیداللہ بن جحش کو موت آ گئی۔ غزوۂ خندق کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ سے اُم حبیبہ رضی اللہ عنہ کا رشتہ طلب کیا۔ بادشاہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس روانہ کر دیا جنہوں نے بخوشی نکاح کے لئے رضامندی ظاہر کر دی۔ اسی شام نجاشی نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا اہتمام کیا۔ حضرت اُم حبیبہ کی جانب سے خالد بن سعید نے وکالت کی۔ بادشاہ نجاشی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکیل تھے۔ اس وقت حضرت ام حبیبہ کی عمر چھتیس سال تھی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد نجاشی ان کا بہت خیال رکھتا تھا۔ ان کی تمام ضروریات پوری کرتا تھا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ سے حبشہ آئیں تھیں اور مسلسل تیرہ برس تک وہیں مقیم رہیں۔

شاہ حبشہ نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ایک قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ اس قافلے کے سردار حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اُم المومنین کی حیثیت سے مدینہ منورہ پہنچیں۔ ان دنوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کیلئے گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ مدینہ منورہ میں اپنے شوہر کی واپسی کا انتظار کرنے لگیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر 40 برس کے قریب تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں ان کے ابھی چار سال ہی گزرے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی اپنی خلافتوں میں تمام اُمہات المومنین کا بہت احترام کرتے رہے۔

40 ہجری میں حضرت اُم حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جب تک زندہ رہیں اپنے شوہر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل

کردہ علم کے خزانے اپنے روحانی بیٹوں پر لٹاتی رہیں۔ان سے 65 احادیث مروی ہیں۔ان کی انتقال کے وقت 74 برس عمر تھی۔یہ ان کے باپ کی طرف سے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ اقتدار تھا۔ان کی قبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر میں تھی۔ کچھ روایات کے مطابق وہ اپنے بھائی سے ملنے دمشق گئیں تھیں اور وہیں پر ان کا انتقال ہو گیا لیکن زیادہ قوی روایت یہی ہے کہ آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

نبی کریم ﷺ کی باندیاں

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

حضرت ماریہ بنت شمعون قبطی کو مقوقس قبطی حاکم مصر و اسکندریہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف میں بھیجا تھا۔ مقوقس نے حضرت ماریہ کے ساتھ ان کی بہن سیرین کو بھی بھیجا۔ سیرین کو آپ ﷺ نے ایک صحابی کو عطا کر دیا جبکہ حضرت ماریہ جو مسلمان ہو چکی تھیں کو اپنی خدمت کے لیے رکھ لیا۔ آپ بہت حسین تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان پر رشک کیا کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت ابراہیم انہی سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بنت زید بن عمر بنونضیر کی باندیوں میں سے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ بنو قریظہ سے تھیں ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ریحانہ کیا تمہیں پسند نہیں کہ تمہیں بھی دوسری ازواج کی طرح رکھوں۔ حضرت ریحانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہوگی مگر میں اس میں آسانی پاتی ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسی حال پر رہنے دیں۔ ان کی وفات نبی پاک کے وصال سے قبل حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت ہوئی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری باندی جمیلہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کسی لڑائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئیں۔ ان تین باندیوں کے علاوہ آپ کی چوتھی باندی بھی تھیں جنہیں ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

اولاد نبی کریم ﷺ

1- حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم نبی پاک اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے فرزند ہیں آپ اعلان نبوت سے پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کے نام سے ہی نبی پاک کی کنیت "ابوالقاسم" مشہور ہوئی۔ حضرت قاسم بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے بعض روایات کے مطابق آپ پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے اور انکی عمر سترہ ماہ تھی۔

2- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بھی نبی پاک کے وہ فرزند ہیں جو بطن خدیجہ سے پیدا ہوئے۔ آپ کا لقب طاہر وطیب ہے۔ بعض علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ کا لقب طیب رسول اللہ کی جانب سے اور طاہر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے تھا۔ حضرت عبداللہ کی ولادت ظہور اسلام کے بعد مکہ معظمہ میں ہوئی۔ آپ نے بھی عہد طفولیت میں وفات پائی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا باپ عاص بن وائل بڑا دشمن رسول تھا۔ اسے جب حضرت عبداللہ کے انتقال کی خبر ملی' اس سے پہلے وہ حضرت قاسم کے انتقال کی خبر بھی سن چکا تھا تو اس نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند رحلت کر گئے اور وہ ابتر (بے نسل) رہ گئے۔

(مدارج النبوت)

ابتر کے لغوی معنی دم کٹا' بے فرزند اور بے خبر ہونے کے ہیں' عاص بن وائل اور دیگر

مشرکین کی اس طنز آمیز گفتگو کے بعد سورہ کوثر کا نزول ہوا۔"

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد وحساب عطا کیا۔ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لیے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر) یقیناً جو آپ کا دُشمن ہے وہی بے نام ونشان ہوگا۔

3- حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے فرزند ہیں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد کے بعد متولد ہوئے۔ آپ کا نام ابراہیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے نام پر رکھا۔ آپ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت ماہ ذی الحجہ 8 ہجری میں ہوئی۔

جب آپ کی ولادت ہوئی تو حضرت سلمٰی دایہ نے اپنے شوہر حضرت ابورافع (نبی کریم کے آزاد کردہ غلام) کو خبر دی کہ مخدومہ امت حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں فرزند پیدا ہوا ہے تو حضرت ابورافع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں یہ خبر پہنچائی۔ یہ خوشخبری دینے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غلامی سے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ابا ابراہیم کی کنیت سے مخاطب کیا اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے۔

رضاعت

حضرت ام بردہ بنت منذر بن زید انصاری جو براء بن اوس انصاری جن کا لقب قین (لوہار) تھا' کی زوجہ ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند کو دودھ پلانے کی خدمت ان کے سپرد کی مدارج النبوت میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دودھ پلانے والی کو ایک قطعہ نخلستان عطا فرمایا تھا۔ نبی کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے ان کے گھر جاتے تو گھر میں بھٹی کا دھواں آپ کو ناگوار گزرتا مگر آپ اپنے فرزند کی خاطر اسے برداشت کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "میں نے کسی کو اپنے بال بچوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مہربان نہیں دیکھا۔"

حضرت ابراہیم وفات پا گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا بیٹا ابراہیم شیر خوارگی میں وفات پا گیا اور اس کے لیے دو دائیاں مقرر ہیں جو اس کی شیر خوارگی جنت میں پوری کریں گی۔

(مشکوٰۃ شریف)

وفات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حضرت ابراہیم نزع کے عالم میں ہیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت ابراہیم کے سرہانے پہنچے اور دیکھا کہ ابراہیم جانکنی میں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لے کر اپنی آغوش میں لٹایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے اشک رواں ہو گئے فرمایا اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے سبب غمگین ہیں۔ میری آنکھیں روتی ہیں اور دل جلتا ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسی بات نہ فرمائی جس سے خدا سے ناراضگی ظاہر ہوتی ہو۔ ابوداؤد کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم ستر دن کے تھے۔ مدارج النبوت کی ایک روایت کے مطابق آپ کی عمر سولہ مہینے آٹھ دن تھی۔ بعض نے ایک سال دو مہینے چھ دن لکھا ہے۔ اور کچھ ڈیڑھ سال بتاتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے آنسو دیکھ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی روتے ہیں۔ آپ نے تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عوف کے فرزند جس حالت کا تم نے مشاہدہ کیا ہے۔ یہ میت پر رحمت و شفقت کا اظہار ہے جو کہ اس کی حالت دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور میں نے جو ممانعت فرمائی ہے وہ دو آوازوں کی بنا پر ہے۔ ایک وہ جو بیہودہ گانے 'لہو ولعب اور شیطانی ہو اور دوسری وہ آواز جو مصیبت کے وقت ہو اور میں منع کرتا ہوں منہ نوچنے' چہرہ پیٹنے' کپڑے پھاڑنے اور بین کرنے سے لیکن آنکھوں سے پانی جاری ہونا رحم و شفقت کی وجہ سے ہے اور جو رحم و شفقت نہیں کرتا۔ اس پر بھی رحم نہ ہوگا۔ حضرت ابراہیم کو ان کی دایہ نے نے غسل دیا بعض کے نزدیک حضرت فضل بن عباس ؓ نے غسل دیا اور عبدالرحمٰن بن

عوف ﷺ نے پانی ڈالا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون ﷺ کے قریب دفن کیا۔ ان کی قبر پر پانی چھڑکا گیا اور نشان لگایا گیا۔ جس دن ابراہیم فوت ہوئے تو اسی روز سورج گرہن لگا۔ لوگوں نے اسے حضرت ابراہیم کی موت کی وجہ قرار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت و حیات پر گرہن پر نہیں آتے۔

سیدہ زینب بنت رسول ﷺ

حضرت سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے دس سال قبل از بعثت مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سب سے بڑی ہیں۔ بعض اہل سیر کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت قاسم' ان سے بڑے تھے۔ تاہم اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا اپنی تینوں بہنوں سے بڑی تھیں۔ آپ نیک سیرت اور پاکیزہ اخلاق' باسلیقہ' باشعور اور عقل وفہم کی دولت سے بھی بہرہ یاب تھیں۔

آپ کا اسم شریف زینب بنت رسول اللہ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔

آپ کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیع بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی سے ہوا جو ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن ہالہ بنت خویلد کے لڑکے تھے یعنی حضرت زینب بنت مصطفیٰ ﷺ کے خالہ زاد تھے۔

آپ کے شوہر

حضرت سیدہ زینبؓ کے شوہر ابوالعاص رضی اللہ عنہ شریف النفس اور امانت دار ہونے کے علاوہ صاحب تجارت بھی تھے۔ آپ جب کبھی سفر سے واپس آتے تو فوراً اپنی خالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر آتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا طاہرہ کی خواہش تھی کہ حضرت زینب کا نکاح اپنے بھانجے ابوالعاص سے کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک روز اس بارے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے یہ رشتہ پسند فرمایا۔ حضرت زینب

رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی شادی ابوالعاص کے ساتھ ہوگئی۔

یہ واقعہ اعلان نبوت سے پہلے کا ہے۔ابوالعاص اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں' آپ کا نام لقیط ہے بعض نے مہتم' قاسم اور یاسر بھی لکھا ہے اکثر کے نزدیک قول اول درست ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا اور آپ پر وحی نازل فرمائی تو حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فوراً ایمان لے آئیں۔اس وقت ابوالعاص ایک تجارتی سفر کے سلسلے میں مکے سے باہر گئے ہوئے تھے۔انہوں نے دوران سفر ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں خبریں سن لی تھیں۔ جب گھر واپس پہنچے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی زبانی ان خبروں کی تصدیق ہوگئی۔ جب زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے بھی اسلام قبول کرلیا ہے تو وہ مخمصے میں پڑ گئے اور کہا اے زینب رضی اللہ عنہا' کیا تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لایا تو پھر کیا ہوگا؟ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اپنے صادق اور امین باپ کو کیسے جھٹلاسکتی ہوں؟ خدا کی قسم وہ سچے ہیں اور ان پر میری ماں اور میری بہنیں اور علی بن ابی طالب اور ابوبکر اور تمہاری قوم میں سے عثمان بن عفان اور تمہارے ماموں زاد بھائی زبیر بن عوام بھی ایمان لے آئے ہیں اور میں تو یہ قیاس بھی نہیں کرسکتی کہ تم میرے باپ کو جھٹلاؤ گے اور ان کی نبوت پر ایمان نہ لاؤ گے۔ابوالعاص نے کہا کہ مجھے تمہارے والد پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور نہ میں ان کو جھٹلاتا ہوں بلکہ مجھے تو اس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے طریقے پر چلوں لیکن میں اس بات سے گھبراتا ہوں کہ مجھ پر الزام دھریں گے اور کہیں گے کہ میں نے اپنی بیوی کی خاطر اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔

ادھر قریش مکہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکیوں' خوبیوں' دیانت وامانت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی وراستی کے معترف تھے یک لخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو دکھ پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی صاحبزادیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوچکے تھے۔ابولہب نے بیٹوں پر زور دے کر انہیں طلاقیں دلوادیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دلوانے کے لیے بھی قریش مکہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

حتیٰ کہ انہوں نے ابوالعاص سے کہا کہ تم دختر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو طلاق دے دو اور قریش میں سے جو لڑکی تم پسند کرو ہم اسے تمہارے ساتھ بیاہ دیتے ہیں لیکن ابوالعاص نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ خدا کی قسم زینب رضی اللہ عنہا کے عوض کسی بھی عورت کی مجھے ضرورت نہیں اور نہ میں زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے سے جدا کر سکتا ہوں۔

علماء کرام کے مطابق اس وقت تک کافر و مومن میاں بیوی کی تفریق کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ابوالعاص کے درمیان تفریق نہ کرائی گئی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اسلام کو اس وقت غلبہ حاصل نہ تھا اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ میں تفریق نہ کرائی جا سکی۔ یہ دونوں باتیں اپنی جگہ درست ہوں گی لیکن اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طلاق سے زیادہ دلچسپی ابوالعاص کے قبول اسلام میں تھی۔

جنگ بدر اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ

جنگ بدر میں قریش مکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لیے یہ بات صدمہ کا باعث تھی کہ ایک طرف اپنے شوہر اور بچوں کا خیال تھا اور دوسری طرف اپنے عظیم شفیق باپ کا خیال۔ جس سمت سے سوچتیں دل ڈوبنے لگتا۔ آپ رضی اللہ عنہا انہی سوچوں میں گم تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب جو زبیر بن امیہ مخزومی کی ماں تھیں نے آ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اے بیٹی کیا تو نے یہ عجیب خبر سنی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود قلت صحابہ کے قریش کے لشکر عظیم پر فتح پائی ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ خبر سنی تو مارے خوشی کے ان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وافرحتنا لیکن پھر فوراً اپنے بچوں علی اور امامہ سے لپٹ گئیں اور روتے ہوئے پوچھا میرے شوہر ابوالعاص کا کیا حال ہے؟ عاتکہ نے جواب دیا کہ وہ گرفتار ہو گئے ہیں۔ اپنے سسر کریم کی قید میں ہیں۔

جنگ بدر کے قیدی جب مدینہ منورہ لائے گئے تو یہ فیصلہ ہوا کہ اسیران جنگ سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔ ابوالعاص بھی قیدیوں میں شامل تھے اور ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔

اس لیے انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو فدیہ کی رقم بھیجنے کے لیے پیغام بھیجا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ان کے گلے میں لٹکا رہتا تھا۔ جسے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے عقد کے وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے جہیز میں دیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا تو پرانی یادیں تازہ ہو گئیں اور آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور مارے غیرت وحیا کے صحابہ کرام کے سر جھک گئے اور آنکھیں زمین سے لگ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ اگر تم رضامند ہو تو میں اپنی بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دوں اور ابوالعاص کو رہا کر دوں۔ تمام صحابہ کرام نے سر تسلیم خم کیا اور ابوالعاص کو فدیہ کے بغیر رہا کر دیا گیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ عہد لیا کہ مکے پہنچ کر تم زینب رضی اللہ عنہا کو میرے پاس بھیج دو گے۔

ہجرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص کے ساتھ زید بن حارثہ اور ایک انصاری کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لے آئیں اور فرمایا کہ مکہ کے اندر نہ جانا بلکہ وادی ناجح کے بطن میں ٹھہرنا۔ یہ ایک موضع کا نام ہے جو مکہ کے باہر مسجد عائشہ کے سامنے ہے جہاں انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ آپ نے فرمایا جب وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو تمہارے حوالے کر دیں تو ان کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ جانا۔ گھر پہنچ کر حضرت ابوالعاص نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ بن ربیع کے ہمراہ زید بن حارثہ کی طرف روانہ کر دیا جو انہیں لینے آئے تھے۔

قریش نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی روانگی کی خبر سنی تو ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ سب سے پہلے انہیں ہبار بن اسود اور نافع بن قیس ذی طویٰ کے مقام پر جا ملے۔ سیدہ زینبؓ کجاوہ میں سوار تھیں۔ سیار نے آگے بڑھ کر اونٹ کو اپنے نیزے کے ساتھ ایک زوردار کچوکا دیا، جس سے وہ تڑپ اٹھا اور حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نیچے گر پڑیں اور آپ کو ایسی سخت چوٹ آئی کہ جنین شکم میں ساقط ہو گیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت زینبؓ کو لے کر مدینے پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے سیار اور اس کے ساتھیوں کا حال سنا تو غضب ناک ہو کر فرمایا کہ اگر تم ان پر قابو پاؤ تو ان کو قتل کر دینا۔

منقبت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی منقبت میں فرمایا
ھی افضل بناتی اصیبت فی یعنی یہ میری بیٹیوں میں افضل ہے' اس حیثیت سے کہ اسے میری وجہ سے مصیبت پہنچی۔

خیال رہے کہ یہ فضیلت اس امر کے باعث ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو راہ حق میں کئی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مثلاً ایک مدت والد کریم کی مفارقت اور سفر ہجرت میں درپیش مشکلات وغیرہ

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ہجرت کے چھٹے سال حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا مقدر بھی رفعت آشنا ہوا اور ظلمت کدہ اصنام میں بھٹکنے والا یہ پیکر خاکی آفتاب ہدایت بن گیا۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے سب کو چھوڑا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو نبی رحمت نے کمال شفقت و محبت کا مظاہرہ فرمایا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح اول ہی پر ابوالعاص کے پاس بھیج دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ نکاح دوبارہ کیا گیا (ابن ہشام)

وفات

حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال 8 ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوا اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے ماہ ذوالحجہ 12 ہجری میں وفات پائی۔

اولاد زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ عنہما کے بطن سے ایک فرزند جن کا نام علی رضی اللہ عنہ تھا اور ایک صاحبزادی جن کا نام امامہ تھا پیدا ہوئیں۔

علی رضی اللہ عنہ سبط رسول ﷺ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت علی رضی اللہ عنہ سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے والد جناب ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے رضاعت کے لیے ایک قبیلہ میں چھوڑ رکھا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایام رضاعت کے بعد مدینہ منورہ منگوالیا اور ان کی پرورش اپنی تربیت میں فرمائی۔ فتح مکہ کے روز یہی حضرت علی سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نانا جان کے ناقہ پر آپ کے ردیف تھے اور قریب بلوغت دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(بخاری)

امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم امامین حسنین رضی اللہ عنہم کو اپنے دوش مبارک پر سوار کرتے تھے اسی طرح سے امامہ بنت زینب کو بھی اپنے دوش مبارک پر اٹھا لیتے تھے۔

وصیت زہرا رضی اللہ عنہا

حضرت سیدہ فاطمہ بتول علیہ السلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد میری بھانجی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں لے لیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند محمد اوسط پیدا ہوئے۔

سیدہ رقیہ بنت رسول ﷺ

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نبی اکرم ﷺ کی دوسری صاجبزادی ہیں جو سرکار علیہ السلام کی 33 سال کی عمر شریف میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تین سال بعد بعثت نبوی سے سات سال پہلے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سنت کو اپنے شوہر کا ساتھ دے کر قائم کیا۔ آپ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

عقد اول

جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگئی جو بنو عبدالعزیٰ بن عبدالشمس بن عبد مناف میں سے تھے تو بنو ہاشم کو خیال ہوا کہ شاید سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح بھی کہیں اپنی قوم و برادری سے باہر کسی دوسرے قبیلے میں نہ ہو جائیں۔ اس لیے نکاح زینب رضی اللہ عنہا سے تھوڑا عرصہ بعد بنی عبدالمطلب' حضرت ابوطالب کو ساتھ لے کر حضرت رقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پیغام لے کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جناب ابوطالب نے بات شروع کرتے ہوئے کہا کہ اے بھتیجے! آپ نے زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص کے ساتھ کر دیا ہے۔ بے شک وہ اچھا داماد اور شریف انسان ہے لیکن آپ کے عم زاد کہتے ہیں کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے کا حق ہے۔ اسی طرح سے آپ پر ہمارا بھی حق

ہے اور حسب ونسب میں اور شرافت میں بھی ہم اس سے کم نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات درست ہے۔ اس پر جناب ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ آپ کے چچا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے مانگنے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے چچا قرابت داری اور رشتہ داری سے تو انکار نہیں لیکن اس معاملہ میں آپ مجھے کچھ مہلت دے دیں۔

عتبہ اور عتیبہ کی ماں ام جمیل بنت حرب (ابوسفیان کی بہن) امیر معاویہ ؓ کی پھوپھی تھی جو نہایت زبان دراز، سنگ دل، بداخلاق اور بدمزاج عورت تھی۔ اس لیے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ڈرتی تھیں کہ ابولہب کے گھر میں اسی عورت کے ساتھ میری لڑکیوں کی گزران کیسے ہوگی۔ اس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر الٰہی میں زیادہ مشغول رہنے لگے تھے۔ اس لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے ان خدشات کا اظہار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنا نہ چاہتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ذکر نہ کیا چنانچہ بعثت نبوی سے پہلے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح بالترتیب ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہو گئے۔ چونکہ لڑکیاں ابھی بالغ نہ تھیں اس لیے رخصتی نہ ہوئی۔ (بنات مصطفیٰ)

طلاق

جب سورۂ لہب (تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ O) نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا۔ رَأْسِي مِنْ رَأْسِكُمَا حَرَامٌ إِنْ لَّمْ تُفَارِقَا اِبْنَتَي مُحَمَّدٍ کہ "جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے میرا سر تمہارے سروں سے جدا رہے گا۔" چنانچہ ابولہب کے دونوں لڑکوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں (رقیہ و ام کلثوم رضوان اللہ علیہم) کو قبل از رخصتی اپنے نکاحوں سے جدا کر دیا۔

حضرت قاضی عیاض اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابولہب کے لیے ان الفاظ میں بددعا کی۔

اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ "اے اللہ تو اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو مسلط کر دے۔" "فَاَكَلَهُ الْاَسَدُ" "تو ایک شیر نے اسے پھاڑ کھایا تھا۔

عتبہ یا عتیبہ

محققین و مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ جس کو شیر نے ہلاک کیا وہ عتبہ تھا یا عتیبہ' بعض نے عتبہ کے بارے میں اور بعض نے عتیبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ عتبہ سے متعلق ہے۔ عتیبہ بعد میں مسلمان ہو کر صحابہ کی گنتی میں شمار ہوا۔

علامہ شبلنجی نورالابصار میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عتبہ نے جب حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو جدا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: كَفَرْتُ بِدِينِكَ وَفَارَقْتُ ابْنَتَكَ ''میں نے آپ کے دین سے کفر و انکار کیا ہے اور آپ کی بیٹی کو جدا کر دیا ہے'' کہنے لگا۔ آپ کی بیٹی مجھے اچھا نہیں سمجھتی اور میں آپ کو اچھا نہیں سمجھتا۔ میں شام کی طرف بغرض تجارت جا رہا ہوں ...... ثُمَّ سَطَا عَلَيْهِ وَشَقَّ قَمِيصَهُ پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا اور آپ کی قمیض پھاڑ ڈالی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنِّي اَسْأَلُ اللهَ اَنْ يُسَلِّطَ عَلَيْكَ كَلْبَهُ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تیرے اوپر اپنا کتا مسلط کر دے۔'' عتبہ قریش کے تاجروں کے ساتھ نکلا حتیٰ کہ شام میں زرقاء کے مقام پر رات بسر کرنے کے لیے ٹھہرے تو اسی رات ایک شیر آیا عتبہ کہنے لگا۔ يَاوَيْلَ اُمِّيْ هُوَ وَاللهِ آكِلِيْ كَمَادَعَاعَلَيَّ مُحَمَّداً قَاتِلِيْ ابْنُ اَبِيْ كَبْشَةَ وَهُوَ بِمَكَّةَ وَاَنَا بِالشَّامِ ''ہائے میری ماں'' وہ شیر مجھے کھا جائے گا۔ جیسا کہ میرے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی ہے کیا ابن ابی کبشہ مجھے قتل کر دے گا؟ حالانکہ وہ مکہ میں ہے اور میں ملک شام میں جا رہا ہوں۔'' لوگوں کے سامنے شیر نے اس پر حملہ کیا اور اس کا سر پکڑ کر زمین پر مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

(نورالابصار ص 43)

ابو کبشہ

تفسیر خطیب رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق جناب ابو کبشہ کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیال سے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف اس لیے منسوب ہیں کہ ابو کبشہ نے

قریش وغیرہ کی مخالفت کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے دین کی مخالفت کی تو کفار قریش نے کہا: نَزَعَهٗ اَبُوْ كَبْشَةَ "ان کو ابو کبشہ کھینچ لے گیا ہے۔" ذَخَائرُ العُقبیٰ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رضائی باپ جو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا شوہر تھا اسے بھی ابو کبشہ کہا جاتا تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نکاح

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مکہ مکرمہ میں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ایماء ورضا سے تھا۔

طبرانی نے "معجم" میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللہَ اَوْحیٰ اِلَیَّ اِنْ اَزْوَاجَ کَرِیْمَتِیْ عُثْمَانَ بِنْ عُفَّان "کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ میں اپنی کریمہ کا نکاح عثمان بن عفان سے کردوں۔

جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا تو اس وقت یہ بات مکہ مکرمہ میں بہت مشہور ہوئی۔ اَحْسَنَ زَوْجَیْنِ رَاهُمَا اِنْسَانٌ رُقَیَّةُ وَزَوْجُهَا عُثْمَانُ ۔سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے وہ رقیہ رضی اللہ عنہا و عثمان ﷜ ہیں۔

اس نکاح پر جناب سعدیٰ بنت کرز صحابیہ کے یہ اشعار ہیں۔

هُدٰی اللهُ عُثْمَانَ الصَّفِیَّ بِقَوْلِهٖ
فَاَرْشَدَهٗ وَاللهُ یَهْدِیْ اِلْحَقِّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے عثمان ﷜ باصفا کو اپنے اس قول سے (کہ اللہ تعالیٰ حق کی طرف ہدایت دیتا ہے) ہدایت اور رہنمائی بخشی۔"

وَاَنْكَحَ الْمَبْعُوْثُ اِحْدٰی بَنَاتِهٖ
فَكَانَ كَبَدْرٍ مَازِجِ الشَّمْسِ فِی الْاُفُقِ

ترجمہ: اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح آپ سے کردیا۔

آپ ایسے چودھویں کے چاند کی طرح تھے جو افق میں سورج کو شرمارہا ہے۔

ارشادِ رسول ﷺ

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سنت کو اپنے شوہر نامدار کا ساتھ دے کر قائم کیا۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو ہجرتیں کیں۔ ایک حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا:

اِنَّهُمَا لَاَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ بَعْدَ لُوْطٍ وَّاِبْرَاهِيْمَ لوط علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی۔ (مدارج النبوت)

وفات

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا 3 ہجری میں بیمار ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر کو تشریف لے جا رہے تھے اس وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا علیل تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیمارداری کے لیے عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح کی بشارت لے کر مدینہ پہنچے تو اسی وقت سیدہ کی تدفین ہو رہی تھی۔ بوقت وفات سیدہ کی عمر شریف 21 سال تھی۔ آپ کی وفات چیچک کی بیماری کے سبب سے ہوئی۔

اولاد

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ سبط رسول ﷺ اپنی والدہ کے بعد صرف دو سال تک زندہ رہے۔ ان کی عمر چھ سال کی تھی کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کے قریب ٹھونگ ماری، زخم پک گیا۔ آخر یہ والدہ کی یادگار بھی آغوشِ مادر میں جا سویا۔

بعض علماء کرام اس روایت سے اختلاف کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ عبداللہ نے 65 یا 67 برس کی عمر پائی۔

سیدہ ام کلثوم بنت رسول ﷺ

حضرت سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ہیں آپ بعثت نبوی سے چھ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اس پاک بی بی بنت رسول ﷺ نے اپنے پیارے باپ اور عظیم والدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حالات ومشکلات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ شعب ابی طالب کے کٹھن ترین مراحل کو برداشت کیا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کر کے حبشہ کو چلی گئیں۔ لیکن سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنی بوڑھی ماں اور چھوٹی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکہ میں رہ گئیں۔

ان سخت ترین ایام میں خدا تعالیٰ کی بندگی، اپنے مغموم بابا کے دکھوں میں شریک ہونا، اپنی بوڑھی ماں کا ہاتھ بٹانا، اپنی چھوٹی بہن کو دلاسے دینا۔ یہ وہ امور ہیں جن کا انجام دینا اتنا آسان نہ تھا۔ یہ وہ سعادتیں ہیں جو ام کلثوم کے حصہ میں آئیں۔

عقدِ نکاح

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا لیکن رخصتی نہ ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے تبلیغ کا آغاز فرمایا تو ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل آپ کے سخت مخالف ہو گئے۔

ابولہب آپ کا سگا چچا تھا لیکن اس نے رشتہ داری کو بالائے طاق رکھ دیا اور آپ کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور قدم قدم پر آپ سے دشمنی کرنے لگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ''سورہ لہب'' نازل فرمائی۔ جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کا نام لے کر بالتصریح ان کی مذمت کی

گئی۔ اس پر ان کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا' ام جمیل ہاتھ میں کنکریاں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کے لیے چڑھ دوڑی اور ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیٹیوں' حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے بیٹوں سے طلاق دلوا دیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح

جب حضرت سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کی وفات ہوئی تو اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاوّل 3 ہجری میں اپنی عظیم بیٹی سیدہ ام کلثوم علیہ السلام کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میری بیوی یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو میں بہت رو دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "مَا یُبْکِیکَ؟" کیوں رو رہے ہو۔ "قُلْتَ اَبْکِیْ عَلٰی اِنْقِطَاعِ صِھْرِیْ مِکَ" میں نے عرض کیا۔ اس لیے کہ آپ سے میری دامادی کا تعلق منقطع ہو گیا ہے۔ قَالَ فَھٰذَا جِبْرَائِیل یَاْمُرِنِیْ بِاَمرِ اللهِ اَنْ اُزَوِّجَکَ اُخْتَھَا وَاَنْ اَجْعَلَ صِدَاقَھَا مِثْلَ صِدَاقِ اُخْتِھَا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبرائیل ہیں۔ انہوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا ہے کہ میں تمہارے ساتھ مرحومہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بہن کا نکاح کر دوں اور اسی کے مہر کے برابر مہر مقرر کروں۔ آپ نے 9 ہجری میں وفات پائی آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے غسل دیا۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول ﷺ

ملکہ ملک سخاوت، مطلع چرخ کرامت، سرچشمہ صبر و رضا، ام شہیدان وفا سیدہ، طیبہ، طاہرہ، حضرت فاطمہ زہرا بتول سلام اللہ علیہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی ہیں۔ آپ سیدۃ نساء العلمین کے مبارک لقب سے مشہور ہیں۔

نام و نسب

آپ کا اسم گرامی فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔

والدہ

آپ کی والدہ سیدہ ام المومنین خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

القاب

سیدہ نساء العلمین، زہرا، عذرا، بتول، خاتون جنت، بضعۃ الرسول، سیدہ، زاہدہ، طیبہ، طاہرہ، راکعہ، ساجدہ، صالحہ، عاصمہ، جیدہ، کاملہ، صادقہ۔

ولادت

سیدۃ النساء کی ولادت کے بارے میں مؤرخین کا شدید اختلاف ہے لیکن صحیح تر قول یہ

ہے کہ آپ کی ولادت مبارک نبوت کے پہلے سال میں ہوئی۔

فَاطِمَةُ بِضعَةٌ مِنِّی فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِی (بخاری)

ترجمہ:۔فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے جس نے اسے ناراض کیا' اس نے مجھے غضب ناک کیا۔"

مواہب الدنیہ میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ بتول کو" **بِضعَةٌ مِنِّی** "فرمایا ہے۔**وَالْبِضعَةُ قِطْعَةُ اللحمِ** اور" **بِضعَةٌ** "سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے۔

وَاسْتَدَلَّ بِهٖ السُّهَيْلِیُّ عَلٰی اَنَّ سَبَّهَا كُفْرٌ اسی سے امام سہیلی (عبدالرحمٰن بن عبداللہ) رحمۃ اللہ علیہ (متوفی **781**) نے استدلال کیا ہے کہ چونکہ جناب سیدہ زہرا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا حصہ ہیں' اسی لیے آپ کی شان اقدس میں گستاخی کرنا کفر ہے۔

(مواہب الدنیہ 436)

امام المحد ثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی "اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ" میں یوں رقم طراز ہیں۔میگوئید کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ **فَاطِمَةُ بِضعَةٌ مِنِّی** فاطمہ گوشت پارۂ من است وسہیلی استدلال کردہ است بایں کہ ہر کہ دشنام کرد فاطمہ را کافر شود۔

(اشعۃ اللمعات ج 4 ص 685)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا ہے کہ آقا علیہ السلام اپنی عظیم اور پیاری بیٹی سے بے پناہ محبت فرماتے تھے کہ ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور ان کے رنج کو اپنا رنج بتا رہے ہیں اور اپنے جسم کا حصہ قرار دے رہے ہیں۔اولاد بتول رضی اللہ عنہا پر سب وشتم کرنے والوں کو اس حدیث پاک سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سنا کہ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

"ہشام بن مغیرہ کے بیٹوں نے مجھ سے اجازت طلب کی اپنی بیٹی (یعنی ابوجہل بن ہشام کی بیٹی) کا نکاح علی ابن ابی طالب سے کرنے کی۔

"**فَلَا اٰذَنُ لَهُمْ ثُمَّ لَا اٰذَنُ لَهُمْ ثُمَّ لَا اٰذَنُ لَهُمْ**"

"تو میں اجازت نہ دوں گا' اجازت نہ دوں گا' اجازت نہ دوں گا۔"

البتہ اس صورت میں اجازت دیتا ہوں کہ علی میری بیٹی کو طلاق دیں اور ان کی بیٹی سے

نکاح کرلیں۔ فَاِنَّمَا ابۡنَتِیۡ بِضۡعَۃٌ مِنِّیۡ یُرِیۡبُنِیۡ مَارَا بَھَاوَیُؤۡذِیۡنِیۡ مَآاذَاھَا یہ اس لیے کہ میری بیٹی میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو اسے شک میں ڈالتا ہے وہ مجھے شک میں ڈالتا ہے جس بات سے اسے اذیت پہنچتی ہے وہ میرے لیے بھی باعث تکلیف واذیت ہے۔"

(مسلم شریف)

یہ روایت بھی حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **وانی لست احرم حلالا ولا احل حراما ولکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ وبنت عدواللہ مکانا واحدا ابدا** کہ میں کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا۔ لیکن خدا کی قسم، خدا کے رسول کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک مکان میں جمع نہ ہوں گی۔" (مسلم شریف ایضاً)

مذکورہ بالا حدیث مقدسہ کا پس منظر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد بنی ہشام بن مغیرہ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ کا نکاح حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ سے ان کی خواہش کے مطابق کرنا چاہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی اجازت مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی اور آپ کو اس بات کا سخت صدمہ ہوا اور آپ نے واضح ترین الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ "رسول خدا اور دشمن خدا کی بیٹیاں ایک جگہ اکٹھی کس طرح رہ سکتی ہیں"

کون نہیں جانتا ابوجہل اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اس نے قدم قدم پر آقا علیہ السلام کی مخالفت کی تھی اور اہل اسلام پر طرح طرح کے مظالم توڑے تھے اور اس کی بیٹی جویریہ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کرنے کی اجازت مانگی جارہی تھی۔ اس نے فتح مکہ کے روز بھی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر کہا تھا کہ اللہ نے میرے باپ پر کرم کیا ہے اور اسے گدھے کی ہینگ سننے تک زندہ نہیں رکھا۔

خیال رہے کہ اسلام نے چند شرائط کے ساتھ ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت فرمائی ہے۔ جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اظہار خواہش کا باعث بھی یہی شرعی اجازت تھی اور حضور علیہ السلام نے بھی اس شرعی حق کی نفی نہیں فرمائی جیسا کہ آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ میں حلال کو حرام نہیں کرتا۔" اور نہ ہی یہ امور آپ کی ناراضگی کا باعث تھے۔ اصل وجہ یہ تھی کہ خدا کے رسول کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی دونوں ایک ساتھ علی رضی

اللہ عنہ کے گھر میں نہیں رہ سکتی تھیں اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے چونکہ نظر نبوت چھپی ہوئی چیزوں اور باطنی امور کا مشاہدہ فرما سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابھی تک اسلام جویریہ بنت ابوجہل کے دل کی گہرائیوں میں اتر کر وہ اثر نہ کر سکا ہو جو فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت رسول کے ساتھ رہنے کے لیے ضروری تھا اور تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے جس کی طرف خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ انی اتخوف ان تفتن فی دینھا مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں دین کے معاملہ میں فاطمہ کسی پریشانی وفتنہ میں نہ پڑ جائے۔'' یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ جویریہ کے گھر میں آنے سے حضرت فاطمہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فطری غیرت اور دیگر دینی امور کی بنا پر کسی آزمائش وابتلاء میں نہ پڑ جائیں اور چوتھی وجہ یہ ہو سکتی ہے جس کی طرف بعض علماء نے اشارہ فرمایا ہے کہ یہ امر بھی خصوصیات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی موجودگی میں ان پر کوئی عورت نکاح میں نہ لائی جائے۔

امام جلال الدین سیوطی نے امام ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے لکھا ہے لا یبعد ان یکون من خصا ئصہ صلی اللہ علیہ وسلم منع التزویج علی بناتہ یعنی یہ امر بعید نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں پر دوسری شادی کرنے کی ممانعت آپ کے خصائص میں سے ہو۔ (الخصائص الکبریٰ)

یہاں جو چیز روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آئی وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا ہر حال میں حرام ہے' خواہ اذیت کا سبب کچھ بھی ہو۔

جنت میں داخلہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ''انا اول من یدخل الجنۃ و لافخر'' جنت میں داخل ہونے والوں میں سے میں سب سے پہلے ہوں اور (اس بات پر) کوئی فخر نہیں۔ و انا اول شافع و اول مشفع و لا فخر میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور ''اس پر'' کوئی فخر نہیں۔ و انا بیدی لواء الحمد یوم القیامۃ و لافخر اور قیامت کے دن لوائے حمد میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ اور اس بات پر بھی مجھے کوئی فخر نہیں۔ و انا

سید ولدآدم یوم القیامة و لا فخر اور قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور اس پر بھی کوئی فخر نہیں۔ واول شخص یدخل الجنة فاطمة بنت محمد ومثلها فی هذه الامة مثل مریم فی بنی اسرائیل اور (میرے بعد) سب سے پہلے جو ذات جنت میں داخل ہوگی وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس امت میں ان کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت مریم علیہ السلام کی مثال بنی اسرائیل میں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی پل صراط سے گزریں گے اور سب سے پہلے آپ ہی جنت کے دروازے پر دستک دیں گے اور سب سے پہلے آپ ہی اس میں داخل ہوں گے۔ وان له فی کل شعرة من راسه و وجهه نورا اور یہ کہ ان کے سر کے ہر بال اور ان کے چہرے سے نور تاباں ہوگا۔ (خصائص کبریٰ ج 2 ص 235)

علامہ صفوری نے علامہ ابن جوزی کے حوالے سے لکھا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ کے لیے جس شب ان کی شادی ہوئی تھی۔ ایک کرتہ بنایا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پیوند لگا ہوا کرتہ بھی تھا۔ اتنے میں ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہو کر سوال کیا۔ اطلب من بیت النبوۃ قمیصاً خلقا کہ میں نبوت کے گھر سے پرانا کرتہ مانگتا ہوں۔'' حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ اسے پرانا کرتہ دے دوں۔ لیکن آپ کو فوراً خدا تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آیا۔ لن تنالو البر حتی تنفقو مما تحبون تم ہرگز بھلائی حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو اور آپ نے سائل کو اپنا نیا کرتہ عطا فرما دیا۔

بوقت رخصتی حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے آپ کو سلام کہا اور مجھے ارشاد کیا کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہ کو سلام کروں اور ان کے لیے جنتی لباسوں میں سے سندس اخضر کا ایک خاص لباس ہدیۃ بھیجا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو جبرائیل علیہ السلام کا سلام پہنچایا اور وہ لباس جو جبرائیل علیہ السلام لائے تھے پہنایا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا اس دیبائے بہشتی کو پہن کر جب کافر عورتوں کے درمیان بیٹھیں تو اس کا نور مشرق و مغرب میں چھا گیا۔ فلما وقع النور علی ابصار

الکتافرات خرج الکفر من قلوبھن واظھرن الشھادتین

(نزہۃ المجالس ص 228 ج 2)

"جب وہ نوران کافر عورتوں کی آنکھوں پر پڑا تو ان کے دل سے کفر نکل گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دینے لگیں" یعنی وہ کلمہ پڑھ کر اسلام لے آئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز خدا کے نام پر دی جائے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اس سے بہتر عطا فرماتا ہے۔ سیدہ بتول رضی اللہ عنہا نے اپنا نیا کرتہ سائل کو دیا اور اللہ نے اس کے بدلے جنتی دیبائے نازک ولطیف عطا فرمایا۔

ایک دن مہاجرین وانصار کی خواتین ایک جگہ جمع ہوئیں تو انہوں نے التجا کی کہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ بھی اس اجتماع میں شرکت فرمائیں۔ چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے پاس مجلس میں جانے کے لیے مناسب لباس نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے وہاں جانے میں تامل وتوقف سے کام لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی جاؤ ہمارا طریقہ دوسروں کو نا امید کرنا نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس مجلس میں تشریف لے گئیں۔ جب واپس اپنے حجرہ میں تشریف لائیں تو مناسب لباس نہ ہونے پر تاسف فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مجمع سے ایک عورت کو طلب کیا جائے تاکہ مجمع کا حال پوچھا جائے۔ "چنانچہ ایک عورت دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اس مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے" کہنے لگی جب فاطمہ رضی اللہ عنہا اس مجمع میں تشریف لائیں تو ان کے لباس فاخرہ سے سب عورتیں ششدر رہ گئیں اور ایک دوسری کو کہہ رہی تھیں۔ اے اللہ! اس قسم کے کپڑے کہاں سے آ گئے۔ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کپڑے مجھے کیوں نظر نہیں آئے تاکہ میں بھی شادمان ہو جاتی۔ آپ نے فرمایا ان کپڑوں کی زیبائش اسی لیے تھی کہ وہ تمہارے زیب تن تھے۔ (شواہد النبوۃ)

اسی طرح کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک یہودن کی شادی ہوئی اور وہ بہت مالدار تھی۔ اس نے اپنی شادی میں عورتوں کو بلایا' وہ نہایت فاخرہ لباس پہن کر آئیں پھر وہ سب کہنے لگیں کہ ہم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو اور ان کی حالت فقر کو دیکھنا چاہتی ہیں چنانچہ

انہوں نے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلا بھیجا۔ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام جنت سے ایک جوڑا لے کر حاضر ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے اس کو پہنا اور ان یہودنوں کے درمیان جا بیٹھیں۔ جب یہودی عورتوں نے دیکھا۔ ششدر رہ گئیں۔'' اور پوچھنے لگیں۔ من این لک **ھذا یافاطمۃ** اے فاطمہ رضی اللہ عنہ یہ آپ کو کہاں سے ملا؟ **فقالت من ابی** اپنے ابا جان سے۔ کہنے لگیں من این **لابیک**؟ آپ کے والد ماجد نے کہاں سے لیا؟ **قالت من جبرائیل** فرمایا جبرائیل علیہ السلام سے' جبرائیل علیہ السلام کہاں سے لائے؟ **قالت من الجنۃ** فرمایا جنت سے۔ **فقلن نشھد ان لا الہ الا اللہ واشھدوان محمد رسول اللہ** کہنے لگیں ہم گواہی دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

ان میں سے جس عورت کا شوہر مسلمان ہوگیا' وہ اسی کے پاس رہی اور جس نے اسلام قبول نہ کیا اس کی بیوی نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔ (نزہۃ المجالس ص 226 ج 2)

سیدۃ نساء العلمین سلام اللہ علیہا کے وصال مبارک کی تاریخ میں مؤرخین کا اختلاف ہے لیکن تحقیق شدہ امر یہ ہے کہ آپ اپنے والد ماجد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد 3 رمضان المبارک 11 ہجری کو دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئیں۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت علی ؓ نے ان کو رات میں دفن کیا۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کے آخری لمحات

ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ حجرہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ مبارک سے آٹا گوندھ کر کچھ روٹیاں پکائی ہیں اور خود ہی اپنے بچوں کے کپڑے دھو رہی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس صورت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا اے مخدومۂ دو جہاں' اے معصومۂ آخر الزماں' اے بلقیس حجرۂ تقدیس و کمال' اے آسیہ عالم تکمیل و کمال' اے فاطمۃ الزہرا علیہ السلام میں نے آپ کو اس عرصہ میں ایک بار بھی دنیا کے دو کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب کہ آپ ایسے تین کاموں میں مصروف ہیں۔ اس میں کیا حکمت اور کیا راز ہے؟ حضرت سیدہؓ نے یہ بات سنی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا اے شہسوار عرصۂ

لافتی' اے طراز حلہ صفا' اے راز دار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' اے شگوفہ باغ ابو طالب اے نواختہ لقب اسد اللہ الغالب "ھذا فراق بینی وبینک" یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کی صورت ہے۔"

یا علی ﷺ میں نے آج خواب میں اپنے ابا جان کو بلندی پر کھڑے دیکھا' آپ چاروں طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کسی کے منتظر ہوں۔ میں نے فریاد کرتے ہوئے عرض کیا۔ ابا جان آپ کہاں ہیں؟ آپ کی جدائی میں میری جان جل گئی اور جسم پگھلا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی فاطمہ! میں ادھر کھڑا انتظار کر رہا ہوں میں نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول آپ کس کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا بیٹی میں تیرا انتظار کر رہا ہوں۔ بیٹی آج تو دنیا کی مصیبتوں کے قید خانے سے نکل کر عشرت فضائے عقبیٰ کے باغ میں آ جائے گی۔ اے فاطمہ! بہت جلد ملاقات ہونے والی ہے۔ کل رات کو تو ہمارے پاس ہوگی۔

یا علی رضی اللہ عنہ! میں نے تو جان لیا ہے کہ یہ میرا آخری دن ہے۔ آئندہ شب سے پہلے انتقال کر جاؤں گی۔ یہ روٹیاں میں نے اس لیے پکائی ہیں کہ کل آپ میری مصیبت میں مصروف ہوں گے تو میرے بچے بھوکے نہ رہیں اور بچوں کے کپڑے اس لیے دھو رہی ہوں نہ جانے میرے بعد میرے بچوں کے کپڑے کون دھوئے گا اور میرے یتیموں کے دل کی خواہش کو کون پورا کرے گا۔ چاہتی ہوں کہ اپنے بیٹوں کے سر میں کنگھی کروں۔ میرے بعد ان کی زلفوں اور چہروں کا غبار کون دھوئے گا۔"

حضرت علی ﷺ نے جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی یہ باتیں سنیں تو آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے۔ اے دختر رسول ابھی تو آپ کے والد محترم کی جدائی کا داغ بھی آسودہ نہیں ہوا کہ آپ کی جدائی کا وقت سر پر آ گیا ہے اور ایک زخم پر دوسرا زخم لگ رہا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے علی رضی اللہ عنہ آپ نے اس مصیبت پر بھی صبر کیا ہے تو اس پر بھی صبر کریں اور آپ میرے پاس ہی رہیں۔ میری جان آپ کی راہ دیکھتی رہے گی اور دار القرار میں ملاقات ہوگی۔ آپ نے یہ بات کہی اور اپنے شہزادوں کے کپڑے پانی میں بھگو کر ان کے چہروں کی طرف نظر کی تو دل سے آہ نکل گئی۔ جناب سیدہؓ نے اشکبار ہو کر اپنے بیٹوں سے فرمایا کاش میں جان لیتی کہ میرے بعد تمہارا کیا حال ہوگا اور تمہارے کام کس طرح پورے ہوں گے۔

کھانے سے انکار

حضرت سیدہؓ نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ میرے بیٹوں کے لیے کھانا فلاں مقام پر لگا دو۔ جب تک وہ کھانا نہ کھالیں میرے پاس نہ آنے دینا۔ کچھ دیر بعد شہزادے واپس آئے تو حضرت اسماء نے حکم کے مطابق کھانا پیش کیا۔ شہزادوں نے کہا کہ آپ جانتی ہیں کہ ہم نے اپنی ماں کے بغیر کھانا کبھی نہیں کھایا۔ اب کیا سبب ہے کہ آپ نے ہمیں علیحدہ بٹھا کر کھانا دیا ہے؟ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کی والدہ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ آپ کھانا کھالیں۔

حسنینؓ نے کہا ہمیں بغیر والدہ کے کھانا تناول کرنا گوارا نہیں اور یہ کہتے ہوئے دونوں حجرۂ طاہرہ میں چلے آئے۔ آ کر دیکھا تو جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے تکیے پر سر مبارک رکھا ہوا اور جناب سیدنا علی آپ کے سرہانے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے بیٹوں کو دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا انہیں تھوڑی دیر کے لیے میرے ابا جان کے مزار اقدس پر بھیج دیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بیٹوں کو فرمایا کہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے نانا جان کے مزار اقدس کی زیارت کر آئیں۔ تمہاری والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں یہ کچھ دیر آرام کر لیں۔ یہ سن کر حسنین کریمین تشریف لے گئے۔

ابھی انہیں گئے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اچانک حجرۂ بتول رضی اللہ عنہا کے دروازے پر نالہ و فریاد کی آوازیں سنائی دیں۔ جناب حسن و حسین آہ و فغاں کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ اے ابا حضور ہمیں اندر آنے کی اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنی والدہ محترمہ کا آخری دیدار کر لیں اور انہیں وداع کریں۔ جناب شیر خدا نے اُٹھ کر دروازہ کھولا اور دونوں شہزادوں کو آغوش میں لے کر فرمایا اے جانان پدر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تمہاری امی جان اس وقت دنیا سے جا رہی ہیں۔

جناب حسنین رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا ابا حضور! آپ نے ہمیں نانا جان کے روضۂ اقدس پر جانے کا حکم دیا تھا۔ جب ہم روضۂ اقدس کے قریب پہنچے تو ہمارے کانوں میں کسی کی آواز آئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ فاطمۃ الزہرا کے یتیم آئے ہیں اور یہ اسماعیل علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن کے شفیع آئے ہیں اور یہ کہ محمد حبیب خدا

صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میرے جگر کے ٹکڑے آئے ہیں۔ جب ہم نے روضہ اطہر پر حاضر ہو کر نانا جان کو سلام کیا تو قبر مبارک سے آواز آئی۔ اے میرے بیٹو! واپس جاؤ اور اپنی والدہ کا آخری دیدار کر لو۔ ہم انہیں لینے آئے ہیں اور انبیائے کرام ہمارے ساتھ ہیں۔

بعد ازاں امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا اور زار و قطار روتے ہوئے عرض کرنے لگے۔ امی جان! اپنی آنکھیں کھول کر ہمارے ساتھ باتیں کریں اور اپنے یتیموں کے حال پر ایک نظر ڈال لیں۔ خاتون جنت نے جب بیٹوں کی آواز سنی تو آپ نے آنکھیں کھول کر بانہیں پھیلا دیں۔ اور دونوں کو آغوش میں لے کر فرمایا۔ اے مظلوماں مادر نہ جانے میرے بعد تمہارا کیا حال ہو اور تمہارے دشمن تم پر کیا کیا جفائیں کریں۔ بعد ازاں سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنی پیاری بیٹیوں کو بلا کر ان کے بھائیوں کے سپرد کیا اور ان سب کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سفارش کی۔ (ایضاً)

سیدہ بتول رضی اللہ عنہا نے جناب علیؓ اور حسنینؓ کو دوبارہ روضہ رسول کی حاضری کے لیے بھیجا اور جب یہ لوگ چلے گئے تو آپ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر کہا امی! میرے لیے پانی لائیں تاکہ میں غسل کر لوں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پانی رکھ دیا تو جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح غسل فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کو اس خوبی کے ساتھ غسل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر انہوں نے مجھ سے صاف ستھرے کپڑے طلب کیے جو میں نے دیئے۔ آپ نے کپڑے پہن کر مجھے کہا کہ میرا بستر کمرے کے درمیان بچھا دیں۔ میں نے بستر بچھا دیا۔ آپ پہلو کے بل تکیے کا سہارا لے کر قبلہ رو ہو کر لیٹ گئیں اور اپنا دایاں ہاتھ مبارک اپنے رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیا۔

بعد ازاں آپ نے حضرت اسماء بنت عمیس کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ میرے ابا جان کے مرض میں جبرائیل علیہ السلام آپ کے جسد اطہر کو حنوط کرنے کے لیے کافور بہشتی لائے تھے۔ جس کے آپ نے تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے لیے رکھ لیا اور دو حصے مجھے عطا فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایک حصہ تمہارا اور ایک حصہ علیؓ کا ہے۔ اے اسماء رضی اللہ عنہ! وہ کافور چالیس مثقال کی مقدار میں ہے اور فلاں مقام پر رکھا ہوا ہے۔ اس میں سے میرے حصے کا بیس مثقال لے آ اور میرے لیے حنوط بنا لے اور بیس مثقال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سنبھال کر رکھ

لے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کی تکمیل کر دی تو آپ نے فرمایا۔ اے اسماء رضی اللہ عنہا اب تو بھی باہر چلی جا اور مجھے تنہا چھوڑ تا کہ میں تھوڑے سے وقت میں اپنے پروردگار کے حضور میں معروضات پیش کرلوں۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کی امت رسول ﷺ کیلئے دُعا

جناب اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا باہر آ گئیں تو تھوڑی دیر بعد ان کے کانوں میں جناب زہرا رضی اللہ عنہا کے رونے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں مناجات کرنے کی آواز آئی۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کی آواز پر کان لگا دیئے اور آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ الٰہی میرے والد گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے اور اس شوق کے صدقے سے جو میری ملاقات کا وہ رکھتے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ کے دردِ دل کے صدقے سے جو میری جدائی میں زاری کرتے ہیں۔ اور حسن و حسین کے سوز دل کے صدقے سے جو انہیں میری جدائی کے غم سے ملنے والا ہے اور میری چھوٹی چھوٹی بچیوں کے صدقے سے جو میرے غم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گی۔

میرے ابا جان کی امت کے گناہگاروں پر رحم فرما اور ان کے گناہوں سے درگزر فرما۔

جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو کے اس مقام پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی چیخ نکل گئی۔

(روضۃ الشہداء ص 142)

صاحب روح البیان حضرت امام المحققین، راس المفسرین زبدۃ العارفین قدوۃ ارباب الحقیقۃ والیقین شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی 1137 ہجری اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔ **کماروی ان فاطمۃ الزھرا رضی اللہ عنھما لما نزل علیھا ملک الموت لم ترض بقبضہ فقبض اللہ روحھا** (تفسیر روح البیان ج 8 ص 114)

"جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ جب حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ اس امر پر راضی نہ ہوئیں کہ ملک الموت میری روح قبض کریں) پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارکہ کو خود قبض فرمایا۔

نمازِ جنازہ

بقول علامہ شبلنجی بوقت وصال آپ کی عمر 28 سال تھی۔رات کو بقیع میں مدفون ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بعض نے کہا کہ حضرت عباس (عم رسول) رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اترے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا کان علی رضی الله عنه یزور قبرها فی کل یوم تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہر روز ان کی قبر شریف کی زیارت کرتے تھے۔(نور الابصار ص 47)

سیدہ رضی اللہ عنہا کی اولاد

خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے صاحبزادے

1- حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ۔

2- حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ۔

3- حضرت سیدنا محسن رضی اللہ عنہ جو بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔

صاحبزدیاں

1- سیدہ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا

2- سیدہ زینب سلام اللہ علیہا

3- سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا

دامادِ رسول ﷺ

حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا نام اختلاف روایت سے لقیط، مہشم یا ہشم تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت ابوالعاص ہی سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق قریش کے نہایت معزز خاندان بنوعبدشمس سے تھا ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدشمس بن عبد مناف بن قصی۔ عبدمناف پر ان کا سلسلہ نسب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

والدہ کا نام ہالہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد تھا جو اسلام کی خاتون اول ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔ جمہور اہل سیر کا بیان ہے کہ وہ مشرف اسلام و صحابیت ہوئیں اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔ حافظ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گئیں۔ دربار رسالت پر پہنچ کر انہوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی آواز سے بہت ملتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک آواز پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا (خدیجہ کی بہن ہالہ ہوں گی۔ وہ اندر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اپنے بھانجے ابوالعاص سے بہت محبت کرتی تھیں اور ان کو اپنا فرزند سمجھتی تھیں۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ عنفوان شباب ہی میں تجارت میں مشغول ہو گئے تھے اور اپنی سمجھ بوجھ اور خوش معاملگی کی بدولت بڑے وسیع کاروبار کے مالک ہو گئے تھے۔ اس طرح ان کا شمار قریش کے صاحب ثروت لوگوں میں ہوتا تھا۔ ان کی دریافت اور حسن معاملہ پر لوگوں کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ بقول ابن اثیر رضی اللہ عنہ وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح الامین کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ امین ہونے کے علاوہ بڑے دلیر اور بہادر بھی تھے۔ اہل عرب نے ان کی شجاعت کے اعتراف میں انہیں ''جرد البطحا'' (شیر حجاز) کا لقب دے رکھا تھا۔ بعثت سے کچھ عرصہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص سے کر دیا۔ اس رشتہ کا محرک جہاں ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے اخلاق حمیدہ تھے۔ وہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش اور اصرار بھی تھا۔ اہل سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ نکاح کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی لیکن بہرصورت وہ کم سن تھیں۔ اس لیے قیاس یہ ہے کہ پہلے ان کا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا ہوگا اور رخصتی چند سال بعد ہوئی ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد دعوت حق کا آغاز فرمایا تو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت زینب بھی مشرف بہ اسلام ہو گئیں لیکن حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بعض موانع اور مصالح کی بنا پر اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے تاہم انہوں نے دین حق یا ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی سرگرمی میں کبھی کوئی حصہ نہیں لیا۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ ایک دفعہ قریش کے چند لوگوں نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں اور قریش کی کسی دوسری لڑکی سے نکاح کر لیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہی سبب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبول اسلام سے پہلے بھی ان کا تذکرہ ہمیشہ بھلائی ہی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

7 ہجری بعد بعثت میں مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ رضی اللہ عنہ کے حامی ہاشمیوں اور بنی مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور کھانے پینے کی کوئی بھی چیز شعب

کے اندر لے جانے کی ممانعت کردی۔ یہ ہولناک واقعہ پورے تین برس تک جاری رہا۔ اس دوران میں مشرکین کی پابندیوں اور روک ٹوک کے باوجود حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ جان پر کھیل کر کھانے پینے کی کچھ چیزیں کبھی کبھی شعب کے اندر پہنچا دیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس خدمت کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا:

ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے ہماری دامادی کا حق ادا کردیا۔ نبوت کے تیرھویں سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی سسرال میں تھیں۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ اپنے آبائی مذہب پر ہونے کے باوجود ان سے نہایت اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ 2 ہجری میں مشرکین مکہ غزوہ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ کوئی صحت مند شخص لڑائی کو پسند نہ کرنے کے باوجود پیچھے نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں مشرکین مکہ اس کو بزدلی کا طعنہ دیتے تھے اور کسی قریشی کے لیے یہ طعنہ بڑی تنگی کی بات تھی۔ میدان بدر میں قریش کو شکست ہوئی تو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ ایک انصاری جانباز حضرت عبداللہ بن جبیر کے ہاتھ اسیر ہوگئے۔ ان کے ساتھ دوسرے بہت سے مشرکین کو بھی مسلمانوں نے گرفتار کرلیا۔ اہل مکہ نے یہ خبر سنی تو قیدیوں کے قرابت داروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے عزیزوں کی رہائی کے لیے زر فدیہ بھیجا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ یمنی عقیق کا ایک ہار حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی رہائی کے لیے بھیجا۔ یہ ہار حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ مرحومہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے وقت تحفہ میں دیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ ہار پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشکبار ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ اگر مناسب سمجھو تو یہ ہار زینب کو واپس بھیج دو۔ یہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔ ابوالعاص کا فدیہ یہ ہے کہ وہ مکہ جا کر زینب کو مدینہ بھیج دیں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کردیا۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہ شرط قبول کرلی۔ پھر رہا ہوکر مکہ پہنچے اور وعدہ کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ بن ربیع

کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب روانہ کر دیا۔ مشرکین قریش کو جب یہ اطلاع ملی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ جا رہی ہیں تو انہوں نے کنانہ بن ربیع اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا تعاقب کیا اور مقام ذی طویٰ میں انہیں جا گھیرا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں۔ ایک مشرک نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے نیزے سے زمین پر گرا دیا۔ یا اونٹ کا منہ پھیرنے کے لیے اپنا نیزہ گھمایا۔ اونٹ تیزی سے پیچھے مڑا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا گر پڑیں' وہ حاملہ تھیں سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا۔ کنانہ بن ربیع غضب ناک ہو گئے۔ ترکش سے تیر نکالے اور للکار کر کہا۔

خبردار اب تم میں سے کوئی آگے بڑھا تو اسے چھلنی کر دوں گا۔ کفار رک گئے۔ ابوسفیان نے کنانہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ بھتیجے اپنے تیر روک لو میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔

کنانہ نے پوچھا' کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

ابوسفیان نے ان کے کان میں کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ہاتھوں ہمیں جس ذلت اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑا ہے تمہیں اس کا علم ہے۔ اگر تم اس کی بیٹی کو اس طرح علانیہ ہمارے سامنے لے جاؤ گے تو ہماری بڑی بے عزتی ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس وقت زینب کے ہمراہ مکہ واپس آ جاؤ اور پھر کسی وقت پوشیدہ طور پر زینب کو لے جاؤ۔ کنانہ نے یہ بات مان لی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مکہ واپس آ گئے۔ چند دن بعد وہ رات کو چپکے سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مکہ سے نکل آئے اور انہیں مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالعاص کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ کو بھیجا تھا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے ہمراہ مدینہ لے آئیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بطن یاجج کے مقام پر ٹھہر گئے۔ زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لے گئے۔

6 ہجری میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ شام جا رہے تھے کہ عیص کے مقام پر مجاہدین اسلام کی ایک جماعت نے قافلے پر چھاپہ مارا اور تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو لوٹنے کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی سیدھے مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر پناہ طلب کی۔ انہوں نے بلا تامل

ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ صبح کو جب مسلمان نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آواز بلند کر کے کہا ترجمہ: مسلمانو میں نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا لوگو تم نے کچھ سنا؟ سب نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم اس سے پہلے مجھے اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہ تھی اور پناہ دینے کا حق تو ہر ادنیٰ مسلمان کو بھی حاصل ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سفارش کی کہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا مال انہیں واپس کر دیا جائے چونکہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے مکہ میں بہت اچھا سلوک کیا تھا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا لحاظ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم میرے اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے رشتہ سے واقف ہو اگر تم اس کا مال واپس کر دو گے تو یہ تمہارا احسان ہوگا اور میری خوشی کا باعث ہوگا۔ اگر نہ کرو گے تو یہ خدا کا عطیہ اور تمہارا حق ہے۔ مجھ کو اس پر کوئی اعتراض یا اصرار نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو ہر وقت خوشنودی رسول ﷺ مطلوب تھی۔ فوراً تمام مال واسباب حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔ وہ اسے لے کر مکہ پہنچے اور تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں۔ پھر اہل مکہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے اہل قریش اب میرے ذمہ کسی کی امانت یا مال تو نہیں ہے؟ تمام اہل مکہ نے یک زبان ہو کر کہا کہ بالکل نہیں۔ خدا تمہارا بھلا کرے تم ایک نیک، بہادر اور باوفا شخص ہو۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے ان کا جواب سن کر کہا تو سن لو کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ خدا کی قسم اسلام قبول کرنے میں مجھے صرف یہ امر مانع تھا کہ تم مجھے خائن نہ سمجھو۔ یہ کہہ کر کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ یہ محرم 7 ہجری کا واقعہ ہے۔

مدینہ پہنچ کر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور باقاعدہ اسلام قبول کر لیا۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے نکاح کی تجدید فرمائی یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تجدید نہیں فرمائی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بہ عقد اول ان کی طرف رجوع

کر دیا۔ دوسری یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ میں شرک کی وجہ سے تفریق ہوگئی تھی زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے حق مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا۔

حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق وہ صرف ایک سریہ میں شریک ہوئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 10 ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سرکردگی میں یمن بھیجا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے مراجعت کرتے وقت حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل بنادیا تھا۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 8 ہجری میں وفات پا گئیں۔ حضرت ابوالعاص کو ان کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا۔ لیکن انہوں نے صبر واستقامت سے کام لیا اور بچوں کی غور پرداخت میں مصروف رہنے لگے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے وفاداری کا حق انہوں نے یوں ادا کیا کہ ان کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

حافظ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالعاص نے ذی الحجہ 13 ہجری میں وفات پائی لیکن تاریخ ابن مندہ وال کمال میں ہے کہ حضرت ابوالعاص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتنہ کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا اور مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی دو اولادیں ہوئیں ایک فرزند علی رضی اللہ عنہ اور ایک صاحبزادی امامہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت عثمان ابن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے ''عثمان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمر تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ اور ابولیلی آپ کی کنیت تھی۔ آپ عام الفیل کے چھ برس بعد پیدا ہوئے۔ آپ ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لائے تھے۔ آپ نے اسلام کے لیے دو بار ہجرت کی۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی جانب آپ کی شادی قبل نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ سے ہوئی جن کا غزوہ بدر میں انتقال ہو گیا اور ان کی تیمارداری کے باعث آپ غزوہ میں شرکت نہیں فرما سکے تھے کیونکہ آپ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم رقیہ کی تیمارداری کرو مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ آپ کو بدر کے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا تھا اس لیے آپ کا شمار اہل بدر میں کیا جاتا ہے۔ جس وقت مدینہ میں قاصد جنگ بدر کی فتح کی خوشخبری لے کر داخل ہوا تھا اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا جا رہا تھا حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد آپ کی شادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی دوسری بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی مدینہ منورہ میں 9 ہجری میں ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا کسی شخص کو یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ یکے بعد دیگرے کسی نبی کی دو بیٹیاں عقد میں آئی ہوں اسی مناسبت سے حضرت کا لقب ذوالنورین تھا۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع وعطفان میں

تشریف لے گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی مدینہ طیبہ میں اپنا خلیفہ بنا گئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو چھیالیس احادیث روایت کی ہیں کہ حضرت زید بن خالد جہنی' ابن زبیر' سائب بن یزدانس بن مالک' زید بن ثابت' مسلمہ بن اکوع' ابو اسامہ باہلی' ابن عباس' ابن عمر' عبداللہ بن مغفل' ابو قتادہ اور ابو ہریرہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان احادیث کی روایت کی ہے۔

ابن سعد نے عبدالرحمٰن بن صائب سے روایت کی کہ میں نے سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اصحاب رسول میں سے اور کسی شخص کے بارے میں نہیں سنا کہ وہ ان کی طرح صحت وعمدگی سے احادیث بیان کرتا ہو۔ آپ پر احادیث کی ہیبت کا بہت اثر ہوتا تھا۔

محمد بن سیرین یعنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مناسک حج کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ واقف تھے۔

عہد جاہلیت میں آپ کی کنیت ابو عمر تھی اور عہد اسلام میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ بنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم' کے بطن سے آپ کے یہاں عبداللہ پیدا ہوئے تو آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہوگئی۔

آپ کی والدہ کا نام اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس تھا اور آپ کی نانی کا نام ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔ آپ کی نانی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب توام پیدا ہوئے تھے اس رشتہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

آپ کا سراپا

ابن عساکر آپکا سراپا اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ درمیانے قد کے خوبرو شخص تھے' رنگ میں سفیدی کے ساتھ ساتھ سرخی شامل تھی۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ داڑھی بھی بہت گھنی تھی۔ جسم کی ہڈیاں چوڑی تھیں۔ شانے کافی پھیلے ہوئے تھے۔ پنڈلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ہاتھ لمبے تھے جن پر بال کافی تھے۔ سر کے بال گھنگریالے تھے۔ دانت بہت خوبصورت تھے اور سونے کے تار سے بندھے ہوئے تھے۔ کنپٹیوں کے بال کانوں تک آتے تھے۔ زرد رنگ کا خضاب رکھتے تھے۔

ابن سعد نے محمد بن ابراہیم کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے چچا حکم بن ابی العاص نے آپ کو پکڑ کر ایک کمرے میں بند کر دیا اور کہا کہ تم نے ایک آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ جب تک تم اس نئے مذہب کو نہ چھوڑو گے میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔ اسی طرح بند رکھوں گا۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا چچا خدا کی قسم مذہب اسلام کبھی نہیں چھوڑوں گا اور اس دولت سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گا۔ اس طرح حکم بن ابی العاص نے جب آپ کو اسلام پر مستحکم اور مستقل فرمایا تو مجبور ہو کر آپ کو قید و بند سے آزاد کر دیا۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب آتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لباس مبارک کو ٹھیک کر لیتے تھے اور فرماتے کہ میں اس سے کس طرح شرم نہ کروں جس سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ابوعبدالرحمٰن سلمٰی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (ایام ابتلا میں) گھر میں محصور ہو جانے کے بعد محاصرہ کرنے والوں سے فرمایا کہ اللہ کی قسم دے کر تم سب سے خصوصاً صحابہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے میں یہ بات پوچھتا ہوں کہ تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی جیش عسرہ کے لیے سامان فراہم کرے۔ وہ جنتی ہے تو میں نے سامان جنگ فراہم کیا تھا۔ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد ہو گا کہ جو شخص بررومہ (مسلمانوں کے لیے) خرید دے گا وہ جنتی ہو گا۔ چنانچہ میں نے مدینہ منورہ کے اس کنویں کو یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس بات کی صحابہ رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے تین دن بعد آپ سے بیعت کی گئی۔ کہتے ہیں کہ اس عرصہ میں لوگ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مشورہ کرتے رہے اور آپ کے پاس آتے جاتے رہے۔ جو صائب الرائے شخص تخلیہ میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتا وہ یہی رائے دیتا کہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملنا چاہیئے (خلیفہ حضرت عثمان کو ہونا

چاہئے۔) آخرکار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیعت کے لیے بیٹھے اور حمد وثنا کے بعد آپ نے فرمایا کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کے سوا کسی اور کی بیعت پر راضی نہیں ہیں۔ (ابن عساکر)

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ میں نے تمام لوگوں کی رائے معلوم کر لی ہے۔ سب کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔ اب آپ اپنے لیے کوئی کارروائی نہ کیجئے۔ آپ نے یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دست مبارک پکڑ کر کہا کہ میں آپ سے سنت اللہ سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دو خلفاء رضی اللہ عنہ کی سنت پر بیعت کرتا ہوں۔ اس طرح پہلے آپ نے بیعت کی اور پھر تمام مہاجرین وانصار نے آپ سے بیعت کی۔

آپ کے دورِ خلافت کے اہم واقعات

امام سیوطی کے مطابق آپ کی خلافت کے پہلے سال 24 ہجری میں ملک رے فتح ہوا۔ اسی سال ناک سے خون بہنے کا مرض عام پھیل گیا۔ خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نکسیر اس طرح پھوٹی کہ اس کی شدت کے باعث آپ کو حج کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا یہاں تک کہ آپ نے وصیتیں بھی فرما دیں۔

24 ہجری

24 ہجری اس سال ملک روم کا ایک وسیع رقبہ فتح کر لیا گیا۔ اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ سعد بن وقاص ؓ کو بھیج دیا۔

25 ہجری

25 ہجری میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بھی کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ ایک صحابی ولید بن عقبہ بن ابی محیط کو (جو آپ کے ماں کی

طرف سے بھائی تھے) مقرر کر دیا۔ یہ آپ پر اقربا نوازی کے الزامات عائد ہونے کی ابتداء تھی کہتے ہیں کہ ولید شراب نوش تھے' ایک روز صبح کی نماز نشہ کی حالت میں پڑھائی اور چار رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا اور پھر مقتدیوں سے کہا کہ اگر کہو تو نماز اور پڑھا دوں۔

26 ہجری

26 ہجری میں حضرت غنی رضی اللہ عنہ نے کچھ مکانات خرید کر مسجد حرام کو مزید وسیع بنایا۔ اسی سال شہر سابور فتح ہوا۔

27 ہجری

27 ہجری میں امیر معاویہ نے جہاز کے ذریعے لشکر لے جا کر قبرص پر حملہ کیا۔ اس لشکر میں (مشہور صحابی) حضرت عبادہ بن صامت اپنی بیوی ام حرام بنت سلمان انصاریہ کے ساتھ موجود تھے۔ آپ کی بیوی بار بردار جانور سے گر گئیں اور اسی صدمہ سے ان کا انتقال ہو گیا اور ان کو وہیں (قبرص) میں دفن کر دیا۔ اس لشکر کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ اس لشکر میں عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی ہو گی اور اس کی قبر قبرص ہی میں بنے گی۔ چنانچہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ اسی سال جرجان اور دار الجبرود فتح ہوئے۔ اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص کو مصر کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا۔ انہوں نے مصر پہنچ کر افریقہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے تمام مملکت کو ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔ اس جنگ میں اس قدر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا کہ ہر سپاہی کو ایک ایک ہزار دینار اور بقول بعض تین تین ہزار دینار ملے۔ اس عظیم فتح کے بعد اسی سال ملک اندلس (اسپین ہسپانیہ) بھی فتح ہو گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

آپ 35 ہجری میں شہید کر دیے گئے۔ زہری کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال خلافت کی شروع کے چھ سال میں لوگوں کے ساتھ آپ کی ہمدردی اس قسم کی تھی کہ کسی کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ ان برسوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ قریش میں

مقبول تھے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں قدرے سختی تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں اس سختی کا وجود بھی نہ تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہوتے ہی ان کے حال پر پابندیاں کرنے لگے۔ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا اور ان کو سزا دینے میں عجلت سے کام نہ لیا لیکن چھ سال بعد آپ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنری کے عہدے دیئے اور اپنے اقربا کے ساتھ بہت زیادہ سلوک اور مہربانیاں کرنے لگے اور عوام کے ساتھ وہ پہلے جیسی نرمی نہ رہی۔ آخری چھ سال میں تو حالت یہ ہوگئی کہ افریقہ کے گورنر مروان کو مملکت کا خمس معاف کر دیا اور اپنے رشتہ داروں کو بیت المال کی دولت سے مالامال کر دیا اور اس سلسلہ میں یہ توجیہہ کی کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب صلہ رحمی سے کام لیتا ہوں۔ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا حالانکہ وہ ایسا کر سکتے تھے۔ اس سے لوگوں میں شورش پیدا ہوگئی۔ (ابن سعد)

شورش کے اسباب

ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ نے زہری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میں نے سعید بن میتب سے پوچھا کہ آپ بتائیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کیوں واقع آئی۔ لوگوں کی روش کیا تھی؟ اور آپ کا عوام کے ساتھ کیا رویہ تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے اور جنہوں نے آپ کو شہید کیا وہ ظالم تھے اور جنہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑا وہ معذور و مجبور تھے۔ یہ سن کر میں نے ان سے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ جس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناگوار گزرا تھا کیونکہ آپ اپنے اعزا اور رشتہ داروں سے محبت کرتے تھے۔ آپ نے عبداللہ بن سرح کو مصر کا والی بنا دیا۔ اس کے تقرر کو دو سال ہی گزرے تھے کہ مصریوں کو ان سے شکایات پیدا ہوگئیں تھیں اور انہوں نے بارگاہ خلافت سے دادرسی چاہی۔ ان سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت ابوذرؓ اور حضرت عمار بن یاسر کے خلاف کارروائی پر آپ سے شکایات کی تھیں اور یہ تمام قبیلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بدظن ہو چکے تھے۔ اب اہل

مصر نے ابن ابی سرح کی آ کر شکایتیں کیں۔ یہ شکایات سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن ابی سرح کو ایک تحریر لکھ کر روانہ کیا تا کہ وہ اپنی روش درست کر لیں۔ لیکن اس نے اس تہدیہ نامہ کی کوئی پروانہ کی اور جن باتوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا جان بوجھ کر ان باتوں پر عامل ہونے لگا یہاں تک کہ مصر کے جو لوگ آپ کے پاس اس کی شکایتیں لے کر آئے تھے۔ اس نے ان کو قتل کرا دیا۔ اس سے حالت خراب ہو گئی اور مصر سے سات سو افراد درالخلافہ میں آئے اور مسجد میں نمازوں کے اوقات میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ابن ابی سرح کی شکایتیں بیان کیں۔ چنانچہ حضرت طلحہ بن عبداللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ میں سخت کلامی کی۔ ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کہلا بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہ آپ سے ایسے شخص کی معزولی کے لیے کہتے ہیں جس پر قتل کا الزام ہے۔ مگر آپ کچھ پروانہیں کرتے اور آپ اس کو معزول کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ آپ ایسے شخص کو قرار واقعی سزا دیں۔ تھوڑی دیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لے آئے۔ آپ نے بھی کہا کہ آپ سے یہ لوگ قتل ناحق کے عوض ایک عامل کی معزولی چاہتے ہیں۔ آپ اس معاملہ میں انصاف کو کیوں کام میں نہیں لاتے اور دوسرا آدمی کیوں مقرر نہیں فرما دیتے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ یہ اپنے لیے عامل اور والی خود ہی مقرر کر لیں۔ میں عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے اسکا تقرر کہیں اور کر دوں گا۔ چنانچہ مصری وفد نے کہا کہ آپ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما دیجئے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقرری اور عبداللہ بن ابی سرح کی معزولی کا فرمان جاری کر دیا۔

کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (مہاجرین وانصار) محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصر کو روانہ ہوئے تا کہ بچشم خود وہاں کے حالات کا جائزہ لیں چنانچہ یہ لوگ ایک قافلہ کی صورت میں یہاں سے مصر روانہ ہوئے۔ ابھی یہ قافلہ مدینہ منورہ سے تین منزل ہی نکلا تھا کہ ان کو ایک حبشی غلام سانڈنی سوار نظر آیا جو بڑی تیزی سے اس قافلہ کے پاس سے گزرا۔ اس کی تیز رفتاری اور رنگ ڈھنگ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی کا قاصد ہے یا کوئی مفرور شخص ہے۔ اس شبہ کی بنا پر اس قافلہ والوں نے اس کو پکڑ لیا اور دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ تجھ کو کس کی تلاش

ہے۔ یا تو کہیں سے بھاگا ہے اس نے کہا کہ میں تو امیر المومنین کا غلام ہوں۔ پھر کہنے لگا میں مروان کا غلام ہوں۔ بعض لوگوں نے اسکو پہچان لیا اور بتایا کہ یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام ہے۔ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کہاں بھیجا گیا ہے؟ اس نے کہا کہ امیر المومنین کا پیغام لے کر مصر جا رہا ہوں۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ خط تیرے پاس ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں آخر کار اس کی تلاشی لی گئی لیکن اس کے پاس سے کوئی خط نہیں نکلا۔ اس کے پاس ایک مشکیزہ بھی تھا جب اسے دیکھا تو اس کے اندر کوئی چیز اچھلتی ہوئی لگی اسے اوندھا کیا گیا کہ نکل پڑے جب اس طرح بھی کچھ نہیں نکلا تو اس کو مشکیزہ کو چیر دیا گیا اور اس سے ایک خط برآمد ہوا۔ یہ خط امیر المومنین کی جانب سے عبداللہ ابن سرح والی مصر کے نام تھا۔ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام ساتھیوں کو جمع کر کے اس خط کی مہر توڑ دی اور اس کو پڑھانا شروع کر دیا۔ اس میں تحریر تھا کہ جس وقت تمہارے پاس محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اور فلاں فلاں اشخاص پہنچیں تو تم کسی نہ کسی حیلہ سے ان کو قتل کر دینا اور فرمان کو کالعدم قرار دینا اور حسب دستور اپنا کام کرتے رہو اور جو لوگ تمہاری شکایتیں لے کر یہاں میرے پاس آئے تھے۔ ان کو قید کر لینا اور تم اپنی حکمت عملی پر قائم رہو۔ اس خط کو پڑھ کر یہ لوگ حیران و ششدر رہ گئے اور اس مقام سے مدینہ شریف کو واپس ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس خط پر تمام حاضرین کی مہریں لگا دیں اور وہ خط ایک شخص کی تحویل میں دے دیا اور یہ سب لوگ یہاں سے مدینہ کو واپس پلٹ پڑے۔ مدینہ واپس آ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کی موجودگی میں مہر زدہ خط نکالا گیا۔ کھول کر سب کو پڑھوایا اور اس حبشی کا پورا قصہ بیان کیا۔ اس پر سب لوگ سخت برافروختہ ہوئے۔ کچھ لوگوں نے تحریر پر غور کر کے پہچانا کہ یہ تحریر مروان کی ہے چونکہ مروان آپ ہی کے پاس مقیم تھا اس لیے لوگوں کو اب کچھ شبہ حضرت عثمان پر بھی ہونے لگا۔ لوگوں نے مطالبہ کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ مروان کو ہمارے حوالے کر دیں مگر آپ نے انکار فرما دیا۔ آپ کے اس انکار پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت غصہ آیا اور اسی غصہ کی حالت میں وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ کچھ لوگ اب بھی یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جھوٹی قسم نہیں کھا سکتے تھے بعض نے کہا لیکن وہ

اس وقت تک شک سے بری بھی نہیں ہو سکتے جب تک وہ مروان کو ہمارے حوالے نہ کر دیں اور ہم اس سے تحقیق نہ کر لیں اور یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا گیا تھا۔ اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ خط انہوں نے ہی لکھا ہے تو ہم ان کو معزول کر دیں گے اور اگر یہ معلوم ہوا کہ یہ نامہ مروان نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھا ہے تو ہم مروان کو اس کی سزا دیں گے۔ معاملہ اس حد تک پہنچ جانے پر اور یہ رخ اختیار کرنے کے بعد بھی محاصرہ ختم نہیں ہوا۔ ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر مروان کو ان لوگوں کے سپرد کر دیا گیا تو وہ غیظ میں اس کو قتل کر دیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ مروان کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ پس آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اپنی تلواریں لے کر جاؤ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہرے دار کی طرح چوکس اور ہوشیار کھڑے رہو۔ کسی بلوائی کو اندر نہ جانے دینا۔ اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے سے روکو اور مروان کو باہر نہ لانے دو۔ یہ سب برابر ان کی حفاظت کرتے رہے۔

محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ایک انصاری کے مکان سے ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پہنچ گئے اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کیونکہ گھر میں جو دوسرے لوگ موجود تھے وہ سب چھت پر تھے۔ نیچے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معہ اپنی اہلیہ کے موجود تھے۔ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں پہلے جاتا ہوں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قابو میں کرتا ہوں جب میں ان پر قابو کر لوں تو تم ایک دم حملہ کر کے قتل کر دینا۔ یہ منصوبہ بنا کر محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ یکبارگی اندر پہنچ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر تیرے باپ تجھے یہ حرکت کرتے دیکھ لیتے تو کیا کہتے۔ یہ سن کر محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی

داڑھی چھوڑ دی لیکن اس عرصہ میں وہ دونوں شخص پہنچ چکے تھے۔ وہ دونوں آپ کی طرف جھپٹے اور آن کی آن میں آپ کو قتل کر ڈالا اور جس راستے سے یہ لوگ آئے تھے اسی راستے سے واپس ہو گئے۔ 35 ہجری ماہ ذی الحجہ کے ایام میں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ 18 ذی الحجہ 35 ہجری یوم جمعہ کو آپ نے شہادت پائی اور شنبہ کی شب کو مابین مغرب و عشاء آپ کو حش کوکب کے مقام پر جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ سب سے پہلے بقیع میں آپ دفن ہوئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر کیا تھی اس سلسلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر 82 سال تھی بعض 81 سال بتاتے ہیں۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس وقت آپ کی عمر 80 سال تھی اس طرح بعض نواسی 89 سال اور بعض نوے 90 سال کہتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے خود تاریخ ولادت 6 عام الفیل تحریر کی ہے اس حساب سے 35 ہجری کو عمر 82 سال ہوتی ہے۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ ہی نے ان کو دفن کیا۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔علی ابن ابی طالب المعروف بہ عبد مناف بن عبدالمطلب معروف بہ شیبہ بن ہاشم المعروف بہ عمر بن عبد مناف المعروف بہ مغیرہ بن قصی المعروف بہ زید بن کلاب بن مرہ بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آنحضرت رضی اللہ عنہ نے آپ کی کنیت ابوتراب فرمائی تھی۔آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہ بن ہاشم تھا اور آپ ہی پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت فرمائی۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور رشتہ مواخات میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں۔اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر عم زاد تھے۔آپ رضی اللہ عنہ عالم ربانی مشہور شجاع' بے بدل زاہد اور زبردست خطیب تھے۔آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قرآن شریف جمع کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے خلیفہ ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ اسلام میں قدیم ہیں بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت انس رضی اللہ عنہ زید بن ارقم اور سلمان فارسی اور بہت سے صحابہ کرام اس پر متفق ہیں کہ اول آپ رضی اللہ عنہ ہی اسلام لائے اور بعض کا اس پر اجماع بھی ہے۔

ابو یعلی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو شنبہ کے روز مبعوث ہوئے اور دوسرے دن سہ شنبہ کو میں مسلمان ہوا۔جس وقت آپ رضی اللہ عنہ ایمان لائے اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف دس سال تھی بلکہ بعض نو سال اور بعض

آٹھ سال اور کچھ اس سے بھی کم بتاتے ہیں۔ حسن بن زید کہتے ہیں کہ آپ نے صغرسنی میں بھی کچھ بت پرستی نہیں کی۔ جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم میرے بعد چند روز تک مکہ معظمہ میں مزید قیام کرنا اور جو امانتیں اور وصیتیں لوگوں کی ہمارے پاس ہیں۔ ان کے مالکوں اور صاحبوں کو پہنچا دینا چنانچہ آپ نے اس حکم کی پوری پوری تعمیل کی۔

آپ تمام غزوات میں سوائے غزوہ تبوک کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ غزوہ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا خلیفہ بنا کر مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔ تمام غزوات اور دوسری جنگوں میں آپ سے بہادرانہ کارنامے اور دلاورانہ کمالات مشہور ہیں۔

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ جنگ احد میں آپ کے سولہ زخم آئے تھے۔ بخاری اور مسلم نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جنگ خیبر میں آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم مرحمت فرمایا تھا اور یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ خیبر آپ ہی کے ہاتھ سے فتح ہوگا۔ آپ کی شجاعت کے کارنامے اور قوت بازو کے شاندار نتائج مشہور ہیں۔ آپ کا جسم فربہ تھا خود کے استعمال سے آپ کے سر کے بال اڑے ہوئے تھے۔ آپ کا میانہ قد مائل بہ پستی قوی تھا۔ آپ کا پیٹ تناسب اعضاء کے اعتبار سے کسی قدر بھاری تھا۔ آپ کی ریش مبارک دراز تھی۔ مونڈھوں کے درمیان کا گوشت بھرا ہوا تھا۔ پیٹ کے پیچھے سے جسم بھاری تھا۔ رنگ گندمی تھا اور تمام جسم پر لمبے لمبے بال تھے۔

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جنگ خیبر میں آپ نے اپنی پیٹھ پر خیبر کا دروازہ اٹھا لیا تھا اور مسلمان اس دروازہ پر چڑھ چڑھ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئے تھے اور خیبر کو فتح کر لیا تھا اور اس کے بعد آپ نے وہ دروازہ پھینک دیا جب اس دروازے کو گھسیٹ کر دوسری جگہ ڈالا جانے لگا تو چالیس افراد نے اسے اٹھایا تھا۔ (ابن عساکر)

ابن عساکر نے ابی رافع سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر بہت دیر تک اپنے ہاتھوں پر رکھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا جس وقت قلعہ فتح ہو گیا تو اس وقت اسے آپ نے پھینک دیا جنگ سے فراغت کے بعد ہم اسی افراد نے مل کر اسے ہلانا چاہا لیکن وہ نہیں ہلا۔

بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا نام (کنیت) ابوتراب بہت پسند تھا اور جب کوئی آپ کو اسی نام سے پکارتا تھا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ اور آپ کی مسرت کا سبب یہ تھا کہ یہ کنیت آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عنایت ہوئی تھی۔ اس کنیت کے رکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے کسی بات پر ناراض ہو کر مسجد میں آ کر لیٹ گئے تھے اور آپ کے بدن پر کچھ مٹی لگ گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلانے بہ نفس نفیس مسجد میں تشریف لائے۔ آپ کے بدن سے مٹی جھاڑتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے اے ابوتراب (مٹی کے باپ) اٹھو۔ اسی روز سے آپ کی کنیت ابوتراب مشہور گئی۔

امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جتنی احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بیان ہوئی ہیں کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بیان نہیں ہوئی ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت سعد ابن وقاص سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں جب آپ کو مدینہ میں رہنے کا حکم دیا اور دیگر مجاہدین کے ساتھ نہیں لیا تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا آپ مجھے یہاں بچوں اور عورتوں پر خلیفہ بنا کر چھوڑے جا رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اس طرح یہاں چھوڑے جاتا ہوں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے بس فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

اس حدیث کو احمد' بزار' اور دیگر صحابہ کرام نے روایت کیا ہے ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے حبشی بن خبابدہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوں۔

ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین رشتہ مواخات قائم کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بچشم گراں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے تمام صحابہ کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرمایا (ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا) مگر میں یوں ہی رہ گیا۔ آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دنیا اور

آخرت میں میرے بھائی ہو۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں فصل قضایا اور علم فرائض میں علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی اور نہیں تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب ان کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم سنت کا جاننے والا کوئی اور نہیں ہے۔

مسروق کہتے ہیں کہ اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک محدود رہ گیا ہے۔

عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں علم کی قوت ارادے کی پختگی' مضبوطی اور استقلال موجود تھا خاندان بھر میں آپ کی بہادری مشہور تھی آپ پہلے اسلام لائے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ احکام فقہ وسنت میں ماہر تھے۔ جنگی شجاعت اور مال ودولت کی بخشش میں سب سے ممتاز تھے۔ جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام لوگ مختلف درختوں کی شاخیں ہیں۔ میں اور علی رضی اللہ عنہ ایک ہی درخت سے ہیں۔ طبرانی اور ابن حاتم حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جس جگہ کو قرآن شریف میں یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو ہے وہاں سمجھنا چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے امیر و شریف ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں چند مقامات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عتاب فرماتا ہے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہر جگہ خیر کے ساتھ ہے۔

خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دوسرے روز تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کے سوا مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ ہوتے ہوئے بصرہ پہنچے اور یہاں پہنچ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کیا

جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ بھی عراق تشریف لے گئے۔ بصرہ راستے ہی میں پڑتا تھا یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے آمنا سامنا ہوا اور یہاں جنگ ہوئی۔ یہ لڑائی جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ان کے علاوہ طرفین کے تیرہ ہزار مسلمان کام آ گئے یہ واقعہ جمادی الآخر 36 ہجری کو پیش آیا۔ بصرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پندرہ روز قیام کیا اور پھر کوفہ تشریف لے آئے۔

جنگ صفین

کوفہ پہنچنے کے بعد آپ پر امیر معاویہ نے خروج کر دیا ان کے ساتھ شامی لشکر تھا کوفہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بڑھے اور صفین کے مقام پر ماہ صفر 37 ہجری میں خوب معرکہ آرائی ہوئی اور لڑائی کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ آخر کار حضرت عمرو بن العاص کے غور و فکر کرنے کے بعد شامیوں نے قرآن شریف نیزوں پر بلند کر دیئے۔ لوگوں نے جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا۔ جنگ موقوف کر دی طرفین سے صلح کرنے ایک ایک شخص بطور حکم مقرر ہوا۔ امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ابو موسیٰ اشعری حکم مقرر ہوئے۔ دونوں حضرات نے ایک ایک معاہدہ تحریر کیا کہ آئندہ سال مقام ارزح میں جمع ہو کر اصلاح امت کے بارے میں گفتگو کی جائے۔ اس معاہدہ کے بعد طرفین کے لوگ اپنے اپنے مقام کو واپس ہو گئے۔ امیر معاویہ شام کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ واپس چلے گئے۔

جب آپ کوفہ واپس آ گئے تو ایک جماعت (خوارج) آپ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئی اور انہوں نے خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انکار کر کے لاحکم الا اللہ (سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں ہے) کا نعرہ بلند کیا اور موضع بحروا میں انہوں نے اپنا لشکر بنا لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معرکہ آرائی کا ارادہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی سرکوبی کے لیے حضرت ابن عباس کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا۔ طرفین میں جنگ ہوئی۔ لڑائی کے بعد کچھ لوگ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور کچھ اپنے عقیدے پر جمے رہے اور مقابلہ سے بھاگ کر نہروان اور دیگر علاقوں میں ڈاکہ زنی شروع کر دی۔ آخر کار حضرت علی رضی اللہ

عنہ نہروان پہنچے اور ان سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔ خوارج سے یہ جنگ 38 ہجری میں ہوئی۔

ازرح میں اجتماع اور حکم کا فیصلہ

38 ہجری میں سابقہ معاہدہ کے بموجب سعد ابن ابی وقاص' ابوموسیٰ اشعری اور دیگر صحابہ کرام مقام ازرح میں جمع ہوئے عمرو بن العاص اپنی چرب زبانی اور زور بیان سے ابوموسیٰ اشعریؓ پر چھا گئے اور ابوموسیٰ اشعری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے معزول کر دیا اور عمرو بن العاص نے امیر معاویہ کو خلافت پر فائز کر کے ان سے خلافت پر بیعت کر لی۔ اس فیصلے سے لوگوں میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت سے لوگوں نے بدستور خلافت پر قائم رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی کو خلیفہ تسلیم کیا گیا اور بہت سے لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے کٹ گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

17 رمضان المبارک 40 ہجری کو حضرت علیؓ نے علی الصبح بیدار ہو کر اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رات میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے میرے ساتھ کج روی اختیار کی ہے اور اس نے سخت نزاع برپا کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تم اللہ سے دعا کرو چنانچہ میں نے بارگاہ رب العزت میں اس طرح دعا کی الٰہی مجھے تو ان لوگوں سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے اور میرے بجائے ان لوگوں کو واسطہ ایسے شخص سے ڈال جو مجھ سے بدتر ہو۔ ابھی آپ رضی اللہ عنہ فرما ہی رہے تھے کہ اتنے میں ابن بناح مؤذن نے آ کر آواز دی الصلوٰۃ الصلوٰۃ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے گھر سے چلے راستے میں آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز کے لیے آواز دے دے کر جگاتے جاتے تھے کہ اتنے میں ابن ملجم سے سامنا ہوا اور اس نے اچانک آپ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ وار اتنا شدید تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا کر ٹھہری۔ اتنی دیر میں چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور قاتل کو پکڑ لیا۔ یہ زخم بہت کاری تھا پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ و ہفتہ تک بقید حیات رہے مگر اتوار کی شب میں آپ رضی اللہ

عنہ کی روح بارگاہ قدس میں پرواز کر گئی اس طرح آپ رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے اور مسجد میں اپنے رب سے جا ملے۔ جب قاتل نے آپ رضی اللہ عنہ کو تلوار ماری تو اس وقت آپ نے بلند آواز سے کہا کہ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا' امام حسن رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور دارالامارت کوفہ میں رات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا۔ ابن ملجم جسے گرفتار کیا جا چکا تھا اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک ٹوکرے میں رکھ کر آگ لگا دی اور وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

امام سیوطی لکھتے ہیں: ۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قبر شریف کو اس لیے ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ کہیں بدبخت خارجی اس کی بھی بے حرمتی نہ کریں۔ شریک کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے فرزند امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کو دارالامارت کوفہ سے مدینہ منورہ منتقل کر دیا تھا۔ مبرد نے محمد بن حبیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل ہونے والی پہلی نعش حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی۔ ابن عساکر رضی اللہ عنہ سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کو مدینہ منورہ لے جانے لگے تاکہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے اقدس میں دفن کریں۔ نعش ایک اونٹ پر رکھی ہوئی تھی۔ رات کا وقت تھا وہ اونٹ راستہ میں کسی طرف کو چلا گیا اور اس کا پتا نہیں چلا اسی واسطے اہل عراق کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ بادلوں میں تشریف فرما ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تلاش و جستجو کے بعد وہ اونٹ سرزمین بنوطے میں مل گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کو اسی سرزمین میں دفن کر دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شہادت کے وقت 17 رمضان المبارک 40 ہجری کو آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک 63 سال تھی۔ بعض چونسٹھ بتاتے ہیں کچھ 65 سال اور کچھ 57 سال اور بعض 58 سال کہتے ہیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی باندیوں کی تعداد انیس تھی۔ لیکن محققین کی اکثریت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک تریسٹھ 63 سال بتاتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نجف میں مدفون ہیں اسی مقام پر آپ رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک موجود ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واقعات' فیصلے اور مختصر اقوال

سعد بن منصور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے یہ توفیق بخشی کہ ہمارے مخالفین ہم سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ معاویہ نے ہم سے دریافت کرایا کہ خنثیٰ مشکل کی میراث کا کیا حکم ہے؟ میں نے لکھ بھیجا کہ اس کی پیشاب گاہ کی ہیئت سے میراث کا حکم جاری ہوگا۔ (یعنی اگر اس کی پیشاب کی جگہ مردوں سے مشابہ ہے تو وہ مردوں میں اور اگر عورتوں میں سے مشابہت ہے تو عورتوں میں محسوب کیا جائے گا۔ ہشیم نے مغیرہ سے بھی اس طرح روایت کی ہے۔

توکل علی اللہ

ابونعیم نے جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مقدمہ فیصلے کے لیے آیا۔ آپ اس کی سماعت کے لیے ایک دیوار کے نیچے بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ جناب والا یہ دیوار گرنے والی ہے آپ یہاں سے اٹھ جائیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اپنا کام کرو میری حفاظت کرنے والا میرا خدا ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مقدمہ سنا اور فیصلہ سنا کر جب آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ گئے تو دیوار گر پڑی۔ جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نے خطبہ میں آپ کو فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ ہم کو ویسی ہی صلاحیتیں عطا فرما جیسی تو نے ہدایت یاب خلافت راشدہ کو عطا فرمائی تھیں۔ مہربانی سے مجھے ان خلفائے راشدین کے نام بتادیں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ خوش ہوئے اور فرمایا میرے دوست ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ ان میں سے ہر ایک شیخ الاسلام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ دونوں قریش کے مقتدیٰ تھے جس شخص نے ان کو تسلیم کیا وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اس نے مجھ سے جنگ کی اور جس نے مجھ سے جنگ کی اس نے وہ جنگ خدا سے کی۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال

مدائنی کہتے ہیں کہ کوفہ میں قیام کے زمانے میں دشمنان عرب میں سے ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا کہ اے امیر المومنین بخدا آپ رضی اللہ عنہ نے تو مسند خلافت پر متمکن ہو کر اسے زینت بخشی اور آپ رضی اللہ عنہ نے درجہ خلافت کو بلند کیا لیکن خلافت نے آپ رضی اللہ عنہ کو بلند و بالا نہیں کیا۔ درحقیقت یہ خلافت آپ رضی اللہ عنہ ہی جیسی شخصیت کی محتاج تھی۔

مدائنی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال میں جھاڑو دیتے۔ تمام مال مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے پھر نماز پڑھتے تاکہ بیت المال اس بات کی گواہی دے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں مسلمانوں سے بچا کر مال کو جمع نہیں کیا۔

قدر کی تعریف

حارث کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مسئلہ قدر کی وضاحت کے بارے میں پوچھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا قدر وہ تاریک راستہ ہے جس پر چلنا ممکن نہیں۔ اس کے دوبارہ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا: مسئلہ قدر بہت گہرا سمندر ہے۔ اس میں غوطہ نہ لگاؤ (اس میں داخل نہ ہو) کیونکہ تم مسئلہ قدر کا وجدان نہیں پا سکو گے۔ اس نے پھر دوبارہ اس بات کو دہرایا تو آپ نے فرمایا مسئلہ قدر ایک راز بھی ہے جو تم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اس کی وضاحت میں مت جاؤ مگر اس آدمی نے پھر اس کی وضاحت پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اچھا تم ہی بتاؤ کہ خالق کائنات نے تم کو اپنی مرضی کے مطابق پیدا کیا کہ تمہاری مرضی کے مطابق۔ اس شخص نے جواب دیا کہ جس طرح اس نے چاہا اس طرح اس نے پیدا کیا اس پر آپ نے فرمایا تو پھر جس طرح وہ چاہے گا تم کو استعمال بھی کرے گا۔ (یہی قدر ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رنج و مصیبت بھی ایک مقام پر پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں اور جب کسی پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ اپنی انتہا تک ضرور پہنچ کر رہتی ہے لہٰذا عقلمند کو چاہیے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو اس کے رفع کی کوشش نہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کی مدت گزر جائے ورنہ اختتام مدت سے پہلے دفیعہ کی تدابیر اپنے ساتھ اور مصیبتیں لے کر آتی

ہیں۔ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ سخاوت کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا بغیر طلب کے کچھ دینا سخاوت ہے اور مانگنے والے کو دینا بخشش ہے۔ ایک ایسا شخص آپ کی خدمت میں آیا جو پہلے کبھی کسی دور دراز مقام پر آپ کی مذمت میں کچھ کہہ چکا تھا اب اس نے آتے ہی آپ کی تعریف بہت مبالغہ کے ساتھ کرنا شروع کی آپ نے اس سے فرمایا میں ایسا تو نہیں ہوں جیسی تم تعریف کر رہے ہو ہاں جو کچھ میرے متعلق تمہارے دل میں ہے۔ میں اس سے زیادہ (برا) ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شاعری

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات شاعر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شعر و شاعری کرتے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تینوں حضرات سے زیادہ اچھے اشعار کہا کرتے تھے۔ (تینوں حضرات سے زیادہ اچھے شاعر تھے۔) نیط الاشجعی نے آپ کے یہ اشعار پیش کیے ہیں۔ ترجمہ:

جب دلوں کو مایوسی گھیر لیتی ہے اور کشادہ سینہ اس کی وجہ سے تنگ ہو جاتا ہے

اور مصیبتیں (سینے کو) وطن بنا کر مطمئن ہو جاتی ہیں

اور ان (سینوں میں) تکلیفیں لنگر انداز ہو جاتی ہیں

اور اس تکلیف کے دور ہونے کی صورت نظر نہیں آتی۔ دانشمند اپنی تدبیر سے کچھ بھی دفعیہ نہ کر سکا۔

اس ناامیدی کے وقت تمہارے پاس ایک فریادرس آتا ہے جس کے واسطے سے دعا قبول کرنے والا احسان کرتا ہے۔

جب حوادث زمانہ انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو اس کے بعد کشادگی جلد آ جاتی ہے۔

شعبی سے روایت ہے کہ آپ کے پاس ایسا شخص بیٹھا تھا جس کی صحبت و ہم نشینی آپ کی طبع پر گراں تھی۔ اس وقت آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

جاہلوں کی صحبت مت اختیار کر ان سے بچ بہت سے جاہلوں نے اس دانشمند کو تباہ کر دیا جس نے ان سے دوستی کی۔

دو آدمی جب ساتھ ساتھ چلتے ہیں تو ایک دوسرے پر قیاس کیا جاتا ہے کہ چیزیں ایک

دوسرے کے لیے قیاس اور مشابہ ہوتی ہیں۔

مبرد کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار پر یہ اشعار کندہ تھے۔لوگ دنیا کے بہت ہی زیادہ حریص ہیں حالانکہ اس کی صفت تیرے لیے کدورت سے آمیختہ ہے۔

بہت سے اس کے لیے مصر ہیں اور دُنیا ان کو نہیں ملتی اور بہت سے عاجز کوتاہی کے باوجود دُنیا کو حاصل کر گئے۔

جب رزق ملتا ہے تو عقل سے نہیں ملتا ہے۔

بلکہ یہ رزق تقدیر ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اگر دنیا غلبہ اور قوت بازو سے ملتی ہوتی تو جابر باز چڑیوں کی روزی لے اڑتے چڑیاں محروم رہتیں۔

حمزہ بن حبیب الزیات نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار بھی کہے تھے:

اپنا راز سوائے اپنی ذات کے کسی پر ظاہر نہ کر

کہ ایک نیک خواہ کے لیے نیک خواہ موجود ہے

اور میں نے بہت سے گمراہ لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ کسی کھال کو بھی صحیح نہیں چھوڑتے (عیب جوئی کرتے ہیں۔)

آخری وقت کی وصیتیں

جب ابن ملجم نے آپ پر تلوار کا وار کیا یعنی جب آپ زخمی ہو گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا بیٹے میری ان چار باتوں کے ساتھ چار باتیں یاد رکھنا۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ کیا ہیں فرمائیے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اول یہ کہ سب سے بڑی تونگری عقل کی توانائی ہے حماقت سے زیادہ کوئی مفلسی نہیں۔غرور و تکبر سب سے سخت وحشت ہے۔سب سے عظیم خلق کرم ہے۔امام حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ دوسری چار باتیں بھی فرما دیجیے۔آپ نے فرمایا احمق کی محبت سے بچو۔کیونکہ وہ تم کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن ضرر پہنچ جاتا ہے۔جھوٹے سے پرہیز کرو کیونکہ وہ بعید کو قریب اور قریب کو بعید کر دیتا ہے۔بخیل سے اعراض کرو کیونکہ وہ تم سے ان چیزوں کو چھٹا دے گا جن کی تم کو احتیاج ہے۔فاجر سے کنارہ کش رہو کیونکہ وہ تمہیں تھوڑی سی

چیز کے بدلے فروخت کر ڈالے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا زیادہ ہوشیاری دراصل بدگمانی ہے۔ (ابن جہان)

محبت دور کے لوگوں کو قریب، عداوت قریب کے لوگوں کو دور کر دیتی ہے۔ ہاتھ جسم سے بہت قریب ہے لیکن گل سڑ جانے پر کاٹ دیا جاتا ہے اور پھر اس کو داغنا پڑتا ہے۔ (ابو نعیم) ہماری یہ پانچ چیزیں یعنی پانچ باتیں یاد رکھو۔

1- کوئی شخص گناہ کے سوا کسی چیز سے خوفزدہ نہ ہو۔

2- صرف اللہ تعالیٰ ہی سے امیدیں اور آرزوئیں وابستہ رکھو۔

3- کسی چیز کے سیکھنے میں شرم نہ کرو

4- عالم کو کسی مسئلہ کی دریافت کرنے پر جب کہ وہ اس سے کماحقہ واقف نہ ہو۔ یہ کہنے میں شرم نہیں کرنا چاہئے کہ میں اس مسئلہ سے واقف نہیں۔

5- صبر اور ایمان کی مثل سر اور جسم جیسی ہے جب صبر جاتا رہتا ہے تو ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ گویا جب سر اڑ گیا تو جسم کی طاقت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ (سنن ابن منصور)

حضرت علی رضی اللہ عنہ احادیث کی روشنی میں

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جتنی احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں وارد نہیں ہوئی ہیں۔ (حاکم)

بخاری اور مسلم نے سہیل بن سعد سے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر کے زمانے میں ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کل پرچم اسلامی اس شخص کے حوالہ کروں گا جس کے ہاتھ سے انشاء اللہ خیبر فتح ہو جائے گا۔ اللہ اور اس کے رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ رات کو لوگ بہت دیر تک غور و خوض کرتے رہے کہ دیکھئے کل صبح کس کو علم عنایت ہو صبح ہوئی تو ہر شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہر ایک کے دل میں یہی خواہش موجزن تھی کہ شاید یہ فخر مجھے حاصل ہو جائے۔ جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں اس وجہ سے حاضر نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں فوراً بلاؤ جس

وقت آپ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن شریف لگا دیا جس سے آپ کی آنکھیں فوراً اچھی ہوگئیں (اور پھر تازیست دیکھنے نہیں آئیں) اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم لشکر آپ ہی کو مرحمت فرمایا اور ہم سب دیکھتے ہی رہ گئے۔

صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ جس وقت آیت (مباہلہ) نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ' حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر دعا کی الٰہی یہ میرے کنبہ کے لوگ ہیں تو ان سب سے محبت کر کیونکہ میں بھی محبت کرتا ہوں ان سب سے۔ پھر فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔

بعض راویوں کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ الٰہی جو شخص علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے تو بھی اس سے محبت اور جو علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔

اولاد علی رضی اللہ عنہ

حسن' حسین' زینب کبریٰ' ام کلثوم' محسن (بچپن میں فوت ہو گئے) رقیہ (بچپن میں فوت ہوگئیں۔ یہ سب حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہ کی گود سے تھے۔

محمد اکبر بن علی المعروف ابن الحنفیہ ان کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر بن قیس تھا۔ یہ بنی بکر بن وائل سے تھیں۔

عبداللہ بن علی' ان کو مختار بن ابی عبید نے المذار میں قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ کے ایک بیٹے ابوبکر تھے جو حسینؓ کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ ان دونوں کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی ماں یلیٰ بنت مسعود بن خالد تھیں یہ بنی تمیم سے تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چار فرزند عباس اکبر' عثمان' جعفر اکبر اور عبداللہ کربلا میں شہید ہوئے یہ لاولد تھے۔ ان کی والدہ ام البنین بنت حزام بن خالد بن جعفر تھیں۔ آپ کا تعلق بنی کلاب سے تھا۔

ایک فرزند محمد اصغر تھے یہ بھی کربلا میں شہید ہوئے ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ عمر اکبر اور

رقیہ کی والدہ صہبا تھیں جو بنی تغلب سے تھیں۔

دو بیٹے یحییٰ و عون اسماء بنت عمیس سے تھے۔

ایک بیٹے محمد اوسط تھے ان کی والدہ امامہ بنت ابوالعاص تھیں۔ امامہ بنت رسول حضرت زینب کی بیٹی تھیں۔

دو بیٹیاں ام الحسن بنت علی اور روائلہ کبریٰ' ام سعید بنت عروہ بن مسعود الثقفی سے تھیں۔

ام ہانی بنت علی' میمونہ' زینب صغریٰ' رملہ صغریٰ' ام کلثوم صغریٰ' فاطمہ' امامہ' خدیجہ' ام الکرام' ام سلمہ' ام جعفر' جمانہ اور نفیسہ بھی آپ کی بیٹیوں کے نام بیان کیے جاتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ کے نواسے نواسیاں

1- علی بن ابوالعاص ؓ

نبی پاک کی سب سے بڑی صاحبزادی کے شوہر اور حضرت خدیجہ ؓ کی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے ابوالعاص کو قید کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس شرط پر رہا کیا کہ وہ اپنی بیوی یعنی بنت رسول کو مدینہ بھیج دیں گے۔ چنانچہ ابوالعاص نے رہائی کے بعد حضرت زینب ؓ کو جب مدینہ بھیجا تو ان کے ساتھ دونوں بچے بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کی تربیت اور پرورش خود فرمائی۔ فتح مکہ کے روز یہی علی اپنے نانا جان کے اونٹ پر آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے یہ نواسہ بلوغت کے ابھی قریب پہنچے ہی تھے کہ بیمار ہو کر انتقال فرما گئے۔

امامہ بنت ابوالعاص ؓ

حضرت امامہ ؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی جس طرح آپ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے دوش مبارک پر سوار کرتے تھے۔ اسی طرح امامہ ؓ کو بھی اپنے دوش مبارک پر اٹھا لیتے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا کرتے تو اس دوران اپنی نواسی امامہ ؓ کو اٹھائے ہوئے ہوتے جب سجدہ کرتے تو انہیں اتار دیتے اور جب کھڑے ہونے لگتے تو انہیں بھی اٹھا لیتے۔

علامہ سید مومن شبلنجی اپنی تصنیف نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار (مطبوعہ مصر) میں رقم طراز ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع فرماتے تو حضرت امامہ رضی اللہ

عنہا کو نیچے اتار دیتے اور جب سر سجدے سے اٹھاتے تو انہیں پھر کندھے پر اٹھا لیتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد میری بھانجی امامہ کو اپنے نکاح میں لے لیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ زہراؓ کی وفات کے بعد حضرت امامہؓ سے نکاح کر لیا۔ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند محمد اوسط پیدا ہوئے۔ (مدارج النبوت)

جب حضرت علی عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ہاتھوں مسجد میں مجروح ہوئے تو آپ نے حضرت امامہؓ کو وصیت فرمائی کہ اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو نبی پاکؐ کے چچا حارث کے پوتے مغیرہ بن نوفلؓ سے کر لیں۔ چنانچہ ان کی وصیت پر عمل کیا گیا حضرت امام حسنؓ کی اجازت سے نکاح ثانی پڑھا گیا۔ مغیرہ کے ہاں حضرت امامہؓ کے بطن سے ایک فرزند یحیٰی پیدا ہوئے۔ یہ نسل دنیا سے ختم ہو چکی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت امامہ کے بارے میں فرمایا: احب اھلی الی۔ ایک روایت ہے کہ ایک بار نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بیش قیمت ہار تحفے میں آیا۔ آپ نے فرمایا: میں یہ ہار اسے پہناؤں گا جو مجھے اہل خانہ میں سب سے زیادہ عزیز ہے پھر حضرت امامہ کو بلا کر ہار ان کے گلے میں پہنا دیا گیا۔

حضرت امام حسن ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب سبط وریحان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق آخری خلیفہ ہیں۔

ابن سعد نے عمران بن سلیمان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) دونوں نام اہل جنت کے ہیں' یہ نام عہد جاہلیت میں کبھی نہیں رکھے گئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت نصف ماہ رمضان المبارک 3 ہجری میں ہوئی' آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں اور آپ کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بہت سے حضرات تابعین مثلاً آپ کے صاحبزادگان اور ابوالحوار' ربیعہ بن شبہان' الشعبی' اور ابوالوائل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وغیرہ نے احادیث بیان کی ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ آپ کا نام نامی حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے رکھا تھا' آپ کی ولادت کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا گیا اور آپ کے سر کے بال اتارے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے اترے ہوئے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔ آپ اہل کساء میں پانچویں شخصیت ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی کہتے ہیں کہ جاہلیت میں یہ نام نہیں پایا جاتا۔ مفضل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حسن اور حسین نام پوشیدہ رکھے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں نام اپنے نواسوں کے لیے تجویز فرمائے۔ بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زبانی لکھا ہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے' سوائے امام حسن رضی اللہ عنہ

کے اور کسی کی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملتی تھی۔ بخاری اور مسلم نے لکھا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہیئت میں دیکھا کہ حضرت حسنؓ کو آپ اپنے دوش مبارک پر اٹھائے فرما رہے تھے کہ الٰہی میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر اس طرح رونق افروز پایا کہ آپ کے پہلو میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کبھی تو حضور لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اور فرماتے کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔

امام بخاریؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن رضی اللہ عنہ میری دنیا کے پھول ہیں۔ ترمذی اور حاکم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔

ترمذی نے اسامہ بن زیدؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین رضی اللہ عنھم کو اپنی گودوں میں اٹھایا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے بیٹے یعنی میری بیٹی کے فرزند ہیں۔ اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرتے ہیں ان کو بھی تو اپنا محبوب بنالے۔ ترمذی ہی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضورؐ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا حسن اور حسین (رضی اللہ عنھم) سے۔ حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دوش مبارک پر اٹھائے ہوئے تھے کسی شخص نے یہ دیکھ کر کہا کہ اے صاحبزادے تمہاری سواری کتنی اچھی ہے یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار بھی کتنا اچھا ہے؟

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام لوگوں کے مقابلے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت مشابہ تھے اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اور میں نے بچشم خود دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہوتے تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کی گردن یا پیٹھ پر آ کر بیٹھ جاتے تھے اور جب تک وہ خود نہیں اترتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہیں اتارتے تھے۔ میں نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حالت رکوع میں ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپائے مبارک کے اندر سے ہو کر دوسری طرف نکل گئے۔

ابن سعد نے ابن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبان مبارک باہر نکالتے اور حسن رضی اللہ عنہ زبان مبارک کی سرخی کو دیکھ کر بہت ہنستے اور خوش ہوا کرتے تھے۔ حاکم نے زہیر بن ارقم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک روز حضرت حسن رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے قبیلہ از دوشنوہ کا ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن رضی اللہ عنہ کو گود میں لیے ہوئے فرما رہے تھے۔ مجھ سے محبت کرنے والے کو چاہیے کہ ان سے بھی محبت کرے اور جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ وہ میری یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ اگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اطاعت منظور نہ ہوتی تو میں یہ بات زبان پر نہ لاتا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بے شمار ہیں۔ آپ بڑے بردبار، حلیم الطبع، عزت وشان والے پروقار صاحب جاہ وحشم تھے۔ آپ فتنہ وفساد اور خوں ریزی کو ناپسند فرماتے تھے، آپ سخاوت میں بے بدل تھے، بسا اوقات ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطا فرما دیتے تھے، آپ نے بہت سی شادیاں کیں۔

حاکمؒ نے عبداللہ بن عبید بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بغیر سواری کے پچیس حج ادا فرمائے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ اعلیٰ قسم کے اونٹ آپ کے ساتھ ہوتے تھے لیکن آپ ان پر سوار نہیں ہوتے اور پاپیادہ راستہ طے فرماتے۔ ابن سعد یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ کی شیریں کلامی کا یہ عالم تھا کہ جب کسی سے تکلم فرماتے تو جی چاہتا کہ بس آپ اسی طرح سلسلہ کلام جاری رکھیں اور خاموش نہ ہوں۔ میں نے آپ کی زبان

سے کبھی کوئی فحش بات نہیں سنی۔ سوائے اس ایک بار کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عثمان کے مابین زمین کے سلسلے میں کچھ تنازع تھا آپ نے ان سے تصفیہ کے سلسلہ میں کوئی بات کہی جسے انہوں نے منظور نہیں کیا تو آپ نے فرمایا تمہاری ناک خاک آلود ہو۔" بس یہی ایک فحش جملہ میں نے آپ کی زبان سے سنا۔"

ابن سعد' عمر بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ مروان جب حاکم تھا تو وہ منبر پر علی الاعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتا تھا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کمال تحمل کے ساتھ اس کی ان گستاخیوں کو سنا کرتے تھے اور خاموش رہا کرتے۔ ایک دن مروان نے ایک شخص کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ علی پر' علی پر' علی پر اور تجھ پر' تجھ پر' تجھ پر؟ اور تمہاری مثال تو بس خچر جیسی ہے کہ اس سے پوچھا جائے کہ تمہارا باپ کون تھا تو جواب دیتا ہے میری ماں گھوڑی تھی۔ مروان کے فرستادہ کی باتیں سن کر امام حسن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جاؤ مروان سے کہہ دینا کہ تمہاری یہ باتیں بخدا مجھے یاد رہیں گی حالانکہ تم کو یقین تھا کہ میں تمہاری گالیوں کے بدلہ تم کو بھی گالیاں دوں گا لیکن میں صبر کرتا ہوں قیامت آنے والی ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اللہ جزائے خیر دے گا اور اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ کا انتقام اور اس کی گرفت بڑی سخت ہے۔

ابن سعد زریق بن سوار سے روایت کرتے ہیں کہ مروان اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ اس نے آپ کے سامنے ہی گالیاں دینی شروع کر دیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ اس اثنا میں مروان نے اپنے سیدھے ہاتھ سے ناک صاف کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: افسوس تجھے اتنا بھی نہیں معلوم کہ سیدھا ہاتھ' ہاتھ دھونے کے لیے اور بایاں بول و براز کے مقامات کے لیے ہے۔ تجھے بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا چاہیے تھی یہ سن کر مروان خاموش ہو گیا۔

ابن سعد نے اشعث بن سوار سے اور اس نے ایک اور شخص سے روایت کی ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آ کر بیٹھا آپ نے فرمایا کہ تم ایسے وقت میرے پاس آ کر بیٹھے ہو جب کہ میرے اٹھنے کا وقت ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں چلا جاؤں۔ ابن سعد' علی ابن زین بن جدعان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ اپنا تمام مال اللہ کی راہ

میں خرچ کر دیا اور تین بار نصف مال راہ الٰہی میں دے دیا یہاں تک کہ ایک جوتا بخش دیا اور ایک رکھ لیا۔ ایک موزہ دے دیا اور ایک رکھ لیا۔ (مولانا سیوطی کی یہ روایت سخاوت کے اصول کے منافی ہے۔)

ابن سعد نے علی بن الحسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ عورتوں کو طلاق بہت دیا کرتے تھے۔ (بہت سی عورتوں کو طلاق دے دی) اور جو عورت آپ کے نکاح میں آ جاتی وہ آپ سے جدائی ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ آپ پر فریفتہ ہو جاتی۔ اس طرح آپ نے نوے شادیاں کیں۔ جعفر بن محمد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نکاح کرتے اور طلاق دے دیتے۔ آپ کی اس روش سے ہمیں خوف پیدا ہو گیا کہ اب قبائل میں دشمنی ہمیشہ قائم رہے گی۔ ابن سعد نے جعفر بن محمد کے حوالہ سے اور انہوں نے اپنے والد کی زبانی بیان کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اے کوفہ والو! حسن کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی مت کرو وہ طلاق دینے کے عادی ہیں۔

یہ سن کر ایک ہمدانی نے کہا ''خدا کی قسم' ان سے اپنی بیٹیاں ضرور بیاہیں گے جس کو وہ پسند رکھیں اور جو ناپسند ہو اس کو طلاق دے دیں۔ ابن سعد نے عبداللہ بن حسین سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت نکاح کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی نئی بیاہتا کو چند دن رکھتے اور پھر طلاق دے دیتے۔ اس کے باوجود یہ عالم تھا کہ آپ جس عورت سے شادی کر لیتے وہ دل و جان سے آپ پر فریفتہ ہو جاتی تھی۔

ابن عساکر نے جویریہ بن اسماء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازے میں مروان نے جب گریہ زاری کی تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اب تو روتا ہے اور آپ کی زندگی میں تو نے ان کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا اور کیا کچھ نہیں کہا' یہ سن کر مروان نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے میں ایسا اس شخص کے ساتھ کرتا تھا جو اس پہاڑ (پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے) سے بھی زیادہ حلیم و بردبار تھا۔

توکل علی اللہ

ابن عساکر نے مبرد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کسی شخص نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے کہا کہ ابوذر کہتے ہیں کہ میں مفلسی کو تونگری سے اور بیماری کو تندرستی سے بہتر سمجھتا ہوں یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے میں تو کہتا ہوں کہ میں خود کو بالکل اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں میں کسی ایسی بات کی تمنا ہی نہیں کرتا جو اس حالت کے خلاف ہو جو خداوند تعالیٰ میرے لیے اختیار کرتا ہو'یہ حالت راضی برضائے الٰہی کو مکمل طور پر ظاہر کرتی ہے۔ (یعنی آپ کی حالت راضی برضائے الٰہی کے عین مطابق تھی)

خلافت اور خلافت سے دستبرداری

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک خلافت کے منصب پر فائز رہے۔ (آپ سے صرف اہالیان کوفہ نے بیعت کی تھی) اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کو حکم اور فیصلہ دہندہ تسلیم کر کے مندرجہ ذیل شرائط آپس میں طے ہوئیں کہ فی الوقت امیر معاویہ خلیفہ بنائے جاتے ہیں لیکن ان کے انتقال کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین ہوں گے۔ مدینہ' عراق' اور حجاز کے باشندوں سے مزید کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا بلکہ صرف وہی ٹیکس وصول کیا جائے گا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لیا جارہا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذمہ جو قرض ہے اس کی تمام تر ادائیگی امیر معاویہ کریں گے۔ ان شرائط کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا اور باہمی صلح ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرادے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان شرائط کے ساتھ خلافت امیر معاویہ کے سپرد کردی۔

امام حسن رضی اللہ عنہ ماہ ربیع الاول 41 ہجری میں اور بقول بعض ماہ ربیع الثانی 41 ہجری میں خلافت سے دستبردار ہوئے کچھ کا خیال ہے کہ آپ ماہ جمادی الاول 41 ہجری میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے احباب آپ کو ''اے عار المومنین'' کہہ کر پکارا کرتے تھے' اس پر آپ فرماتے تھے کہ عار نار سے بہتر ہے' ایک شخص نے آپ کو یہ کہہ کر پکارا۔ ''اے

مسلمانوں کو ذلیل کرانے والے السلام علیکم" اس پر آپ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کو ذلیل کرانے والا نہیں ہوں البتہ میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ میں ملک کے لیے جدال و قتال کراؤں۔"

خلافت سے دستبردار ہونے کے کچھ عرصہ بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ سے مدینہ چلے گئے اور پھر وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ حاکم نے جبیر بن نفیر کی زبانی لکھا ہے کہ میں نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے ایک روز عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں۔ آپ پھر خلافت کے خواستگار ہیں۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا جس وقت عربوں کے سر میرے ہاتھ میں تھے۔ اس زمانے میں جس سے چاہتا میں ان کو لڑا دیتا اور جس سے چاہتا صلح کرا دیتا لیکن اس وقت میں نے صرف اللہ کی رضامندی کے حصول کے لیے خلافت سے دستبرداری دے دی اور امت محمدی کے خون کو مفت نہیں بہنے دیا۔ پس جس خلافت سے میں محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے لیے دستبردار ہو گیا ہوں اب اس کو میں باشندگان حجاز کی خوشنودی کے لیے کیا دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا یہ کس طرح مناسب ہوگا؟

شہادت

ایک روایت کے مطابق آپ کی بیوی جعدہ بن اشعث بن قیس کو مدینہ شریف میں یزید نے خفیہ طور پر یہ پیغام بھیجا کہ اگر امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دو تو میں تم سے نکاح کر لوں گا۔ اس فریب میں آ کر بدنصیب جعدہ نے آپ کو زہر دے دیا جس کے اثر سے آپ شہید ہو گئے۔ جعدہ نے یزید کو لکھا کہ اپنا وعدہ پورا کرے جس کا جواب یزید نے یہ دیا کہ جب تجھ کو میں حسن رضی اللہ عنہ کے نکاح ہی میں گوارا نہیں کر سکا تو اپنے نکاح میں کس طرح گوارا کروں گا۔

آپ کی شہادت' زہر خورانی سے 5 ربیع الاول 50 ہجری کو واقع ہوئی بعض کے نزدیک یہ حادثہ 49 ہجری اور بعض کے نزدیک 51 ہجری میں آیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بہت کوشش کی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ زہر دینے والے کی نشاندہی کر دیں۔ لیکن آپ نے نام بتانے کے بجائے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے' کوئی شخص محض میرے گمان کی بنا پر کیوں قتل ہو' (میں نے کسی پر گمان کیا اور اصل میں قاتل وہ نہ ہوا تو)

شہادت کے سلسلہ میں خواب

ابن سعد نے عمران بن عبداللہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان قل ھواللہ احد لکھا ہوا ہے' جس وقت آپ نے یہ خواب بیان کیا تو اہل بیت بہت خوش ہوئے لیکن جب سعید بن میتب نے یہ خواب سنا تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ کا یہ خواب سچا ہے تو آپ کی حیات کے چند روز باقی رہ گئے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس خواب کے دیکھنے کے بعد آپ صرف چند روز بقید حیات رہے اور آپ زہر دے کر ہلاک کر دیئے گئے۔

بیہقی اور ابن عساکر نے ہشام کے والد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت تنگ دست تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو ہر سال ایک لاکھ درہم سالانہ بطور وظیفہ دیا کرتے تھے۔ وہ انہوں نے روک لیا اور آپ کو بہت تنگی پیش آئی' آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یاد ہانی کے لیے اپنی حالت پر مبنی ایک رقعہ لکھنا چاہا قلم دوات طلب کئے لیکن آپ پھر کچھ سوچ کر رہ گئے۔ اسی روز آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فرزند کیا حال ہے؟ آپ نے عرض کیا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اچھا ہوں لیکن تنگ دست ہوں۔ (تنگدستی کی شکایت کی) یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اسی غرض سے دوات منگائی تھی کہ تم ایک مخلوق سے اس سلسلہ میں کچھ کہو (مخلوق سے مانگو) حضرت حسن ﷺ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ تو یہی تھا' اب آپ ہی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ دعا پڑھا کرو۔"

اللھم اقذف فی قلبی رجاء ک وقطع رجال عمن سواک حتی لا ارجوا احد غیرک اللھم وماضعفت عنه قوتی وماقصر علی لسانی عنه عملی ولم تنته الیه رغبتی ولم تبلغه مسا لتی ولم یجر علی لسانی مما اعطیت احد من الاولین والآخرین من الیقین فخصنی به یا رب العالمین O

ترجمہ: الٰہی میرے دل میں اپنی آرزو پیدا کر دے اور دوسروں سے میری تمنائیں اس طرح ختم کر دے کہ میں کسی سے پھر تیرے سوا امید وابستہ نہ رکھوں! الٰہی میری قوتوں کو کمزور نہ

بنا۔ میرے نیک اعمال کو کوتاہ نہ کر' مجھ سے اعراض نہ فرما' تو فضل وکرم سے مجھے توکل وتوفیق کی ایسی قوت عطا فرما کہ میں کسی مخلوق کے پاس اپنی حاجت نہ لے جاؤں تو ہی میرے مسائل کو حل فرما اور مجھے وہ سب کچھ دے دے جواب تک پچھلے یا آنے والے شخص کو نہیں دیا۔ اے رب العالمین مجھے یقین کی دولت سے مالا مال فرما دے آمین۔

امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے یہ دعا ایک ہفتہ تک نہیں پڑھی ہوگی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے پانچ لاکھ درہم بھیج دیئے جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ جو اپنے یاد کرنے والوں کو کبھی فراموش نہیں فرماتا' اور اپنے مانگنے والوں کو محروم و نا امید نہیں فرماتا۔ جس دن یہ رقم آئی اس روز رات کو میں نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے دریافت فرما رہے ہیں۔ کہ حسن رضی اللہ عنہ کیسے ہو! میں نے عرض کیا اب مطمئن ہوں آپ نے سماعت فرما کر ارشاد کیا کہ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہونا اور مخلوق سے التجا نہ کرنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔

جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ وفات کے وقت گھبرانے لگے تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ گھبراہٹ کیسی؟ آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا رہے ہیں۔ اور وہ دونوں تو آپ کے بابا جان ہیں نیز آپ اپنی والدہ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نیز اپنے ماموں حضرت قاسم ﷜ اور طاہر ﷜ کے پاس جا رہے ہیں اور اپنے چچا حضرت حمزہ ﷜ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس جا رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اے بھائی حسین رضی اللہ عنہ میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں اب سے پہلے کبھی نہیں گیا تھا اور میں ایسی مخلوق کو دیکھ رہا ہوں جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ابن عبدالبر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت' حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت پر ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہم) فائز ہوئے پھر مجلس شوریٰ میں یقین تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلافت ملے گی لیکن شوریٰ کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے

اوران کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے پھر تلواریں نکل آئیں اور ہم نے خلافت کو چھوڑ دیا اور اب مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ بخدا قوت وخلافت اب ہمارے خاندان میں نہیں رہے گی اور مجھے یقین ہے کہ بے وقوف کوفی تم کو خلیفہ بنائیں گے' لیکن پھر وہی تم کو کوفہ سے شہر بدر کریں گے۔ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خواہش کی تھی کہ وہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت دے دیں چنانچہ انہوں نے مجھے اجازت دے دی ہے لیکن میری وفات کے بعد تم پھر دوبارہ وہاں دفن کرنے کی اجازت حاصل کر لینا میرا خیال ہے کہ دوبارہ اجازت حاصل کرنے پر کچھ لوگ مزاحم ہوں گے ان کی مخالفت کی موجودگی میں تم زیادہ اصرار نہ کرنا۔

چنانچہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت چاہی آپ نے فرمایا اجازت ہے لیکن مروان (حاکم مدینہ) حائل ہوا جس پر امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے ہتھیار سنبھال لیے مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے درمیان میں صلح کرادی اور آخر کار امام حسن رضی اللہ عنہ کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

حضرت امام حسن کی ازواج

نواسہ رسول وجگر گوشہ بتول حضرت حسن ؓ کی ازواج کے اسمائے گرامی جو کتب سیرت سے مل سکے' وہ یہ ہیں۔

1- ام البشر بنت ابو مسعود بن عتبہ' 2- خولہ بنت منصور بن ریان بن عمرو بن جابر' 3- فاطمہ بنت ابو مسعود عقبہ بن عمر' 4- ام اسحاق بنت طلحہ' 5- رملہ' 6- ام الحسن' 7- تقفیہ' 8- امراء القیس' 9- جعدہ بنت اشعث

صاحبزادے

1- حضرت زید' 2- حضرت حسن مثنیٰ' 3- حسین اشرم' 4- طلحہ' 5- اسماعیل' 6- حمزہ' 7- یعقوب' 8- عبداللہ' 9- عبدالرحمٰن' 10- عمر' 11- ابوبکر' 12- قاسم

صاحبزادیاں

1-فاطمہ 2-ام سلمہ‘3-ام عبداللہ 4-ام الحسین 5-ام الحسن

جن سے نسل چلی

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے جن صاحبزادوں سے آپ کی نسل چلی وہ صرف دو ہیں۔

1- حضرت سیدنا زید بن حسن رضی اللہ عنہ‘2- حضرت سیدنا حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسن کے جن صاحبزادوں نے میدان کربلا میں اپنے عظیم چچا امام حسین رضی اللہ عنہ کی معیت میں جام شہادت نوش فرمایا‘ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

1- حضرت ابوبکر بن حسن 2- حضرت عمر بن حسن 3- حضرت عبداللہ بن حسن 4- حضرت قاسم بن حسن

حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب شہید وسید ہے۔ آپ کی ولادت بروز سہ شنبہ چار شعبان 4ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسین رکھا۔ آپ کا حسن و جمال کچھ اس طرح کا تھا کہ جب آپ اندھیرے میں بیٹھتے تو آپ کی پیشانی اور رخساروں سے روشنی نکل کر قرب و جوار کو منور کر دیتی۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ سے پاؤں تک اور امام حسن رضی اللہ عنہ سے سینہ سے سر تک مشابہ تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جو حسین کو دوست رکھتا ہے تو بھی اسے دوست رکھ کیونکہ میرے بیٹوں میں سے ایک حسین ہے۔

ایک روز حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کشتی لڑنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن سے فرمایا اے حسن حسین کو پکڑ لو۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بولیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بڑے کو کہتے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑ لے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام بھی تو حسین رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے ہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑ لو۔

حضرت ام الحارث سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضورؐ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ جس سے میں ڈر گئی ہوں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا دیکھا ہے تو نے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی فاطمہ ایک بچہ لائیں گی جو تمہاری گود میں ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دائیں بازو اور اپنے فرزند

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بائیں بازو پر بٹھائے ہوئے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ خداوند تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے ہاں یکجا نہ رہنے دے گا۔ان میں سے ایک کو واپس بلا لے گا۔اب ان دونوں میں سے آپ جسے چاہیں پسند کر لیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حسین رخصت ہو جائیں تو ان کے فراق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور میری جان سوزی ہوگی اور اگر ابراہیم وفات پا جائیں تو زیادہ الم میری جان پر ہی ٹوٹے گا اس لیے مجھے اپنا غم ہی پسند ہے۔اس واقعہ کے تین روز بعد حضرت ابراہیم وفات پا گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب بھی نبی پاک کی خدمت میں آتے آپ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور خوش آمدید کہتے ہوئے فرماتے۔''اس پر میں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو قربان کر دیا۔''

سعید بن جبیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی آئی کہ ہم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بدلے میں ستر ہزار افراد کو ہلاک کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حسین علیہ السلام کے بدلے اس سے دوگنا افراد کو ہلاک کریں گے۔ یہ بات بصحت ثابت ہو چکی ہے کہ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ میں سے کوئی ایسا شخص نہ رہا جو موت سے پہلے ذلیل نہ ہوا ہو۔ وہ سب کے سب قتل ہوئے یا اکثر مصائب میں گرفتار ہوئے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خدمت جاری رکھی اور کئی معرکوں میں شرکت کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا جب محاصرہ کیا گیا اور باغی انہیں قتل کرنے کے درپے ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حفاظت کی خاطر بھیج دیا۔ باغیوں نے جب ہمسایوں کی دیوار پھلانگ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے فرزندوں پر بہت ناراض ہوئے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تھپڑ اور امام حسن رضی اللہ عنہ کو گھونسا مارا کہ تم نے اپنی ڈیوٹی میں کوئی غفلت کی ہے جو باغی گھر کے اندر گھس گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عنان حکومت سنبھالنا بنی ہاشم کے لیے کافی سخت ثابت ہوا اس دور میں قبائلی عصبیت پھر سے جاگ اٹھی۔اس پر مزید یہ کہ امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو جانشین مقرر کر دیا۔ یزید میں شراب خوری اور زناء سے لے کر علماء اور اسلامی

شعائر کا مذاق اڑانے تک کی ہر برائی موجود تھی۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے زبردستی بیعت لینے کی کوششیں شروع کر دیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اکثر ملتے اور مشورہ بھی کرتے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خلافت کی بیعت نہ لی تھی بلکہ اس بیعت کا منشا صرف یہ تھا کہ یزید کو خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے اور جب تک عالم اسلام کے لیے متفقہ طور پر خلیفہ متعین نہ ہو اس وقت تک امن وامان اور انتظام قائم رکھنے کے لیے عبداللہ بن زبیر مکہ کے حاکم تسلیم کر لیے جائیں لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کو یہ بات کچھ گراں گزرتی تھی۔ اس لیے کہ وہ اور ان کے اہل خاندان عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے اور نہ شریک جماعت ہوتے تھے۔

ادھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے مدینہ سے چلے جانے اور اہل مدینہ کے بیعت کر لینے کی کیفیت مروان نے یزید کے پاس لکھ کر بھیجی۔ یزید نے فوراً ولید بن عتبہ کو معزول کر کے ان کی جگہ عمرو بن سعید بن عاص کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ عمرو بن سعید نے آ کر مدینہ کی حکومت سنبھال لی اور ولید بن عتبہ مدینے سے یزید کے پاس پہنچ گیا۔ ادھر مکہ پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قابض ہو جانے اور حارث کے قید ہونے کی کیفیت حارث بن خالد نے جو مکہ میں موجود تھے اور اپنے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے لکھ کر یزید کے پاس روانہ کی' مکہ کی حالت سے واقف ہو کر یزید نے عمرو بن سعید کو خط لکھا کہ مکہ جا کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرو اور پابہ زنجیر میرے پاس روانہ کر دو۔ عمرو نے ایک زبردست فوج مکہ کی جانب بھیجی' وہاں لڑائی ہوئی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو فتح حاصل ہوئی اور مدینہ سے آئی ہوئی فوج کا سپہ سالار گرفتار ہو کر قید ہوا۔

کوفہ والے امیر معاویہ ﷛ کے زمانے میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ خط و کتابت رکھتے اور بار بار لکھتے رہتے تھے کہ آپ کوفہ میں چلے آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ کوفہ والوں کی ان خفیہ کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے امیر معاویہ ﷛ بھی واقف تھے۔ حضرت امام حسن ﷛ کوفہ والوں کی عادات کا نہایت صحیح اندازہ رکھتے تھے' اسی لیے

انہوں نے فوت ہوتے وقت امام حسین ؓ سے وصیت کی تھی کہ تم کوکوفہ والوں کے فریب میں نہیں آنا۔ ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو بتا گئے تھے کہ کوفہ والے امام حسین رضی اللہ عنہ کو ضرور خروج پر آمادہ کریں گے۔ اگر ایسی صورت پیش آئے اور تم امام حسین رضی اللہ عنہ پر قابو پاؤ تو ان کے ساتھ رعایت کا برتاؤ کرنا چونکہ مکہ کی حکومت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی تھی لہٰذا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی توجہ اب کوفہ کی طرف زیادہ مبذول رہتی تھی۔ کوفہ میں جب وہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کے پاس یزید کا خط پہنچا اور عام طور پر امیر معاویہ کے انتقال کی خبر مشہور ہوئی تو حامیان بنو امیہ نے فوراً نعمان بن بشیر کے ہاتھ پر بیعت خلافت یزید کی لیکن حامیان علی رضی اللہ عنہ اور شیعان حسین رضی اللہ عنہ نے جو پہلے ہی سے امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں بلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بیعت میں تامل کیا اور سلیمان بن صرد کے مکان میں جمع ہوئے۔ سب نے اس قرارداد پر اتفاق کیا کہ یزید کو خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں بلایا جائے۔ ابھی یہ خفیہ مشورے ہو رہے تھے کہ انہوں نے سنا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ چلے گئے ہیں' وہاں اہل مکہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اب تک بیعت نہیں کی تھی چنانچہ انہوں نے امام حسین کے پاس ایک خط روانہ کیا کہ:

"ہم آپ کے اور آپ کے والد بزرگوار کے شیدائی اور بنو امیہ کے دشمن ہیں ہم نے آپ کے والد ماجد کی حمایت میں طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ ہم نے میدان صفین میں ہنگامہ کارزار گرم کیا اور شامیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ ہم اب آپ کے ساتھ مل کر بھی جنگ کرنے کو تیار ہیں۔ آپ فوراً اس خط کو دیکھتے ہی کوفہ کی طرف روانہ ہو جائیے۔ یہاں آئیے تاکہ ہم نعمان بن بشیر کو قتل کر کے کوفہ آپ کے سپرد کر دیں۔ کوفہ و عراق میں ایک لاکھ سپاہ موجود ہے' وہ سب کی سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہے۔ ہم آپ کو حق دار خلافت یقین کرتے ہیں۔ یزید تو کسی طرح بھی آپ کے مقابلے میں خلافت کا استحقاق نہیں رکھتا۔ یہ موقع ہے دیر مطلق نہ کیجئے۔ ہم یزید کو قتل کر کے آپ کو تمام عالم اسلام کا تنہا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے سربرآوردہ لوگوں نے یزید کے عامل یعنی نعمان بن بشیر کے پیچھے جمعہ کی نماز بھی پڑھنی ترک کر دی ہے کیونکہ ہم امامت کا مستحق آپ کو اور آپ کے

نائبین کو سمجھتے ہیں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس مکہ میں اسی مضمون کے خطوط مسلسل پہنچنے شروع ہوئے تو انہوں نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو بلایا اور فرمایا کہ تم میرے نائب بن کر کوفہ میں جاؤ۔ پوشیدہ طور پر جاؤ۔ پوشیدہ طور پر کوفہ میں رہو اور میرے نام پر لوگوں سے پوشیدہ طور پر بیعت لو۔ جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کریں ان کی تعداد اور خاص خاص نام خط میں لکھ کر میرے پاس روانہ کرو۔ تم اپنے آپ کو پنہاں رکھنے کی بہت کوشش کرو اور ان لوگوں کو جو بیعت میں داخل ہوں سمجھاؤ کہ جب تک میں وہاں نہ پہنچوں ہرگز لڑائی نہ کریں۔

مسلم نہایت احتیاط کے ساتھ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہ ہو سکے۔ مکہ سے روانہ ہوئے۔ کوفہ میں پہنچ کر مختار بن عبیدہ کے مکان پر اترے۔ اسی وقت یہ خبر شیعان علی رضی اللہ عنہ میں پھیل گئی لوگ جوق در جوق آ کر بیعت ہونا شروع ہوئے۔ پہلے ہی دن بارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ مسلم نے حضرت امام حسین ؓ کے نام اپنے بخیریت پہنچنے اور لوگوں کے بیعت کرنے کا حال لکھا اور ان کو اطلاع دی کہ پہلے دن بارہ ہزار بیعت میں داخل ہوئے جن میں سلیمان بن صرد' میتب بن ناجیہ' رفاعہ بن شداد' ہانی بن عروہ بھی شامل ہیں۔ آپ جب آئیں گے اور علانیہ بیعت لینا شروع کریں گے تو لاکھوں آدمی بیعت میں داخل ہو جائیں گے۔ یہ خط امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس قیس و عبدالرحمٰن دو شخص لے کر روانہ ہوئے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اس خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور دونوں نامہ بروں کو فوراً واپس کر دیا اور کہلا بھجوایا کہ میں بہت جلد کوفہ پہنچتا ہوں۔ اب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کر کے کہ بصرہ میں حضرت علی ؓ کے گروہ کی کافی تعداد موجود ہے۔ اپنے ایک معتمد کو احنف بن مالک اور دوسرے شرفاء بصرہ کے نام خطوط دے کر بصرہ کی جانب روانہ کیا۔

ان خطوط میں لکھا تھا کہ آپ لوگوں کو میرے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے اور فوراً مکہ پہنچ جانا چاہئے۔ کوفہ میں مسلم بن عقیل کے پہنچنے اور لوگوں سے بیعت کرنے کا حال جب عام طور پر مشہور ہو گیا تو عبداللہ بن مسلم الحضرمی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر خلیفہ وقت کے کام میں ایسی سستی نہیں کرنی چاہئے۔ آج کئی روز ہوئے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ میں آ کر لوگوں سے حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کیلئے بیعت لے رہے ہیں۔

آپ کو چاہیے کہ مسلم کو قتل کر دیں یا گرفتار کر کے یزید کے پاس بھیج دیں اور جن لوگوں نے بیعت کی ہے ان کو بھی قرار واقعی سزا دیں۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ لوگ جس کام کو مجھ سے چھپا کر کر رہے ہیں میں اس کا آشکارا کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ جب تک یہ لوگ مقابلہ کے لیے نہ نکلیں گے میں ان پر حملہ نہ کروں گا۔ عبداللہ یہ جواب سن کر باہر آیا اور اسی وقت یزید کو ایک خط لکھا کہ:

''مسلم بن عقیل'' رحمہ اللہ کوفہ میں آ کر حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کیلئے بیعت لے رہے ہیں اور لوگ ان کے ہاتھ پر کثرت سے بیعت کر رہے ہیں۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے بھی آنے کی خبر ہے۔ نعمان رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بڑی کمزوری دکھا رہے ہیں' آپ اگر ولایت کوفہ کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہیں تو کسی زبردست گورنر کو فوراً کوفہ میں بھیجیں تاکہ وہ آ کر مسلم کو گرفتار کرے اور لوگوں سے بیعت فسخ کرائے اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں داخل ہونے سے روکے' اس کام میں اگر دیر ہوئی تو آپ کوفہ کو اپنے قبضہ سے نکلا ہوا سمجھئے۔''

اسی مضمون کے خطوط عمارہ بن عتبہ اور ابی معیط نے بھی یزید کے نام روانہ کیے ان خطوط کو پڑھ کر یزید بہت پریشان و فکرمند ہوا۔ سرجون نامی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بعض پیچیدہ باتوں اور اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیا کرتے اور اس کے مشورہ سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ یزید نے اس کو بلایا اور عبداللہ بن الحضرمی کا خط دکھا کر مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا کہ اس وقت عراق آپ کے قبضے سے نکلا چاہتا ہے اگر آپ عراق کو بچانا چاہتے ہیں تو عبیداللہ بن زیاد کے سوا کوئی دوسرا شخص آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔

عبیداللہ بن زیاد جب کوفہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ جن کا انتظار تھا کوفہ میں آ گئے جس طرف سے عبیداللہ کا اونٹ گزرتا لوگ کہتے السلام علیکم یا ابن رسول اللہ عبیداللہ اپنا اونٹ لیے سرکاری دیوان خانے تک پہنچا وہاں دیکھا تو دروازہ بند ہے۔ عبیداللہ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور زبان سے کچھ نہ کیا۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اپنے دوستوں کے ساتھ چھت پر بیٹھے ہوئے تھے' وہ اٹھے اور چھت کے کنارے پر آ کر دیکھا تو چونکہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا تمام شہر میں انتظار کیا جا رہا تھا عبیداللہ کو بھی یہی سمجھے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ آ گئے ہیں چنانچہ

انہوں نے اوپر ہی سے کہا کہ "اے ابن رسول اللہ آپ واپس چلے جائیں اور فتنہ برپا نہ کیجئے۔ یزید ہرگز کوفہ آپ کو نہ دے گا۔ عبیداللہ نے اپنا عمامہ اتارا اور کہا کہ کمبخت دروازہ تو کھول۔ عبیداللہ کی آواز سن کر لوگوں نے اس کو پہچانا۔ دروازہ کھولا۔ سب ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ عبیداللہ اندر داخل ہوا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد عبیداللہ کا لشکر کوفہ میں داخل ہونا شروع ہوا جس کو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اسی وقت مسلم بن عقیل کو خبر پہنچی کہ ابن زیاد مع لشکر آ گیا ہے وہ جس مکان میں مقیم تھے اور لوگوں کو عام طور پر اس کا علم تھا' اسے چھوڑ دیا اور ہانی بن عروہ کے مکان میں جا کر پناہ گزین ہوئے اس وقت تک مسلم کے ہاتھ پر بیعت ہونے والوں کی تعداد کوفہ میں اٹھارہ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ عبیداللہ بن زیاد نے اگلے دن صبح کو مجمع عام کے روبرو تقریر کی۔

مسلم بن عقیل کا پتا دریافت کیا کہ وہ کس جگہ ہیں۔ کسی نے پتا نہ بتایا۔ آخر عبیداللہ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ ہانی بن عروہ کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔

عبیداللہ نے ہانی کو گرفتار کر لیا۔ شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ہانی کو عبیداللہ نے قتل کر دیا ہے۔ ہانی بن عروہ کے گھر کی عورتیں یہ سن کر رونے لگیں۔ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورت دیکھی تو وہ ضبط نہ کر سکے اور فوراً شمشیر بدست ہانی کے گھر سے نکل کر ان لوگوں کو آواز دی جنہوں نے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' اٹھارہ ہزار میں سے صرف چار ہزار آدمی ان کے گرد جمع ہوئے۔ مسلم نے باقیوں کو بھی بلایا لیکن ہر ایک نے یہ جواب دیا کہ ہم سے تو بیعت کے وقت یہ اقرار لیا گیا ہے کہ جب تک امام حسین رضی اللہ عنہ نہ آ جائیں کسی سے جنگ نہ کریں گے۔ ان کے آنے تک آپ کو بھی صبر کرنا چاہیے۔ مسلم بن عقیل چونکہ اب باہر آ چکے تھے لہٰذا دوبارہ نہیں چھپ سکتے تھے۔ چار ہزار آدمیوں کو لے کر مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن زیاد کا محاصرہ کیا۔ عبیداللہ نے اس وقت دارالامارۃ میں تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ چھتوں پر چڑھ کر محاصرین پر تیروں کی بارش شروع کی۔ مسلم کے ہمراہیوں کو ان کے رشتہ داروں اور دوستوں نے آ آ کر سمجھانا شروع کیا کہ اپنے آپ کو کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہو۔ غرض رفتہ رفتہ سب جدا ہو گئے اور مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف تیس چالیس آدمی رہ گئے۔

اس حالت میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ وہاں سے بھاگے اور اہل کوفہ میں سے کسی شخص کے گھر میں پناہ گزین ہوئے۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن جریر مخزومی کو ان کی گرفتاری کے لیے

بھیجا۔ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے کوئی مفر نہ دیکھ کر تلوار کھینچی لیکن عمرو بن جریر نے کہا کہ آپ اپنی جان کیوں ضائع کرتے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیں۔ میں اپنی ذمہ داری پر آپ کو امیر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لیے چلتے ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اس سے آپ کی جان بخشی کرادوں گا۔ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے تلوار ہاتھ سے رکھ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ مسلم رضی اللہ عنہ کو عبیداللہ کے پاس لے گیا۔ عبیداللہ نے مسلم رضی اللہ عنہ کو اسی کمرہ میں قید کر دیا جس میں ہانی بن عروہ پہلے سے قید تھے۔ اگلے روز بیعت کرنے والوں میں سے دس ہزار آدمی جمع ہوئے اور عبیداللہ بن زیاد کے مکان کو جا کر گھیر لیا اور مسلم و ہانی دونوں کی رہائی کا مطالبہ کیا کہ اگر رضامندی سے دونوں کو رہا کر دو تو بہت اچھا ہے۔ نہیں تو ہم زبردستی چھین کر لے جائیں گے۔ عبیداللہ بن زیاد نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ چھت پر لے جا کر مسلم اور ہانی دونوں کو ان لوگوں کے سامنے قتل کر دو۔ چنانچہ دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ یہ دیکھ کر سب کے سب منتشر ہو گئے۔ گویا وہ ان دونوں کو قتل کرانے ہی آئے تھے۔

آخر 3 ذی الحجہ 60 ہجری بروز دوشنبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے معہ اہل خاندان روانہ ہوئے۔ اسی تاریخ یعنی بروز دوشنبہ بتاریخ 3 ذی الحجہ کوفہ میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ سے روانہ ہونے لگے تو عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے اہل مکہ نے آ کر ان کو روکنا چاہا اور کہا کہ اگر آپ ویسے ہی نہیں مانتے ہیں تو ہم آپکو زبردستی روکیں گے اور آپ کا مقابلہ کریں گے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو کچھ تم سے ہو سکے کر گزرو اور لڑائی کا ارمان بھی نکالو۔ یہ سن کر سب ان کے سامنے سے ہٹ گئے اور وہ روانہ ہوئے۔ رخصت کرتے وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وقت تمہارے اونٹ کے آگے لیٹ جاتا کہ وہ مجھ کو بغیر کچلے ہوئے آگے نہ بڑھ سکتے لیکن میں جانتا ہوں کہ تم پھر بھی نہ رکو گے اور عزیمت کوفہ سے باز نہ رہو گے۔ آخر آپ مکہ سے روانہ ہوئے راستے میں ایک قافلہ ملا جو یزید کے پاس عامل یمن کی طرف سے تحائف لیے جا رہا تھا آپ نے اس کو گرفتار کر لیا اور کچھ سامان اس قافلہ سے لے کر آگے روانہ ہوئے۔ مکہ اور کوفہ کے درمیان مقام صفاح میں عربی کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آ رہا تھا۔ فرزدق جب کوفہ سے چلا تھا تو اس وقت تک عبیداللہ بن زیاد کوفہ میں داخل نہ ہوا تھا۔ امام حسین

رضی اللہ عنہ نے فرزدق سے کوفہ اور کوفیوں کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ اہل کوفہ کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں آپ کی حمایت میں بلند نہیں ہو سکتیں۔ چند دور آگے بڑھے تھے کہ عبداللہ بن جعفر کا خط جو انہوں نے مدینہ سے اپنے بیٹوں عون اور محمد کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ پہنچا۔ عبداللہ بن جعفر نے لکھا تھا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ کوفہ کے ارادے سے باز رہئے اور مدینہ میں آ جایئے۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ آپ قتل نہ ہو جائیں، برائے خدا آپ اس معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ ساتھ ہی مدینہ کے والی کا خط بھی انہی قاصدوں نے دیا جس میں لکھا تھا کہ آپ مدینہ میں آ کر رہنا چاہیں تو آپ کو امان ہے مگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی سے قطعاً انکار کیا۔ محمد اور عون کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔

حادثہ کربلا

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مقام شراف تک پہنچے۔ اس سے آگے بڑھے تو حر بن یزید تمیمی مع اپنی ایک ہزار فوج کے سامنے آیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حر سے کہا کہ میں تم ہی لوگوں کے بلانے سے یہاں آیا۔ اگر تم لوگ اپنے عہد و اقرار پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر میں داخل ہوں، نہیں تو جس طرف سے آیا ہوں اسی طرف واپس چلا جاؤں گا۔ حر نے کہا کہ ہم کو عبیداللہ بن زیاد کا حکم ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہیں اور آپ کو اس کے سامنے زیر حراست لے چلیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ذلت تو ہرگز گوارا نہیں ہو سکتی کہ ابن زیاد کے سامنے گرفتار ہو کر جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو حر نے ابن زیاد کے خوف سے ان کو واپس ہونے سے روکا اور واپسی کے راستے میں اپنی فوج لے کر کھڑا ہو گیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہاں سے شمال کی جانب کوچ کیا اور قادسیہ کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ عمرو بن سعد ایک بڑی فوج کے ساتھ مقیم ہے۔ حر آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ قادسیہ کے قریب پہنچ کر امام حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے لوٹے اور دس میل چل کر مقام کربلا میں آ کر مقیم ہو گئے۔ عمرو بن سعد آپ کی خبر سن کر مع فوج روانہ ہوا سراغ لیتا ہوا اگلے روز کربلا پہنچ گیا۔ قریب پہنچ کر عمرو بن سعد اپنی فوج سے جدا ہو کر آگے آیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر اپنے قریب بلایا۔ سلام علیک کے بعد ابن سعد نے کہا کہ:

"بے شک آپ یزید کے مقابلے میں زیادہ مستحق خلافت ہیں لیکن خدائے تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ آپ کے خاندان میں حکومت و خلافت آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حالات آپ کے سامنے سے گزر چکے ہیں۔ اگر آپ اس سلطنت و حکومت کے خیال کو چھوڑ دیں تو بڑی آسانی سے آزاد و رہا ہو سکتے ہیں نہیں تو پھر آپ کی جان کو خطرہ ہے اور ہم لوگ آپ کی گرفتاری پر مامور ہیں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

"میں اس وقت تین باتیں پیش کرتا ہوں تو ان میں سے جس کو چاہو میرے لیے منظور کر لو۔"

اول: تو یہ کہ جس طرف سے میں آیا ہوں اسی طرف مجھ کو واپس جانے دو تا کہ میں مکہ معظمہ میں پہنچ کر عبادت الٰہی میں مصروف رہوں۔

دوم: یہ کہ مجھ کو کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو کہ وہاں کفار سے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔

سوم: یہ کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھ کو سیدھا یزید کے پاس دمشق کی جانب جانے دو۔ میرے پیچھے پیچھے اطمینان کی غرض سے تم بھی چل سکتے ہو۔ میں یزید کے پاس جا کر براہ راست اس سے معاملہ اسی طرح طے کر لوں گا جیسا کہ میرے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے طے کیا تھا۔

عمرو بن سعد یہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں بطور خود کوئی پختہ جواب آپ کو اس وقت ان باتوں کے متعلق نہیں دے سکتا۔ میں ابھی عبیداللہ بن زیاد کو اطلاع دیتا ہوں' یقین ہے کہ وہ ضرور ان میں سے کسی ایک بات کو منظور کر لے گا۔ عمرو بن سعد بھی اسی میدان میں خیمہ زن ہو گیا اور ابن زیاد کو یہ تمام کیفیت لکھ کر بھیجی۔ 2 محرم 61 ہجری کو کربلا میں عمرو بن سعد امام حسین رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے اگلے دن جا کر مقیم ہوا تھا اور اسی روز یہ گفتگو ہوئی تھی۔ عبیداللہ بن زیادہ عمرو بن سعد کا خط پڑھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ امام حسین رضی اللہ نے وہ بات پیش کی ہے جس سے فتنہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا اور وہ یزید کے پاس جا کر بیعت کر لیں گے تو پھر کوئی خطرہ باقی ہی نہ رہے گا لیکن شمر ذی الجوشن اس وقت اس کے پاس موجود تھا' اس نے کہا کہ اے امیر اس وقت تجھ کو موقع حاصل ہے کہ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا توقف قتل کر دے تجھ پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا لیکن اگر امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس

چلے گئے تو پھر ان کے مقابلہ میں تیری کوئی عزت وقدر نہ رہے گی اور وہ تجھ سے زیادہ مرتبہ حاصل کر لیں گے۔ یہ سن کر ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو جواب میں لکھا کہ

''یہ تینوں باتیں کسی طرح منظور نہیں ہو سکتیں ہاں صرف ایک صورت قابل پذیرائی ہے وہ یہ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو ہمارے سپرد کر دیں اور یزید کی بیعت نیابت اول میرے ہاتھ پر کریں پھر میں ان کو یزید کے پاس اپنے اہتمام سے روانہ کروں گا۔''

اس جواب کے آنے پر عمرو بن سعد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی اور کہا کہ میں مجبور ہوں ابن زیاد خلافت یزید کی بیعت اول اپنے ہاتھ میں چاہتا ہے اور کسی دوسری بات کو منظور نہیں کرتا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سے تو مر جانا ہی بہتر ہے کہ میں ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کروں۔

ابن سعد اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح کشت وخون نہ ہو اور امام حسین رضی اللہ عنہ ہی ابن زیاد کی شرط کو مان لیں یا ابن زیاد امام حسین رضی اللہ عنہ کے منشا کی موافق ان کو جانے کی اجازت دے دے۔ اسی خط وکتابت اور انکار واصرار میں ایک ہفتہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ اور ابن سعد دونوں اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کربلا کے میدان میں خیمہ زن رہے۔ امام حسین رضی اللہ کے ساتھی ابن سعد کے لشکریوں کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھتے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ صفوں کو درست کرتے۔ ابن زیاد کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو اس کو فکر ہوئی کہ کہیں ابن سعد امام حسین رضی اللہ عنہ سے سازش نہ کر لے اس نے فوراً ایک چوب دار جویرہ بن تمیمی کو بلایا اور ابن سعد کے نام ایک خط لکھ کر دیا کہ:

''میں نے تم کو حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی گرفتاری پر مامور کیا تھا' تمہارا فرض تھا کہ ان کو گرفتار کر کے میرے پاس لاتے یا گرفتار نہ کر سکتے تو ان کا سر کاٹ کر لاتے۔ اب تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ فوراً بلا تامل اس خط کو پڑھتے ہی یا تو حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو میرے پاس لاؤ ورنہ جنگ کر کے ان کا سر کاٹ کر بھیجو۔ اگر ذرا بھی تامل تم سے سرزد ہوا تو میں نے اپنے سرہنگ کو جو یہ خط لے کر آ رہا ہے حکم دیا ہے کہ وہ تم کو گرفتار کر کے میرے پاس پہنچائے اور لشکر وہیں مقیم رہ کر دوسرے سردار کا منتظر رہے جس کو تمہاری جگہ مامور کر کے بھیجوں گا۔''

جویرہ یہ خط لے کر جمعرات کے دن 9 محرم 61 ہجری کو ابن سعد کے پاس پہنچا۔ ابن

سعد اس وقت تک اپنے خیمہ میں بیٹھا تھا خط کو پڑھتے ہی کھڑا ہو گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور جویرہ بن بدر سے کہا کہ تم گواہ رہنا کہ میں نے امیر کا حکم پڑھتے ہی اس کی تعمیل کی ہے۔ پھر صفوف جنگ آراستہ کر کے جویرہ کو ہمراہ لے آگے بڑھا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو سامنے بلوا کر کہا کہ امیر ابن زیاد کا یہ حکم آیا ہے اگر میں اس کی تعمیل میں ذرا بھی دیر کروں تو یہ قاصد موجود ہے جس کو حکم دیا گیا ہے کہ فوراً مجھ کو قید کر لے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ کو کل تک کے لیے اور سوچنے کی مہلت دو۔ ابن سعد نے جویرہ کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا کہ کل کچھ دور نہیں ہے' اتنی مہلت دے دینی چاہئے۔ ابن سعد میدان سے واپس آیا اور فوج کو حکم دیا کہ کمر کھول دو آج کوئی لڑائی نہ ہو گی۔

عبیداللہ بن زیاد نے جویرہ بن بدر کے ہاتھ میں یہ حکم روانہ کرنے کے بعد سوچا کہ اگر ابن سعد نے سستی کی اور جویرہ نے اس کو قید کر لیا تو فوج بغیر افسر کے رہ کر منتشر ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے فوراً شمر ذی الجوشن کو بلوایا اور کہا کہ میں جویرہ کو بھیج چکا ہوں اور اس کو حکم دے دیا ہے کہ اگر ابن سعد لڑائی میں تامل کرے تو اس کو گرفتار کر کے لے آئے ابن سعد کی طرف سے مجھ کو منافقت کا شبہ ہے۔ اگر ابن سعد نے جویرہ کو گرفتار کر لیا تو فوج جو میدان میں پڑی ہوئی ہے سب آوارہ اور ضائع ہو جائے گی۔ میں تجھ سے بہتر اس کام کے لیے دوسرا شخص نہیں پاتا تو فوراً میدان کربلا کی طرف جا' ابن سعد گرفتار ہو چکا ہو تو فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے اور امام حسین رضی اللہ عنہ سے لڑ کر ان کا سر کاٹ لا۔ اگر ابن سعد گرفتار نہ ہوا ہو اور لڑائی میں تامل کر رہا ہو تو فوراً جاتے ہی لڑائی چھیڑ دے اور کام کو جلد مکمل کر دے۔ شمر ذی الجوشن نے کہا کہ میری ایک شرط ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری بہن ام البنین بنت حرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی جس کے بطن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چار بیٹے عبیداللہ رضی اللہ عنہ' جعفر رضی اللہ عنہ' عثمان رضی اللہ عنہ' عباس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے میرے یہ چاروں بھانجے بھی اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ میدان کربلا میں موجود ہیں آپ ان چاروں کو جان کی امان دے دیں۔ عبیداللہ بن زیاد نے اسی وقت کاغذ منگا کر چاروں کے لیے امان نامہ لکھ کر اور مہر لگا کر شمر ذی الجوشن کے سپرد کیا اور اسی وقت اس کو رخصت کر دیا۔

شمر صبح کے وقت روانہ ہوا اور عصر کے وقت پہنچا۔ شمر کے آنے پر اسے تمام کیفیت جو پیش

آئی تھی، سنادی گئی۔ شمر نے کہا کہ میں تو ایک لمحہ بھی مہلت نہ دوں گا اسی وقت لڑائی کیلئے مستعد ہو جاؤ ورنہ لشکر میرے سپرد کر دو۔ ابن سعد اسی وقت سوار ہوا اور شمر کو ہمراہ لے کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ عبید اللہ بن زیاد نے یہ دوسرا قاصد بھیجا ہے اور مہلت آپ کو بالکل نہیں دینا چاہتا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سبحان اللہ اب مہلت کے دینے یا نہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ آفتاب تو غروب ہو رہا ہے کیا رات کے وقت بھی تم لوگ جنگ کو کل کے لیے ملتوی نہ رکھو گے۔ یہ سن کر شمر ذی الجوشن نے بھی کل صبح تک کا انتظار مناسب سمجھا اور دونوں اپنی لشکر گاہ کو واپس چلے آئے۔

رات کے وقت عبید اللہ بن زیاد کا حکم پہنچا کہ "اگر ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی ہے تو اسی وقت جب کہ یہ حکم پہنچے پانی پر قبضہ کرلو اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے پانی بند کر دو۔ اگر سپاہ شمر کے زیر کمان آ گئی ہے تو شمر کو اسی حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام ہمراہیوں کو اپنے ساتھ بلا کر کہا کہ تم لوگ یہاں سے جس طرف کو مناسب سمجھو چلے جاؤ تمکو کوئی بھی کچھ نہیں کہے گا کیونکہ دشمنوں کو صرف میری ذات سے بحث ہے تمہارے چلے جانے کو تو وہ اور بھی غنیمت سمجھیں گے۔ میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ اپنی اپنی جان بچا لو۔ ہمراہیوں نے یہ سن کر کہا کہ ہم ہرگز ہرگز آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے ہم سب آپ کے اوپر قربان ہو جائیں گے اور جب تک ہمارے دم میں دم ہے آپ کو آزار نہ پہنچنے دیں گے اسی شب تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص طرماح بن عدی جو اس نواح میں آیا ہوا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ابن سعد کے لشکروں کا حال سن کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ تنہا میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ایک ایسے راستے سے لے چلوں گا کہ کسی کو بالکل خبر نہ ہو سکے گی اور اپنے قبیلے طے میں لے جا کر پانچ ہزار آدمی اپنے قبیلے کے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ آپ ان پانچ ہزار سے جو چاہیں کام لیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ابھی ان سب سے کہا تھا کہ مجھ کو تنہا چھوڑ کر تم سب چلے جاؤ تو انہوں نے اس بات کو گوارا نہیں کیا۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان سب کو چھوڑ کر تنہا اپنی جان بچا کر نکل جاؤں۔ ان کے ہمراہیوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو تو وہ کچھ کہیں گے نہیں جیسا کہ ابھی آپ فرما چکے ہیں وہ تو تنہا آپ کے دشمن ہیں۔ لہٰذا اپنی جان بچانے کے

لیے نکل جائیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں کے بغیر کوئی چیز بھی گوارا نہیں ہوسکتی۔ میں بغیر آپ لوگوں کی معیت کے اپنی جان بچانے کے لیے ہرگز نہ جاؤں گا۔ چنانچہ اس شخص کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔

جب صبح ہوئی تو شمر ذی الجوشن اور عمرو بن سعد لشکر کی صفیں آراستہ کر کے میدان میں آئے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ہمراہیوں کو مناسب ہدایات کے ساتھ متعین کیا۔ شمر ذی الجوشن نے عبیداللہ رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ کو میدان میں بلوا کر کہا کہ تم کو امیر ابن زیاد نے امان دے دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابن زیاد کی امان سے خدا کی امان بہتر ہے۔ شمر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ بعض روایات کے موافق آپ کے ہمراہ اس وقت بہتر آدمی موجود تھے۔ بعض روایات کے موافق ایک سو چالیس اور بعض کی موافق دو سو چالیس تھے۔ بہر حال اگر بڑی سے بڑی تعداد یعنی دو سو چالیس بھی تسلیم کر لیں تو دشمنوں کی ہزار ہا جرار افواج کے مقابلے میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھی کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ہمراہیوں کو مناسب مقامات پر کھڑا کر کے اور ضروری وصیتیں فرما کر اونٹ پر سوار ہوئے اور کوفی لشکر کی صفوف کے سامنے تنہا گئے ان لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے ایک تقریر شروع کی اور فرمایا کہ اے کوفیو! میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تقریر کوئی نتیجہ میرے لیے اس وقت پیدا نہ کر سکے گی اور تم کو جو کچھ کرنا ہے تم اس سے باز نہ آؤ گے لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کی حجت تم پر پوری ہو جائے اور میرا عذر بھی ظاہر ہو جائے۔

"لوگو! تم میں سے ہر ایک شخص جو مجھ سے واقف ہے اور ہر ایک وہ شخص بھی جو مجھ کو نہیں جانتا اچھی طرح سے آگاہ ہو جائے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیٹا ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ میری ماں اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ میرے چچا تھے۔ اسی فخر نسبی کے علاوہ مجھ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اور میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو جوانان اہل جنت کا سردار بتایا ہے اگر تم کو میری اس بات کا یقین نہ ہو تو ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابی زندہ ہیں تم ان سے میری اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ میں نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور

میں نے کسی مومن کو قتل نہ کیا نہ آزار پہنچایا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا بھی باقی ہوتا تو تمام عیسائی قیامت تک اس گدھے کی پرورش اور نگہداشت میں مصروف رہتے تم کیسے مسلمان ہو اور کیسے امتی ہو کہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کرنا چاہتے ہو نہ تم کو خوف خدا ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم ہے۔ میں نے جب کہ ساری عمر کسی شخص کو بھی قتل نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ مجھ پر کسی کا قصاص بھی نہیں۔ پھر بتاؤ کہ تم نے میرے خون کو کس لیے حلال سمجھ لیا۔

میں دنیا کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پڑا تھا تم نے وہاں بھی مجھ کو نہ رہنے دیا۔ پھر مکہ معظمہ کے اندر خانہ خدا میں مصروف عبادت تھا تم کوفیوں نے مجھ کو وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور میرے پاس مسلسل خطوط بھیجے کہ ہم تم کو امامت کا حق دار سمجھتے اور تمہارے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنا چاہتے ہیں۔ جب تمہارے بلاوے پر میں یہاں آیا تو اب تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے اب بھی اگر تم میری مدد کرو تو میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو قتل نہ کرو اور آزاد چھوڑ دو تا کہ میں مکہ یا مدینہ میں جا کر مصروف عبادت ہو جاؤں اور خدائے تعالیٰ خود اس جہان میں فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ظالم تھا۔''

اس تقریر کو سن کر سب خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

''خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم پر حجت پوری کر دی اور تم کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے۔''

پھر آپ نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی کہ اے شیث بن ربعی' اے حجاج بن الحسن' اے قیس بن الاشعث' اے حر بن یزید تمیمی' اے فلاں وفلاں کیا تم نے مجھ کو خطوط نہیں لکھے تھے اور مجھ کو اصرار سے یہاں نہیں بلوایا تھا؟ اور اب جبکہ میں آیا ہوں تو تم مجھ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو۔''

یہ سن کر ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ آپ کو بلایا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہ خطوط نکالے اور الگ الگ پڑھ کر سنائے۔ انہوں نے کہا کہ خواہ ہم نے یہ خطوط بھیجے یا نہیں بھیجے مگر اب ہم آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ سن کر امام حسین رضی اللہ عنہ اونٹ سے اترے اور گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی کے لیے مستعد ہو گئے۔

اس دوران حر بن یزید تمیمی یزیدی لشکر چھوڑ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانثاری کے لیے حاضر ہو گیا۔

شمر ذی الجوشن نے عمرو بن سعد سے کہا کہ اب دیر کیوں کر رہے ہو۔ عمرو بن سعد نے فوراً ایک تیر کمان جوڑ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف پھینکا اور کہا کہ "تم گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔"

امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں اور خاندان والوں نے ایک طرف اپنی بہادری کے نمونے دکھائے تو دوسری طرف وفاداری و جاں نثاری کی بھی انتہائی مثالیں پیش کر دیں نہ کسی شخص نے کمزوری و بزدلی کا اظہار کیا۔ نہ بے وفائی وتن آسانی کا الزام اپنے اوپر لیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ سب سے آخر تنہا رہ گئے تھے۔ خیمہ میں عورتوں کے سوا صرف علی اوسط معروف بہ زین العابدین جو بیمار تھے، باقی رہ گئے تھے۔ عبیداللہ بن زیاد ظالم نے یہ بھی حکم بھیجا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر ان کی لاش گھوڑوں سے یہاں تک پامال کرائی جائے کہ ہر ایک عضو ٹوٹ جائے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے تنہا رہ جانے کے بعد جس بہادری و جواں مردی کے ساتھ دشمنوں پر حملے کیے، ان حملوں کی شان دیکھنے والا ان کے ہمراہیوں میں سے کوئی نہ تھا مگر عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج تک ایسا بہادر و جری انسان نہیں دیکھا۔ اس غم کی داستان اور روح کو مضمحل کر دینے والی کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسم پر پنتالیس زخم تیر کے تھے مگر آپ دشمنوں کا مقابلہ کیے جا رہے تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق 33 زخم نیزے کے اور 43 زخم تلوار کے تھے اور تیروں کے زخم ان کے علاوہ تھے۔ شروع میں آپ گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ آور ہوتے رہے تھے لیکن جب گھوڑا مارا گیا تو پھر پیدل لڑنے لگے۔ دشمنوں میں کوئی شخص بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ میرے ہاتھ سے شہید ہوں بلکہ ہر شخص آپ کے مقابلہ سے بچتا اور طرح دیتا تھا۔ آخر شمر ذی الجوشن نے چھ افراد کو ہمراہ لے کر آپ پر حملہ کیا۔ ان میں سے ایک نے شمشیر کا ایسا وار کیا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا بایاں ہاتھ کٹ کر الگ گر پڑا۔ حضرت امام حسین ﷛ نے اس پر جوابی وار کرنا چاہا لیکن آپ کا داہنا ہاتھ اس قدر مجروح ہو چکا تھا کہ تلوار نہ اٹھا

سکے۔ پیچھے سے سنان بن انس نے آپ کے نیزہ مارا جو شکم سے پار ہو گیا۔ آپ نیزہ کا یہ زخم کھا کر گر ے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی روح بھی کھنچ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد شمر نے یا شمر کے حکم سے کسی دوسرے شخص نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر جسم سے جدا کیا۔ اور عبید اللہ بن زیاد کے حکم کی تعمیل کیلئے بارہ سوار متعین کیے گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپ کے جسد مبارک کو خوب کچلا۔ پھر خیمہ کو لوٹا۔ آپ کے اہل بیت کو گرفتار کیا۔ امام زین العابدین ؒ پر شمر ذی الجوشن کی نظر پڑی تو ان کو اس نے قتل کرنا چاہا مگر عمرو بن سعد نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اور آپ کے اہل بیت کوفہ میں ابن زیاد کے پاس بھیجے گئے۔ ابن زیاد نے دربار طلب کیا اور ایک طشت میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر رکھ کر اس کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے اس سر کو دیکھ کر گستاخانہ کلمات کہے۔ پھر تیسرے روز شمر ذی الجوشن کو ایک دستہ فوج دے کر اس کی نگرانی میں یہ قیدی اور سر مبارک یزید کے پاس دمشق کی جانب روانہ کیا۔

اس نے قیدیوں کو آزادی دے کر بطور معزز مہمان اپنے محل میں رکھا۔ عورتیں اندر عورتوں میں گئیں تو انہوں نے دیکھا کہ یزید کی محل سرا میں بھی اسی طرح ماتم برپا ہے اور سب عورتیں رو رہی ہیں جس طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہنیں اپنے بھائی اور عزیزوں کے لیے رو رہی تھیں۔ چند روز شاہی مہمان رہ کر یہ برباد شدہ قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ یزید نے ان کو ہر قسم کی مالی امداد دی اور علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے ہر قسم کی امداد کا وعدہ کیا کہ جب تم لکھو گے تمہاری فرمائش کی ضرور تعمیل کی جائے گی۔

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی ولادت 9 ہجری میں بتائی جاتی ہے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی عمر ابھی کچھ کم تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاں پیغام بھیجا جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابھی کم عمر ہے۔ وہ شادی کے قابل نہیں یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور آپ کی عمر پچپن چھپن برس تھی۔ حضرت عمرؓ نے جو پیغام دوسری بار بھیجا۔ اس میں کہا کہ مجھے ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کی طرف بشری ضرورت نہیں بلکہ نبی پاکؐ کے اس فرمان نے مائل کیا ہے کہ "قیامت کے دن میرے علاوہ سب کے حسب نسب قطع کر دیئے جائیں گے۔" لہٰذا میں تو صرف اس نکاح کے ذریعے آپ سے ایک نسبت قائم کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس پر نکاح کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بعض حضرات نے اس واقعہ کو افسانوی اور قابل مذمت پہلو سے بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت علیؓ سے زبردستی نکاح کیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجبور ہو کر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ام کلثوم کے نکاح کے انتظامات کا کہا اور خود اس سے الگ رہے۔ اس طرح یہ بدنصیب لوگ نہ صرف حضرت علیؓ کی جرأت و دلیری اور غیرت پر انگلی اٹھاتے ہیں بلکہ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی غلط انداز سے متعارف کراتے ہیں۔

بہرحال حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عمرؓ کے نکاح میں آ گئیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ سے آپ کی دو اولادیں ہوئیں۔ زید اکبر فرزند اور بیٹی رقیہ یہ روایت بھی غلط ہے کیونکہ شواہد سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی حضرت عمرؓ

سے کوئی اولاد نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب ان کی شادی چچا زاد محمد بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ان سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ان کی وفات حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات سے دو ماہ بیس دن قبل ہوئی۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا پردہ دار اور حیائے زہرا کی وارث تھیں۔ دونوں بہنیں نہایت چھوٹی عمر میں ماں کے سائے سے محروم ہوگئی تھیں۔ اس لیے احساس ذمہ داری نے انہیں خانہ داری اور زاہدانہ زندگی کے علاوہ کسی طرف متوجہ ہی نہ کیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسیاں اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی بیٹیاں ہونے کے سبب بھی دونوں بہنیں عام طور پر کھلی جگہوں پر نہ جاتیں بلکہ پردے میں رہنا پسند فرماتیں۔ اس قسم کی زندگی گزارنے کے بعد ان بیبیوں کے ابتدائی حالات پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی جاسکی واقعہ کربلا کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہر جگہ اپنی بہن کے ساتھ نظر آتی ہیں' تاہم قائدانہ کردار چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ادا کر رہی تھیں' اس لیے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ذکر ان کے ایک جانثار ساتھی کے طور پر ہی دکھائی دیتا ہے۔ ان کا مزار اور حضرت سکینہ بنت حسین کا مزار شام میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ وفات کے وقت حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی عمر 51 برس تھی۔ ان کا انتقال حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے دو ماہ بیس دن قبل ہوا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے باقی حالات حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حالات میں پڑھ لیجیے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا

اکثر مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت زینب 5 جمادی الاول 6 ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ رسول اللہؐ کی نواسی حضرت ابو طالب اور فاطمہ بنت اسدؓ کی پوتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی بیٹی اور امام حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ آپ کی شادی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے فرزند یعنی آپ کے چچا زاد عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ آپ کے بطن سے چار فرزند علی، محمد، عون، عباس اور ایک دختر ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہوا تو اس سے کچھ دیر پہلے جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے دونوں بیٹیوں کو ان کے بھائیوں کے حوالے کیا جو خود ابھی بچے تھے اور پھر انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ یزید کی تخت نشینی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بیعت پر مجبور کرنے کے لیے اس کا دباؤ بڑھنے لگا اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب مکہ کو خیر باد کہنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو اپنی امیدوں کی سہارا بہن زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہیں عراق کی جانب اپنے عزم سفر سے آگاہ کیا۔ جناب زینب رضی اللہ عنہا نے امام کے ارادے سے مطلع ہو کر کہا۔

اے میری تمناؤں کے مرکز بھائی! اے حسین رضی اللہ عنہ مجھے احترام والے مہینوں میں سفر کرنے سے ڈر لگتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان مہینوں کے اختتام تک آپ یہیں ٹھہر جائیں۔

امام رضی اللہ عنہ نے اپنی حقیقت شعار بہن سے فرمایا۔ اے میرے ارادوں کی پاسبان بہن! یہ معاملہ علم الٰہی میں ہمارے لیے طے پا چکا ہے جس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا

کوئی چارہ کارنہیں اوراپنے محبوب پروردگار کے ساتھ حقیقی عشق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے فیصلوں میں انسانی عظمتوں کے تحفظ کا راز مضمر ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو قدرت الٰہی کے احاطہ سے باہر ہو بلکہ تمام امور خدائے تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

امام برحق کی گفتار حق شعار کو سن کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی کے اطاعت شعار احساس نے انگڑائی لی اور معصومہ عالم کے چہرے پر قضاوقدر الٰہی کے سامنے صبر واستقامت کے آثار نمایاں ہو گئے۔

زینب رضی اللہ عنہا اپنی عالمانہ بصیرت سے امام کی معصومانہ سیاست کی بنیادوں کو سمجھ چکی تھیں اور وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ حسین علیہ السلام کی معصومانہ مہلت کا ہر فیصلہ ارادہ پروردگار کے تابع ہے اور اسی میں رضائے پروردگار کا راز پوشیدہ ہوتا ہے۔

امام علیہ السلام کے پاکیزہ افکار کی مقدس حقیقتوں کی معرفت رکھنے والی سیدہ زینب انقلاب حسینؓ کے تاریخی آثار سے بھی باخبر تھیں اور انہیں امام علیہ السلام کے مقدس قیام کا پس منظر وپیش منظر پوری طرح معلوم تھا۔لہٰذا رسول زادی نے کسی تامل وسستی کے بغیر اپنے عزم و جذبہ ایثار کا اظہار کرتے ہوئے امام علیہ السلام کے بلند مقصد میں شریک ہوئیں۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ کو خیرباد کہنے کا عزم کیا تو اس وقت حضرت عبداللہ بن جعفر سخت بیمار تھے اور ان کی آنکھوں میں سخت تکلیف تھی۔ چنانچہ امام رضی اللہ عنہ نے جب مکہ سے عراق کی جانب سفر کرنے کا پختہ ارادہ کیا تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی اور انہوں نے امام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک خط اپنے دو بیٹوں محمد اور عون کے ہاتھوں روانہ کیا جس میں آپ کے عزم سفر کے فیصلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔

"امابعد۔میں نے سنا ہے کہ آپ مکہ سے عزم سفر کر چکے ہیں۔آپ خدا کے واسطے میرا خط دیکھتے ہی مکہ سے سفر کرنے کا ارادہ ترک کر دیں کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اس خطرناک سفر میں آپ کے دشمن آپ کو قتل کر ڈالیں گے اور آپ کے اہل بیت علیہ السلام کو اذیت وآزار پہنچائیں گے اور اگر آپ قتل ہو گئے تو لوگ نور الٰہی سے بہرہ ور ہونے سے محروم

ہو جائیں گے کیونکہ آپ ہی دنیائے بشریت کو راہ حقیقت دکھانے والے ہیں اور اہل ایمان کی امیدیں آپ ہی سے وابستہ ہیں لہٰذا آپ عراق جانے میں جلدی نہ کریں۔ میں آپ کے لیے یزید سے امان حاصل کر لوں گا اور آپ کی جان' مال' اولاد اور خاندان کو بنی امیہ کے شر سے نجات دلاؤں گا۔ والسلام"

عبداللہ نے اپنے تئیں یہ سوچا کہ مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید سے تحفظ و امان کی ضمانت لے کر امام علیہ السلام کو یزید کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی جا سکتی ہے اور اس طرح امام کی جان بچ سکتی ہے چنانچہ اس تصور کی بنیاد پر جناب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید کے پاس آئے اور اس سے امام کو تحفظ کی ضمانت دینے کے متعلق بات چیت کی۔

عمرو بن سعید کے پاس مدینہ اور مکہ دونوں شہروں کی حکومت تھی۔ گورنر کو جناب عبداللہ بن جعفر ﷺ کی بات پسند آئی اور اس نے فوراً امام حسین علیہ السلام کے نام خط روانہ کیا جس میں لکھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق کی طرف عزم سفر کر چکے ہیں۔ میں اس سفر کو آپ کے لیے نہایت خطرناک سمجھتا ہوں لہٰذا میں اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں آپ اس کے ہمراہ واپس تشریف لے آئیں اور ہم آپ کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کرنے کے لیے تیار ہیں اور آپ کی شان و عظمت میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہونے دیں گے۔ بلکہ آپ ہمیں ایک اچھے اور نیک ساتھی کی طرح پائیں گے۔ میری ان باتوں پر خدا گواہ ہے اور وہی صحیح معنوں میں اپنے بندوں کی حفاظت اور تحفظ کا ضامن ہے۔ والسلام۔"

(یاد رہے کہ خط ملنے سے پہلے ہی امام حسین علیہ السلام نے اپنے چچازاد بھائی جناب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے نام جو خط بھیجا اس میں آپ نے اپنے سفر کے مقاصد اور اسباب پر مکمل روشنی ڈالی اور جناب عبداللہ کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے اپنا مضبوط موقف مکمل طور پر واضح کر دیا تاکہ حالات کا کوئی پہلو ان سے پوشیدہ نہ رہے۔

جب جناب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس امام حسینؓ کا مکتوب گرامی پہنچا تو انہیں امام کے عزم و ارادے کے پس منظر سے آگاہی حاصل ہو گئی اور ہر قسم کا ابہام دور ہو گیا۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جب امام حسینؓ نے عزم سفر کیا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا' حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے اپنے بھائی کے ساتھ

شریک سفر ہونے کی اجازت طلب کی اور اپنے شوہر سے کہا۔

زینب علیہ السلام: ۔کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک سفر ہو جاؤں''

عبداللہ: ''اے میری پاکباز رفیقہ حیات! اگر مجھے ناگہانی مرض لاحق نہ ہوتا تو میں بھی حضرت امام حسینؓ کے ہمراہ جاتا اور ان کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل کرتا۔''

اس کے بعد جناب عبداللہ نے حضرت زینبؓ سے ایسا جملہ کہا جو نہ فقط عبداللہ ﷺ کی عظمت وجلالت کا ترجمان تھا بلکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی امیدوں کی تکمیل کا سبب بھی تھا۔عبداللہ ﷺ نے کہا'' کیا آپ اس بات سے اتفاق کریں گی کہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کے سہارے بیٹے محمد اور عون بھی اپنے ماموں کی خدمت میں اس سفر کے شریک بنیں؟''

عبداللہ کا یہ جملہ درحقیقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دل کی آواز تھی چنانچہ آپ نے اس پیشکش کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی قرار دیتے ہوئے قبول کیا۔

کربلا میں جب رسول اللہ کے نواسے اور ان کے جانثار شہید کر دیئے گئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا بچے کھچے خاندان کی قائد بن گئیں۔اگرچہ امام زین العابدین ﷺ بھی موجود تھے مگر بیماری کے سبب وہ بمشکل سفر کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔اور پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دنیا کو بتادیا کہ جب بدی کو ہاتھ سے روکنے میں وقتی رکاوٹ پیش آئے تو زبان سے اسے کیسا روکا جا سکتا ہے۔سادات کو قید کر کے کوفے لے جایا گیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جگہ جگہ لوگوں کو یزید کے کرتوت سے آگاہ کیا اور اپنا اور دوسرے آل رسول ﷺ کا خوب تعارف کرایا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا عظیم خطاب

عقیلہ بنی ہاشم سیدۂ زینب رضی اللہ عنہا کبریٰ نے کوفہ کی سڑکوں اور شاہراہوں پر لوگوں کا ہجوم دیکھا تو اپنے مقدس مشن کے پاکیزہ مؤقف کو واضح کرنے اور بنی امیہ کی طرف سے اہل بیت پر ڈھائے گئے ظلم وستم کی دردناک داستان بیان کرنے کا مناسب موقع پا کر کوفہ والوں کے خوابیدہ ضمیروں کو جھنجوڑا اور انہیں عظمت اسلام کے تحفظ میں ارباب اقتدار کی اسلام دشمنی

کے خلاف قیام کرنے کی عظیم ذمہ داری کا احساس دلایا۔

بشر بن خزیم اسدی نے بیان کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا وہ عظیم خطاب جو انہوں نے کوفہ والوں سے کیا آج تک میں نے اس جیسا فصیح و بلیغ بیان کبھی نہ سنا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے امیر المومنین علی بن ابی طالب ﷛ کی زبان امامت گویا ہے۔

سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کبریٰ نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کی تاکید کی۔علی کی بیٹی کے کہنے پر مجمع پر سکوت طاری ہو گیا اور ہر شخص رسول زادی کا بیان سننے کا مشتاق تھا جب سب لوگ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی تقریر سننے کے لیے پوری طرح متوجہ ہو گئے تو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی رسول زادی نے ایک عظیم تاریخی خطاب فرمایا جس میں اپنی خاندانی عظمتوں کا اظہار اپنے مقدس مشن کے پاکیزہ موقف کی وضاحت اور یزید کی اسلام دشمنی کو آشکارا کر دیا آپ نے اپنا بیان اس طرح شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحم

الحمد اللہ والصلوۃ علی محمد م والہ الطاھرین

اما بعد یااھل الکوفہ یا اھل الغدر والختل

اتبکون فلا رقات الدمعۃ ولا قطعت الرنۃ

انما امثالکم کمثل التی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا تتخثون ایمانکم دخلا بینکم

الاھل فیکم الا الصلف النطف والصدر المنشف وملق الاماء و غمر الاعداء اور کمرعی علی رمنۃ اور کفضۃ علی ملحودۃ الاساء ما قدمت لکم انفسکم ان سخط علیکم وفی العذاب انتم خالدون.

اتبکون وتنتحبون ای واللہ فابکوا کثیرا واضحکوا قلیلا فلقد ذھیتم بصارھا وشنارھا ولن ترحضوھا بغسل بعدھا ابدا وانی ترحضون قتل سلیل خاتم النبوۃ ومعدن الرسالۃ وسید شباب اھل الجنۃ وملا ذخیرتکم ومضزع نازلتکم ومنار حجتکم ومدرۃ المستنکم الاساء ماتذرون و بعد الکم سحقا فلقد خاب السعی وتبت الایدی وخسرت الصفقۃوتولیتم بغضب من اللہ

وضربت عليكم الذلة والمسكنة

ويلكم يااهل الكوفة اتدرون اى كبد لرسول الله فريتم واى كريمة له ابرزتم واى دم سفكتم واى حرمة له انتهكتم لقا جئتم بها صلعاء عنقاء سوداء فقهاء ناناء خرقاء شوهاء كطلاح الارض وملء المساء افعجبتمان مطرت المساء دما فلعذاب الآخرة اخزى وانتم لا تنصرون فلا يمستخلفنكم المهل فانه لا يحفزه البداولا يخاف فوت الثارون ربكم بالمرصاد۔

ترجمہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد ہے اس حق کے لیے جو کائنات کا حقیقی حکمران اور خالق ہے اور درود ہو اس پیغمبر ﷺ پر جس کے وجود کی برکت سے کائنات خلق ہوئی اور سلام ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک عترت واہل بیت پر جنہیں اللہ نے ہر قسم کے نقص وعیب سے پاکیزہ ومنزہ قرار دیا ہے۔

اما بعد: اے کوفہ والوا ے دھوکہ وفریب کے عادی لوگو!

ہماری مظلومیت کو دیکھ کر اب تم گریہ کرر ہے ہو۔

خدا کرے تم ہمیشہ روتے رہو اور تمہاری فریادیں بلند رہیں۔

تمہاری مثال اس عورت جیسی ہے جس نے نہایت محنت اور کوشش سے سوت کات کر مضبوط ڈوری بنائی پھر خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (یعنی تم نے پیغمبر ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے اپنے مضبوط وعدوں اور عہد و پیان کو خود ہی توڑ ڈالا ہے تو اب گریہ کیوں کرتے ہو؟

تم نے جھوٹی قسمیں کھانے کو دھوکہ وفریب دینے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

یاد رکھو تم سب کے سب بے ہودہ بکنے والے ہو۔

فسق وفجور تمہاری فطرت میں داخل ہو چکا ہے۔

کینہ پروری تمہاری طبیعت کا جزو لاینفک بن چکی ہے۔

بے اختیار لونڈیوں کی طرح چاپلوسی کے عادی بن گئے ہو

تم اس سبزہ کی مانند ہو گئے ہو جو کثافتوں سے بھری ہوئی زمین پر اگتا ہے اور غلیظ و

بد بودار بنیادوں پر لہلاتا ہے۔

یا تم اس چاندی کی طرح ہو گئے ہو جو کسی مزار کی سجاوٹ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

یاد رکھو! تم نے اپنی بدکرداری کی وجہ سے اپنی آخرت خراب کر لی ہے۔

خدا کا عذاب تمہارے سر پر چھا چکا ہے اور تم ہمیشہ اسی میں رہو گے۔

کیا تم آج یہ گریہ کرتے ہو۔

خدا کی قسم! رونے کے سوا اب تمہارے پاس کوئی چارہ کار نہیں۔

اب ہمیشہ روتے رہو تمہارے ہنسنے و مسکرانے کے دن گزر چکے ہیں۔

تم نے اپنے دامن پر رسوائیوں کے ایسے داغ لگا لیے ہیں جو کبھی نہیں دھل سکتے۔

تم نے ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے جو کسی صورت میں بھلایا نہیں جا سکتا۔

تم کس طرح اپنے اس مذموم عمل کی تاویل کر سکتے ہو تم نے خاتم النبیین کے لخت جگر کو قتل کیا ہے۔ تم نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نظر کو تہہ تیغ کر ڈالا ہے۔ تم نے جوانان جنت کے سردار کو ذبح کر دیا ہے۔

تم نے ایسی شخصیت کو قتل کیا ہے جو پریشانیوں میں تمہارا سہارا تھا۔

تم نے اس عظیم انسان کو شہید کر ڈالا ہے جو مصیبتوں میں تمہارا فریاد رس تھا۔

تم نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جو تمہارے فطری حقوق کا محافظ و ترجمان تھا۔

یاد رکھو! تم نہایت مذموم و پست عمل کے مرتکب ہوئے ہو۔

تم نے بہت ہی برا کام انجام دیا ہے۔

خدا تمہارا برا کرے۔

اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔

تمہاری کوششیں ناکام ہو گئیں۔

تمہاری دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو گئیں۔

تم نے خدا کا غضب مول لے لیا۔

اور تم ذلت و رسوائی کے سزاوار بن گئے۔

[illegible] ہو تم پر اے کوفہ والو!

کیا تم نے غور کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کس جگر گوشہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے؟
اور کیا تم نے سوچا ہے کہ تم نے کتنی باعصمت رسول زادیوں کی چادریں چھین کر انہیں نامحرموں کے سامنے بے پردہ کر دیا ہے؟

کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کیسی پاکیزہ ہستیوں کا خون بہایا ہے؟

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم نے کس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو پامال کر دیا ہے؟

تم نے ایک ایسا مذموم برا اور گھٹیا کام کیا ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔

تمہاری اس قبیح حرکت سے زمین و آسمان لرز اٹھے ہیں۔

تمہارے اس سنگین جرم کا بوجھ کوئی نہیں اٹھا سکتا۔

اب اگر آسمان سے خون کی بارش ہو تو اس پر تمہیں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

یاد رکھو! اس دنیا کی رسوائی کے بعد تمہارے لیے آخرت کا سخت عذاب مہیا ہے تمہیں جو تھوڑی سی مہلت دی گئی ہے اس سے تمہارے عذاب میں کمی واقع نہ ہوگی۔ اگر آج خدا تم پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کر رہا تو اسے اس کی عاجزی تصور نہ کرو۔ اس لیے کہ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں' وہ ظلم کا بدلہ ضرور لیتا ہے اور خدا تمہارے اعمال پر کڑی نظر رکھتا ہے اور وہ تمہاری گھات میں ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے پرجوش خطاب میں یزید کی بربریت اور ارباب اقتدار کی طاغوتیت کو بے نقاب کر دیا اور لوگوں کو ان کے جرائم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے پر آمادہ کیا۔ ابھی سیدہ رضی اللہ عنہا کی تقریر جاری تھی کہ امام زین العابدین رحمہ اللہ نے پھوپھی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

پھوپھی اماں! اب ٹھہر جائیے۔ حقائق کے اظہار کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے اسی پر اکتفا بہتر ہے۔ آپ نے جو کچھ بیان کیا اس میں ان کے لیے درس عبرت ہے اور ان کے خوابیدہ ضمیروں کو جگانے کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیے اور آپ خود ان تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھتی ہیں۔ آپ الحمد للہ تمام مسائل کی حقیقتوں کا ادراک رکھتی ہیں جس کے لیے مزید کسی وضاحت کی احتیاج نہیں۔ اب رونے اور غمگین ہونے سے کیا فائدہ؟ صبر و استقامت ہی ہمارے مقدس مشن کی تکمیل کی ضمانت ہے ان لوگوں کا گریہ و شیون ان کی

فکری تطہیر نہیں کر سکتا۔

بشر بن خزیم اسدی نے بیان کیا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی تقریر سن کر لوگوں پر جو کیفیت طاری ہوئی خدا کی قسم میں نے ایسی حالت کبھی نہ دیکھی تھی ہر شخص حیرت زدہ' اپنے کیے پر نادم اور انگشت بدنداں نظر آ رہا تھا اور سب کی آنکھیں اشک ریز تھیں اور میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو میرے پاس کھڑا تھا روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی اور وہ آہیں بھرتا ہوا یوں کہہ رہا تھا۔

بابی انتم وامی کھولکم خیر الکھول و شبابکم خیر الشباب و نساء کم خیر النساء ونسلکم خیر نسل لایخزی ولا یبزی

ترجمہ:

''(اے اہل بیت رسول) تمہارے بزرگ' عظمت و کردار میں دنیا بھر کے بزرگوں سے افضل ہیں اور تمہارے جوانوں کی پاکبازی و شرافت کی مثال کائنات کے جوانوں میں کہیں نہیں ملتی۔ تمہاری خواتین عفت و پاکدامنی میں دنیائے بشریت کی تمام مستورات میں ممتاز مقام رکھتی ہیں اور تمہاری پاکیزہ نسل کا قیاس دنیا کی کسی نسل و خاندان سے نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی کوئی طاقت ان عظمتوں پر پردہ ڈال کر ان کی نورانی اثر آفرینی ختم نہیں کر سکتی۔''

کربلا کی شیر دل خاتون سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے صداقت شعار خطاب اور حقیقت آمیز بیان سے کوفہ والوں کے ضمیروں کو جھنجوڑا اور انہیں تزکیہ و تطہیر نفوس کی تاکید کرتے ہوئے شیطان کے غلبے سے نجات پانے کی ضرورت کا احساس دلایا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اہل کوفہ کی ظاہری اشک ریزی کے دھوکہ میں نہ آئیں اور ان کے جھوٹے اظہار جذبات و احساسات سے متاثر نہ ہوئیں بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے ان کے جرائم کی سنگینی سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان کے مکر و فریب کو آشکار کر دیا اور انہیں بتایا کہ جھوٹ اور مکر و فریب ہی انسانی عظمتوں کی پامالی اور ابن آدم کی بدبختی کا موجب بنتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اہل کوفہ میں شعور و احساس موجود ہوتا تو سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا خطاب ان کے مردہ ضمیروں کو زندہ کر دینے کے لیے کافی تھا کیونکہ علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے ان

لوگوں کو ان کی اسلام دشمنی اور ملت اسلامیہ کے ساتھ ان کی خیانت کی طرف متوجہ کیا اور انہیں ان جرائم کے سنگین نتائج سے خبردار کیا۔

اس مقام پر یہ بات کسی مبالغے پر مبنی نہیں کہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے خطبے اور حضرت فاطمہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا اور امام زین العابدین ؒ کے انقلاب آفرین خطبوں کی وجہ سے لوگوں میں یزید کی حکومت کے خلاف احتجاج کی راہ ہموار ہوئی اور انہی خطبوں ہی کا اثر تھا کہ لوگ بنی امیہ کے ظلم واستبداد کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے میدان میں نکل آئے۔ اور آئندہ کی کئی انقلابی سرگرمیوں کا سبب بھی یہی خطابات بنے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ابن زیاد کے دربار میں

جب مظلوم وستم رسیدہ قیدیوں کو ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا تو سیدہ زینبؓ نے نامحرموں کا ہجوم دیکھ کر آستین سے اپنا منہ چھپالیا اور حاکم سے منہ پھیر کر کھڑی ہوگئیں۔

ابن زیاد کی نظر سیدہ رضی اللہ عنہا پر پڑی تو اس شقی نے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہیں؟

جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ آگے بڑھا اور سیدہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا تم کون ہو؟

سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس بدطینت شخص سے منہ موڑ لیا اور کوئی جواب نہ دیا' اس نے دوبارہ پوچھا مگر سیدہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں' ابن زیادہ کو غصہ آیا اور اپنی اس ذلت پر سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تم نے جواب نہ دیا تو تازیانے برساؤں گا۔ جب اس شقی نے اس طرح سخت کلامی اور بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تو جناب فضہ نے کہا یہ بی بی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کبریٰ بنت علی المرتضیٰؓ ہیں۔

زینب رضی اللہ عنہا بنت علی ؓ کا نام سنتا تھا کہ ابن زیاد بد کلامی کرتے ہوئے کہنے لگا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم لوگوں کو رسوا کیا اور تمہیں نابود کر ڈالا ہے اور تمہاری من گھڑت باتوں کی قلعی کھول دی ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس شقی کے نفرت آمیز کلمات سنے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے رہا نہ گیا اور اس کے جواب فرمایا۔

الحمد الله الذی اکرمنا بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و طھرنا من الرجس تطھیرا انما یفتضح الفاسق و یکذب الفاجر وھو غیرنا و الحمدالله

''حمد ہے اس خدا کے لیے جس نے ہمیں آخری محبوب نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کا شرف بخشا اور ہمیں ہر قسم کے رجس و نقص سے پاک بنایا کہ جس طرح پاکیزہ قرار دینے کا حق ہے۔ ہمارا فاسق و فاجر دشمن ہی رسوا ہوا ہے اور اسی کی اسلام دشمنی اور جھوٹ آشکار ہو گیا ہے اور ہم اس پر خدا کا شکر بجالاتے ہیں۔''

ابن زیاد نے پوچھا: تم نے اہل بیت کے متعلق خدا کی تقدیر کو کیسا پایا؟

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا خدا نے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شہادت کی عظیم منزل مقرر فرمائی اور وہ اس شرف و عظمت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب خدا کے حضور تم ظالم و ستمگر اہل بیت کا خون ناحق بہانے کے جوابدہ ہو گے اور جب تمہارا ان سے آمنا سامنا ہو گا تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے ساتھ جو برا سلوک کیا اس کا انجام کیا ہے؟

یہاں سے قیدیوں کو یزید کے دربار میں بھیج دیا گیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا دربار یزید میں

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی دوسرے قیدیوں کے ہمراہ یزید کے دربار میں داخل ہوئیں۔ دربار لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ نامحرموں کا کثیر مجمع دیکھ کر آپ نے یزید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''اے یزید کیا تیرے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے کہ تو نے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا ہے مگر اس سے تیرے دل کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی اور تو رسول زادیوں کو قید کر کے عراق سے شام لایا لیکن اس پر بھی اکتفا نہ کی اور مخدرات عصمت کی ہتک حرمت کرنے کے لیے انہیں نامحرموں کے مجمعے میں اس طرح بلایا ہے جیسے لونڈیوں کو اونٹوں پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرایا جاتا ہے۔'' سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا جراًت مندانہ اظہار یزید کے لیے ناگوار تھا چنانچہ اس شقی نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر کہا:

تیرے بھائی نے میرے حق میں گستاخی کی اور میری توہین کی ہے اور اپنے آپ کو مجھ سے بہتر قرار دیتے ہوئے کہا کہ میں یزید سے افضل ہوں جہاں تک اس کے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے وہ تو یقیناً ٹھیک ہے کہ وہ پوری کائنات سے افضل ہیں لیکن اس کے والدین میرے والدین سے افضل ہوں یہ بات قطعاً درست نہیں کیونکہ میرا باپ اس کے باپ پر غالب آ گیا تھا اور یہ خدا کی دین تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **قل اللھم مالک الملک توقی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء**

یزید کی گستاخانہ گفتگو سن کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتا ھم اللہ من فضلہ (سورۃ آل عمران آیت 69) گمان نہ کرو کہ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے وہ مردہ ہیں وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس روزی پا رہے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل اور عنایت سے مرحمت فرمایا ہے وہ اس پر راضی وخوش ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اے یزید! تو نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے اور اگر تو نہ ہوتا تو مرجانہ کے بیٹے کی کیا جرأت تھی کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے سنگین جرم کا ارتکاب کرتا۔ اس کے بعد آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ:

سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو کائنات کا پروردگار ہے اور خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پاکیزہ عترت واہل بیت پر۔

امابعد!

بالآخر برا ہے انجام ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے دامن حیات کو برائیوں کی سیاہی سے داغدار کر کے خدا کی تکذیب کی اور آیات پروردگار کا مذاق اڑایا۔

اے یزید کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے کنارے تنگ کر

دیئے ہیں اور کیا آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر در بدر پھرانے سے تو خدا کی بارگاہ میں سرفراز اور ہم رسوا ہوئے ہیں۔

کیا تیرے خیال میں ہم مظلوم ہو کر ذلیل ہو گئے اور تو ظالم بن کر سر بلند ہوا ہے۔

کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم پر ظلم کر کے خدا کی بارگاہ میں تجھے شان و مقام حاصل ہو گیا ہے۔ آج تو اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں سرمست ہے اور ناک بھوں چڑھاتا اور مسرت و شادمانی سے سرشار ہو کر اپنے غالب ہونے پر اترا رہا ہے اور ہمارے مسلمہ حقوق کو غصب کر کے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مصروف ہے۔

اپنی غلط سوچ پر مغرور نہ ہو اور ذرا دم لے۔

کیا تو نے خدا کا یہ فرمان بھلا دیا ہے کہ حق کا انکار کرنے والے یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے جو مہلت انہیں دی ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ ہم نے اس لیے ڈھیل دے رکھی ہے تاکہ جی بھر کے اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیں اور ان کے لیے خوفناک عذاب معین ہے۔ اے طلقاء کے بیٹے (آزاد کردہ غلاموں کی اولاد) کیا یہ تیرا انصاف ہے کہ تو نے اپنی مستورات اور لونڈیوں کو چادر اور چار دیواری کا تحفظ فراہم کر کے پردے میں رکھا ہے اور رسول زادیوں کو سر برہنہ در بدر پھرا رہا ہے تو نے مخدرات عصمت کی چادریں لوٹ لیں اور ان کی بے حرمتی کا مرتکب ہوا۔ تیرے حکم پر رسول زادیوں کو بے نقاب کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا تیرے حکم پر دشمنان خدا اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکدامن مستورات کو ننگے سر لوگوں کے ہجوم میں لے آئے اور لوگ رسول زادیوں کے کھلے سر دیکھ کر ان کا مذاق اڑا رہے ہیں اور دور و نزدیک کے رہنے والے سب لوگ ان کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہیں اور ہر شریف و کمینے کی نگاہیں ان کے ننگے سروں پر جمی ہیں۔

آج رسول زادیوں کے ساتھ ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں۔

آج ان قیدی مستورات کے ساتھ ان کے مرد موجود نہیں جو ان کی سرپرستی کریں۔

آج آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معین و مددگار کوئی نہیں۔

اس شخص سے بھلائی کی توقع ہی کیا ہو سکتی ہے۔

جس کی بزرگ خاتون (یزید کی دادی) نے پاکیزہ لوگوں کا جگر چبا کر تھوک دیا۔"

اوراس شخص سے انصاف کی کیا امید ہوسکتی ہے جس کا گوشت پوست شہیدوں کے خون سے بنا ہو۔

وہ شخص کس طرح ہم اہل بیت پر مظالم ڈھانے میں کمی کرسکتا ہے جو بغض وعداوت اور کینے سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ ہمیں دیکھتا ہے۔

اے یزید! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کرنے اور اتنے بڑے گناہ کو انجام دینے کے باوجود فخر ومباہات کرتا ہوا یہ کہہ رہا ہے کہ میرے اسلاف اگر موجود ہوتے تو ان کے دل باغ باغ ہوجاتے اور مجھے دعائیں دیتے ہوئے کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔

اے یزید کیا تجھے حیانہیں آتی کہ تو جوانان جنت کے سردار حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے دندان مبارک پر چھڑی مار کر ان کی بےادبی کررہا ہے۔

اے یزید تو کیوں نہ خوش ہو اور فخر ومباہات کے قصیدے پڑھے کیونکہ تو نے اپنے ظلم و استبداد کے ذریعے ہمارے دلوں کے زخموں کو گہرا کردیا ہے اور شجرہ طیبہ کی جڑیں کاٹنے کے گھناؤنے جرم کا مرتکب ہوا ہے۔

تو نے اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین کیے ہیں۔

تو نے عبدالمطلب کے خاندان کے ان جوانوں کو تہہ تیغ کیا ہے جن کی عظمت وکردار کے درخشندہ ستارے زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کیے ہوئے ہیں۔

تو عنقریب اپنے انجام کو پہنچ جائے گا اور اس وقت اپنی گفتار وکردار پر پشیمان ہوکر یہ آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ شل ہوجاتے اور میری زبان بولنے سے عاجز ہوتی اور میں نے جو کچھ کیا اور کہا اس سے باز رہتا۔

اس کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف منہ کرکے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔

اے پروردگار تو ہی ان ستمگروں سے ہمارا انتقام لے۔

اور اے خدا تو ہی ان پر اپنا غضب نازل فرما جس نے ہمارے عزیزوں کو خون میں نہلایا اور ہمارے مددگاروں کو تہ تیغ کردیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا حقیقت آمیز مگر آتشیں خطبہ سن کر یزید کے حواس باختہ ہو گئے اور اسے کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ وہ کیا کہے اور کیا کرے جس سے اس کی بداعمالیوں اور گھناؤنے کردار پر پردہ پڑ سکے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے عظیم خطاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معظّمہ نے فصاحت و بلاغت اور معانی و بیان کے علوم وفنون کی عظمتوں کو قالب سخن میں ڈھال کر اسلوب بیان کی کتنی پاکیزہ مثال پیش کی ہے۔

زینب کبریٰ نے اپنے خطبے میں حقائق کے اظہار کا جو انقلاب آفرین انداز اختیار کیا اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اور حق وحقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے فطرت کی رعنائیوں کو آزادی و حریت کے تحفظ سے ہم آہنگ کر کے جرأت بیانی کا جو مقدس نمونہ پیش کیا وہ ہر صاحب فکر و دانش کے لیے قابل تقلید ہے۔

زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے مقدس بیان کی روشنی میں دنیائے انسانیت کو حقائق کے اظہار کا طریقہ فطری حقوق کے تحفظ کا سلیقہ اور حقیقت وعقیدت کے امتزاج کا قرینہ دیا۔ اور یہ بتا دیا کہ خواتین کو کسی بھی مشکل کے دوران کس جرأت و دلیری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

خطبات زینب رضی اللہ عنہا کا اثر

رسول زادیوں کی حالت زار کو دیکھ کر شام کے لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی جس سے یزید کو یقین ہو گیا کہ اگر اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مزید کچھ دیر کے لیے دمشق میں رہے تو لوگ پرچم بغاوت بلند کر دیں گے اور پھر ان پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا ممکن ہے کہ صورتحال اس قدر خراب ہو جائے کہ انقلاب کا طوفان پوری مملکت کو اپنی لپیٹ میں لے لے لہٰذا یزید نے مناسب سمجھا کہ امام زین العابدینؓ سے گفتگو کر کے ان سے معذرت خواہی کر لے اور اپنے آپ کو ان سے بری قرار دے کر ابن زیاد کو ان سب حوادث کا ذمہ دار ٹھہرائے۔

چنانچہ یزید نے امام زین العابدینؓ سے کہا

''خدا لعنت کرے مرجانہ کے بیٹے پر' خدا کی قسم اگر میں اس کے ساتھ ہوتا تو جو کچھ وہ مانگتا اسے دیدیتا تا کہ وہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب نہ کرتا اور اس مقصد کے لیے اگر مجھے اپنی اولاد بھی قربان کرنا پڑتی تو اس کی بھی پروا نہ کرتا لیکن جو ہونا تھا سو ہو چکا اور اب تقدیر الٰہی کے

سامنے سرتسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ اے بیٹے جو کچھ تجھے مطلوب ہے وہ لکھ کر مجھے بتادو تاکہ میں اس پر عمل کروں اور مجھے معلوم ہے کہ تمہارے قبیلے والے اس سلسلے میں ضروری اقدامات بھی کریں گے لیکن تم ہرگز ان کا ساتھ نہ دینا۔"

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یزید کی مکارانہ گفتگو سن کر منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا کیونکہ امام سمجھتے تھے کہ یہ اس کی چال ہے جو وہ اپنی رسوائیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے چل رہا ہے۔

اس کے بعد یزید نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے اور انہیں عزت واحترام سے مدینہ تک پہنچادو اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی کہ رات کی تاریکی میں انہیں دمشق سے باہر لے جایا جائے تاکہ لوگ پریشان نہ ہوں اور ان کے جذبات برانگیختہ نہ ہو جائیں۔

جب یزید نے اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ بھیجنے کا فیصلہ کرلیا تو اس نے سوچا کہ اگر اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے جا کر میرے جرائم اور گھناؤنے کردار سے لوگوں کو آگاہ کردیا تو ممکن ہے میرا یہ تخت وتاج خاک میں مل جائے لہٰذا مناسب ہے کہ انہیں کچھ مال ودولت دے کر ان سے خاموش رہنے کا معاہدہ کرلیا جائے۔ م صادق لکھتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے اس نے حکم دیا کہ میرے تخت کے سامنے مال ودولت اور زر وجواہر کا ڈھیر لگادیا جائے چنانچہ کثیر رقم اور قیمتی اشیاء جمع کردی گئیں پھر اس نے حکم دیا کہ اب اہل بیت کو قید خانے سے یہاں لایا جائے۔

جب قیدیوں کو دربار میں لایا گیا تو یزید نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے کہا: یہ سارا مال حسینؓ کے عوض لے لیں اور یوں سمجھیں گویا وہ اپنی طبعی موت سے اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔

یزید کی اس مکروہ حرکت پر علیؓ کی بیٹی کو جلال آگیا اور غصے کی حالت میں فرمایا:

کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ نواسہ رسول ﷺ کو قتل کرکے اس کے مقدس خون پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ بھائی کو شہید کرکے بہن کو رشوت کی پیشکش کرتے ہوئے تجھے حیا آنی چاہیے۔ خدا کی قسم زمین وآسمان ایک ہوسکتے ہیں لیکن تیرے مذموم عزائم پورے نہیں ہوسکتے۔

تمام خواتین اور بچوں کو لے کر امام زین العابدینؓ مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے ایک

شخص کو شہر میں بھیجا کہ وہ سانحات پڑھائے گئے مظالم اور حسینؓ کی شہادت کی لوگوں کو خبر دے۔
اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مظلومیت کی کہانی سن کر لوگ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔
اس کے بعد کاروان آل محمدؐ شہر میں داخل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مطہر کے آثار نظروں کے سامنے آئے تو حضرت ام کلثوم نے یہ اشعار پڑھے۔
"اے ہمارے نانا کے شہر مدینہ' اب ہم یہاں آنے کے قابل نہیں رہے۔ ہم غموں اور حسرتوں سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ آئے ہیں۔ ہم جب تجھ سے نکلے تھے تو بھرا گھر ساتھ تھا اور اب واپس آئے ہیں تو نہ ہمارے مرد واپس آئے ہیں اور نہ ہی ہمارے بچے۔
جبکہ روتے روتے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مسجد کے دروازے سے لپٹ گئیں اور کہنے لگیں۔
نانا: میرا بھائی مارا گیا۔
نانا: میرا حسین رضی اللہ عنہ شہید کر دیا گیا۔"
وطن پہنچ کر بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو سکون نصیب نہ ہوا' دن رات کا بیشتر حصہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ کر مظلوم کربلا کی یاد میں روتے ہوئے گزارتی تھیں۔ کبھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ علمدار کے کٹے ہوئے بازو یاد آتے تو کبھی اکبر رضی اللہ عنہ کے سینے میں پیوست برچھی کا پھل' کبھی قاسم کی لاش پر گھوڑے دوڑتے ہوئے آنکھوں کے سامنے مجسم ہو جاتے تو کبھی علی اصغر کا تبسم یاد آ جاتا۔
کبھی عون کی جوانی کا تصور دل میں موجزن ہوتا
تو کبھی محمد کا ابھرتا شباب۔
کبھی مسلم بن عقیل کا دارالامارہ کی چھت سے گرنا آنکھوں کے سامنے آ جاتا۔
تو کبھی طفلان مسلم کی ننھی ننھی لاشیں دریا کی طوفانی موجوں پر بہتی نظر آتیں۔
کبھی مسلم بن عوسجہ یاد آتے تو کبھی حبیب ابن مظاہر۔
کبھی زہیر بن قین یاد آتے تو کبھی ابن نمیر۔
کبھی خیموں میں آگ لگتی یاد آتی تو کبھی صحرائے کربلا پر بکھری ہوئی لاشوں کا دردناک منظر۔
کبھی شام غریباں یاد آتی تو کبھی معصوم بچوں کی فریادیں۔
کبھی سکینہ کے دراتر تے یاد آتے تو کبھی سجاد کو تازیانے لگتے۔

کبھی رسول زادیوں کی چادریں چھنتی یاد آتیں تو کبھی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں۔

کبھی سہمے ہوئے یتیموں کی فریادیں سنائی دیتیں تو کبھی خواتین کی دردبھری آہیں۔

کبھی شام کے بازار میں تماشائیوں کا ہجوم یاد آتا تو کبھی دمشق میں چراغاں اور لوگوں کے جشن وسرور کے آوازے۔

کبھی ابن زیاد کے دربار میں پیش ہونا یاد آتا تو کبھی یزید کے ایوان سلطنت میں کئی گھنٹے کھڑے رہنا، کبھی زندان کی تنگ وتاریک فضا یاد آتی تو کبھی خرابہ شام کی ٹوٹی ہوئی دیواریں۔

اور بالآخر کبھی مدینہ یاد آتا تو کبھی اپنا آباد گھرانہ

یہ سب غم والم اور مصیبت و درد ے وہ حالات تھے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دل کو کباب کر دیتے تھے اور جن کا تصور کرتے کرتے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک بے جان ڈھانچے کی طرح ہوگئیں، ایسا لگتا تھا جیسے آپ کے بدن میں روح ہی نہیں۔

امام جعفر صادق سے روایت کی گئی ہے کہ دس محرم **61** ہجری سے لے کر پانچ سال تک اہل بیت کے گھر میں نہ کسی بی بی نے آنکھ میں سرمہ لگایا اور نہ ہی سر میں تیل ڈالا۔ نہ مہندی لگائی اور نہ مسکرائیں۔ یہاں تک کہ جب مختار نے ابن زیاد کا سر مدینے بھیجا تو اہل بیت کے گھر میں دشمن خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلاکت کی پہلی خوشی ہوئی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات اور مرقد مطہر

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کے سلسلہ میں مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسی طرح مرقد مطہر کے بارے میں بھی مورخین کا کسی ایک نکتے پر اتفاق نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ بعض اہل تحقیق نے آپ کی تاریخ وفات اور مرقد مطہر کے سلسلے میں کسی قسم کا اظہار رائے کرنے کے بجائے اسے قابل بحث بھی قرار نہیں دیا اور نہایت اجمالی بیان کے ساتھ اس سلسلے میں چند باتیں ذکر کرنے پر اکتفا کرلیا۔

جن مورخین نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات کے سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ان کے مطابق اس سلسلے میں تین نظریے ملتے ہیں۔

1- سیدہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔
2- مصر میں فوت ہوئیں اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا چنانچہ وہاں آپ کا مرقد مطہر بھی موجود ہے جو اہل ایمان کی عظیم زیارت گاہ ہے۔
3- آپ اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام گئیں اور وہاں بیمار ہوگئیں اور وہیں آپ کی وفات ہوئی اور راویہ نامی بستی میں آپ کو دفن کر دیا گیا چنانچہ آپ کا ایک مرقد مطہر وہاں بھی ہے۔

اگر چہ مذکورہ نظریات کی روشنی میں کسی واضح نتیجے تک پہنچنا دشوار ہے لیکن ان نظریات کے حامل مورخین نے اپنے اپنے تحقیقی زاویہ نگاہ کی صحت پر ٹھوس دلائل بھی پیش کیے ہیں۔ زینب' زینب ہے' کے مصنف م صادق کے مطابق جو مورخین پہلے نظریے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کی وفات مدینہ میں ہوئی۔ انہوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اہل بیت کے دوسرے افراد کے ساتھ شام کی قید سے رہا ہو کر مدینہ آئیں اور پھر مدینہ سے باہر جانے کے متعلق کوئی ٹھوس تاریخی ثبوت موجود نہیں لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات مدینہ ہی میں ہوئی اور وہی آپ کو دفن کیا گیا۔

جن مؤرخین کی نظر میں آپ کی وفات مصر میں ہوئی اور وہیں آپ کا مدفن ہے۔ انہوں نے چند ایسے اہل تاریخ کے اقوال کا سہارا لیا ہے جو اپنے اس منفرد نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیدہ زینب نے مصر کا سفر کیا اور عقیدت مندوں کے بھرپور اصرار پر وہیں قیام پذیر ہو گئیں اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا مزار شام میں ہے وہ اس سلسلے میں ٹھوس دلائل پیش کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب مدینہ میں قحط پڑ گیا تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے دمشق کی طرف کوچ کیا اور دمشق کو اس لیے منتخب کیا کیونکہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی کچھ زمینیں دمشق کے قریب ایک گاؤں میں تھیں۔ قحط کی شدت کے خوف سے جناب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے دمشق کی طرف ہجرت کرنے کو پسند کیا وہاں پہنچ کر سیدہ علیل ہوگئیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔ اسی گاؤں میں جس کا نام راویہ بیان کیا جاتا ہے سیدہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر دیا گیا اور اب موجودہ مرقد مطہر اسی مقام پر ہے۔ ہمارے خیال میں بھی یہی رائے درست ہے۔

بہر حال تمام واقعات اور تاریخی بیانات کی روشنی میں یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ مصیبتوں اور دُکھوں نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا سکون لوٹ لیا اور رسول زادی واقعہ کربلا کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہیں بلکہ 17 ماہ کی قلیل مدت کے بعد 15 رجب 62 ہجری کو اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کی کٹھن منزلیں طے کرتی ہوئیں زندان کی سختیاں جھیل کر وطن پہنچیں مگر عزیزوں کی شہادت کا آنکھوں دیکھا حال سیدہ رضی اللہ عنہا کے لیے نا قابل برداشت بن گیا اور بالآخر زندگی کی تلخیوں سے تنگ آ ئیں اور آخرت کا سفر اختیار کر لیا۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کا مدفن شام میں ہو یا مصر اور مدینے میں۔ بہر صورت آپ کی عظمت و جلالت اور روحانی اقدار کے فیض سے بہرہ مند ہونے والے اپنی اخلاص بھری نگاہوں کو آپ کی زیارت سے مشرف ومنور کرتے رہتے ہیں اور آپ کی نورانی شخصیت کے پرتو میں رضائے الٰہی کے حصول کی امید پر تمام اہل حق اور صاحبان ایمان کے دل ہی میں آپ کا مزار ہے اور وہ ہمیشہ آپ کی عظیم شخصیت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور مزار کے متعلق تاریخ کے اختلافی زاویے آپ کی شخصیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتے بلکہ وہ جہاں بھی ہوں اپنے کردار کی بلندی سے تاریخ اسلام میں اپنی عظمت کے انمٹ نقوش سے پہچانی جاتی ہیں اور تاریخ بشریت کی قد آور شخصیتیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی دہلیز عظمت پر سجدہ ریز نظر آتی ہیں۔ دیگر شخصیات کے ذکر کے برعکس ہم نے حضرت زینبؓ کے سوانحی حالات کے بجائے ان کے خطبات کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ سوانح کا مقصد کسی شخصیت کے کمالات ومحاسن کا ادراک ہوتا ہے۔ ہم نے قارئین کو یہی ادراک خطبات کی صورت میں پہنچا دیا ہے۔

یہاں سیدہ زینب سلام اللہ علیہا بارے مزید کچھ لکھنے کو دل چاہتا ہے مگر مضمون چونکہ پہلے ہی طویل ہو چکا ہے لہٰذا اس پر اکتفا کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے نواسیوں کے ذکر کو ختم کرتے ہوئے اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ ہم گناہگاروں کو علم وآگہی کے اس مقام پر پہنچا دے جس سے زمانہ خالی دکھائی دینے لگے اور اس علم کو اپنے ہاں پذیرائی عطا کردے۔

رضاعی رشتے

سب سے پہلے سیدہ آمنہ نے اپنے نورنظر اور لخت جگر کو دودھ پلایا پھر یہ شرف ثوبیہ کو نصیب ہوا۔ ثوبیہ ابولہب کی کنیز تھی۔ اس نے ہی سب سے پہلے ابولہب کو حضور کی ولادت کا مژدہ سنایا اور اس نے اپنے متوفی بھائی حضرت عبداللہ کے ہاں بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں اسے آزاد کر دیا۔ اپنے بھتیجے کی پیدائش پر ابولہب نے جو اظہار مسرت کیا۔ اس بارے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں۔ ''اس کا صلہ چودہ صدیوں سے اسے مل رہا ہے ہر سوموار کو اس ابدی جہنمی کو ٹھنڈا پانی بھی پینے کو مل جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی اس روز کچھ تخفیف کر دی جاتی ہے اور تا روز حشر ایسا ہوتا رہے گا۔ ثوبیہ کے علاوہ اور متعدد خواتین نے بھی حضورؐ کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی۔ خولہ بنت منذر، ام ایمن، حلیمہ سعدیہ اور بنی سعد کی ایک اور خاتون ان کے علاوہ ہیں لیکن سب سے زیادہ یہ شرف حضرت حلیمہ کے حصے میں آیا۔ انہوں نے لگاتار دو سال تک یہ خدمت انجام دی اس کی تفصیل جس پر جملہ سیرت نگار اور مورخین متفق ہیں ہدیہ قارئین ہے۔

قریش اور دیگر شرفاء عرب کے ہاں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے والیوں کے حوالے کرتے تھے۔ اس کی متعدد وجوہ تھیں۔

1- تا کہ ان کی بیویاں ان کی خدمت کیلئے فراغت پا سکیں۔

2- تا کہ ان کی اولاد صحرائی ماحول میں نشو و نما پائے اور انہیں فصیح عربی زبان میں مہارت حاصل ہو جائے۔

3- تا کہ صحرا کا پاک صاف ماحول میسر آئے اور وہ تندرست اور توانا ہوں۔ صحرائی زندگی کی جفاکشیوں اور مشقتوں کے وہ بچپن سے خوگر ہوں۔

4- تا کہ ان کے جد امجد حضرت معد کی جسمانی قوت اور ہڈیوں کی مضبوطی اور اعصاب کی پختگی کے اوصاف ان کو ورثہ میں ملیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو یہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ اے مسلمانو' معد کا تن و توش پیدا کرو' مشقت طلبی کو اپنا شعار بناؤ اور اپنے جسم اور اعصاب کو سخت بناؤ۔

گویا اس وقت کے رؤسا قریش اور امراء عرب اپنے بچوں کو اپنی ماں کی نرم و گداز آغوش میں پلتے ہوئے دیکھنے کے بجائے یہ پسند کرتے تھے کہ وہ صحرا نشین قبیلوں کے پاس اپنے بچپن کو گزاریں تا کہ اس کی ریت اور اس کی کھردری پتھریلی زمین کی رگڑوں سے ان کے جسم میں مضبوطی پیدا ہو اور ان کی فصیح و بلیغ زبان سیکھ کر وہ بہترین خطیب اور قائد بن سکیں۔

ایک دن حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ سے زیادہ کوئی فصیح نہیں دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایسا کیوں نہ ہو کہ میں قبیلہ قریش کا فرزند ہوں اور میں نے اپنی رضاعت کا زمانہ بنی سعد قبیلہ میں گزارا ہے۔''

مختلف قبائل کی خواتین خاص خاص موسموں میں مکہ آیا کرتیں تا کہ متمول لوگوں کے بچوں کو لے جائیں' ان کو دودھ پلائیں ان کی پرورش کریں اور جب مدتِ رضاعت ختم ہو تو ان کے والدین انہیں گراں قدر عطیات اور انعامات دے کر شاد کام کریں وہ اس وقت بھی مقررہ اجرت پر دودھ پلانا باعث عار سمجھتی تھیں ان کے ہاں یہ مقولہ تھا۔

اَلْحُرَّةُ لَا تَاْكُلُ مِنْ ثَدْيِهَا—

آزاد عورت اپنے پستانوں کے ذریعہ رزق نہیں کماتی۔

لیکن بطور انعام اور عطیہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کی دودھ پلانے والی کو کچھ دیتا تو اسے وہ بخوشی قبول کر لیتی۔

حضرت عبد المطلب بھی ایسی خاتون کی تلاش میں تھے تا کہ وہ اپنے جلیل القدر پوتے کو اس کے حوالے کر سکیں۔ صحرا کی کھلی فضا اور پاکیزہ ہوا میں وہ اس کی پرورش بھی کرے اور جوہر فصاحت کو بھی آب و تاب بخشے۔ اسی اثنا میں بنی سعد کی چند خواتین بچے لینے کی غرض سے مکہ آئیں۔ بنی سعد کا قبیلہ بنی ہوازن کی ایک شاخ تھا جو اپنی عربیت اور فصاحت میں اپنا جواب

نہیں رکھتا تھا۔ ان خواتین میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں جو اپنے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ کے ساتھ اس مقصد کے لیے مکہ آئی تھیں۔ حضرت سعدیہ خود سارا حال بیان کرتی ہیں۔ آپ ان کی زبان سے سنیئے فرماتی ہیں:۔

''یہ سال قحط اور خشک سالی کا سال تھا۔ ہمارے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا جس پر گزراوقات کرسکیں میں ایک سبزی مائل رنگ والی گدھی پر سوار ہوکر اپنے قافلہ کے ساتھ نکلی۔ ہمارے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ میرا بچہ بھوک کی وجہ سے ساری ساری رات روتا رہتا اور ہمیں ایک پل کے لیے بھی سونا نصیب نہ ہوتا نہ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ تھا جس سے وہ سیر ہو سکے اور نہ ہماری اونٹنی کی کھیری میں دودھ تھا جو ہم اس کو پلا سکتے۔ ہم اس امید پر جی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ احسان فرمائے گا بارش برسے گی اور خوشحالی کا زمانہ پھر لوٹ آئے گا میں اس گدھی پر سوار ہوکر اس قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ مارے بھوک کے وہ قدم بھی نہیں اٹھا سکتی تھی اس کی وجہ سے سارا قافلہ مصیبت میں تھا۔ نہ ہمیں چھوڑ کر وہ آگے جاسکتے تھے اور نہ یہ لاغر گدھی چلنے کا نام لیتی تھی۔ بڑی مشکل سے ہم مکہ پہنچے اور سب نے بچے تلاش کرنے کیلئے گھر گھر چکر لگانے شروع کئے۔ بنی سعد کی عورتیں سیدہ آمنہ کے نونہال کے پاس بھی گئیں لیکن جب انہیں پتا چلتا کہ یہ یتیم ہے تو وہ واپس لوٹ آتیں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہماری خدمات پر ہمیں انعام واکرام سے مالامال کردے۔ بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کرے گا۔ چند دنوں میں ہر عورت کو بچہ مل گیا ایک میں تھی جس کی گود خالی تھی۔ میری غربت' تنگ دستی اور خستہ حالی کو دیکھ کر کوئی خاندان مجھے اپنا بچہ دینے کیلئے آمادہ نہ ہوا۔ آخر میں نے اپنے خاوند کو کہا کہ بخدا میں خالی واپس گھر نہیں جاؤں گی۔ میں اس یتیم بچے کو ہی لے آتی ہوں۔ کم از کم خالی گود تو واپس نہیں جاؤں گی۔ میرے شوہر نے کہا ٹھیک ہے جاؤ اور اس یتیم بچہ کو لے آؤ۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں گئی اور وہ بچہ لے آئی اور مجھے بھی کوئی اور بچہ مل جاتا تو شاید میں بھی ایک یتیم بچہ کو نہ اٹھالاتی۔ میرے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ بہت کوشش کے باوجود مجھے کسی دوسری عورت نے اپنا بچہ دیا ہی نہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ جب میں مکہ پہنچی تو مجھے حضرت

عبدالمطلب ملے۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں بنی سعد کی ایک خاتون ہوں۔ انہوں نے نام پوچھا تو میں نے بتایا حلیمہ' یہ سن کر حضرت عبدالمطلب فرط مسرت سے مسکرانے لگے اور فرمایا:

''واہ واسعد اور حلم۔ کیا کہنا یہ دو خوبیاں ہیں جن میں زمانہ بھر کی بھلائی اور ابدی عزت ہے''۔

پھر فرمایا میرے ہاں ایک بچہ ہے کسی نے اس کے یتیم ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہیں کیا تو اس یتیم بچہ کو گود میں لینے کے لیے تیار ہے؟

هَلُ لَکِ اَنُ تَرُضَعِیُهِ عَسٰی اَنُ تَسُعَدِیُ بِهٖ

کیا تو اس کو دودھ پلانے کے لیے تیار ہے ہوسکتا ہے کہ اس کی برکت سے تیرا دامن سعادت سے لبریز ہو جائے؟ میں نے اپنے خاوند سے مشورہ کرنے کے لیے اجازت طلب کی۔

اللہ تعالیٰ نے میرے خاوند کے دل کو اس گنج گراں مایہ کے ملنے پر فرحت و سرور سے بھر دیا۔ اس نے کہا حلیمہ! دیر نہ کرو فوراً جاؤ اور اس بچے کو لے آؤ' میں واپس آئی تو حضرت عبدالمطلب کو اپنا منتظر پایا۔ میں نے کہا کہ وہ بچہ مجھے دیجئے۔ میں اس کو دودھ پلانے کے لیے تیار ہوں۔ وہ مجھے حضرت آمنہ کے گھر لے گئے۔ سیدہ نے مجھے خوش آمدید کہا اور مجھے اس کمرہ میں لے گئیں۔ جہاں یہ نور نظر لیٹا ہوا تھا۔ آپ دودھ کی طرح سفید صوف کے کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے۔ نیچے سبز رنگ کی ریشمی چادر بچھی تھی۔ آپ اس پر آرام کر رہے تھے۔ کستوری کی مہک اٹھ رہی تھی۔ آپ کے معصوم حسن و جمال کو دیکھ کر میں تو فریفتہ ہوگئی مجھ میں یہ جرأت نہ تھی کہ آپ کو جگاؤں میں نے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھا تو وہ جان جاں مسکرانے لگے اور اپنی سرگیں آنکھیں کھولیں میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں سے انوار نکل رہے ہیں اور آسمان کو چھو رہے ہیں۔ میں نے بے اختیار دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور آپ کو اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور اپنے خاوند کے پاس لے آئی۔

حلیمہ بیان کرتی ہیں جب میں اس دولت سرمدی کو اٹھائے ہوئے واپس اپنے خیمہ میں پہنچی تو میں نے دودھ پلانے کے لیے اپنی دائیں چھاتی پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پیا۔ جتنا چاہا۔ پھر میں نے بائیں چھاتی پیش کی۔ آپ نے پینے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو الہام کیا کہ تیرا ایک اور بھائی بھی ہے۔ اس لیے آپ عدل کریں اور دوسری

طرف سے دودھ نہ پئیں۔ جس ہستی نے آگے چل کر سارے جہاں کو عدل و انصاف کا درس دینا تھا' اس کا پروردگار یہ کیسے برداشت کر سکتا کہ اس کا اپنا دامن کسی بے انصافی میں ملوث ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے سے پہلے حلیمہ کی چھاتیوں میں برائے نام دودھ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے کی برکت سے وہ چھاتیاں دودھ سے لبالب بھر گئیں۔ آپ کے رضاعی بھائی نے بھی خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ رات کو وہ بھی خوب جی بھر کر سویا اس کو سلانے کے بعد میرا خاوند اس بوڑھی اور لاغر اونٹنی کی طرف گیا یہ دیکھ کر اس کی حیرت وخوشی کی حد نہ رہی کہ اس کی اونٹنی کی کھیری دودھ سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے اسے دوہا خود بھی جی بھر کر پیا اور میں نے بھی سیر ہو کر دودھ نوش جان کیا۔ ہم سب رات کو خوب سوئے۔ وہ رات ہم نے بڑے آرام و راحت کے ساتھ بسر کی۔ رات بھر میٹھی نیند کے مزے لوٹنے کے بعد جب ہم بیدار ہوئے تو میرے خاوند نے کہا:

وَاللّٰهِ يَاحَلِيْمَةُ لَقَدْ اَخَذْنَا نَسَمَةً مُبَارَكَةً

بخدا! اے حلیمہ ہمیں سراپا سعادت یمن و برکت وجود نصیب ہوا۔ میں نے کہا کہ میں بھی یہی امید رکھتی ہوں۔

حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ جب سب عورتوں کو رضاعت کیلئے بچے مل گئے تو ہمارا کارواں اپنے مسکن کی طرف روانہ ہوا۔ ساری خواتین اپنے نئے بچوں کے ساتھ اپنی اپنی اونٹنیوں پر سوار ہوئیں۔ میرے پاس وہی گدھی تھی جو کمزوری کے باعث چل نہیں سکتی تھی۔ جس نے سارے قافلہ کو آتے ہوئے پریشان کر دیا تھا۔ میں اپنے فرزند دل بند کے ساتھ اس پر سوار ہوئی۔ اب تو اس کی حالت ہی بدل گئی تھی یوں تیزی سے قدم اٹھاتی تھی کہ قافلہ کی ساری سواریاں پیچھے رہ گئیں۔ وہ گویا چل نہیں رہی تھی بلکہ اڑ رہی تھی۔ قافلے والیاں چیخ اٹھیں۔ کہنے لگیں اے ابی ذویب کی بیٹی! خدا تیرا بھلا کرے ہم پر رحم کر اور اپنی گدھی کو آہستہ چلا۔ بھلا یہ تو بتا یہ وہی پہلے والی گدھی ہے جو قدم اٹھانے سے معذور تھی۔ اب اسے کہاں سے پر لگ گئے کہ اڑتی چلی جا رہی ہے۔ میں انہیں کہتی بخدا یہ وہی گدھی ہے۔ خدا تمہارا بھلا کرے تم دیکھتی نہیں اس پر کون سوار ہے۔

آخر ہم اپنی قیام گاہوں پر پہنچ گئے۔ اللہ کی ساری زمین میں یہ علاقہ سب سے زیادہ قحط

زدہ تھا۔ گھاس کا ایک تنکا بھی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میری بکریاں شام کو جب واپس آتیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوئے اور ان کی کھیریاں دودھ سے لبریز ہوتیں۔ ہم دودھ دوہتے اور خوب سیر ہو کر پیتے۔ دوسرے لوگوں کے ریوڑ بھوکے واپس آتے۔ ان کی کھیریوں میں سے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکتا۔ وہ لوگ اپنے چرواہوں کو ڈانٹتے اور کہتے تم ہماری بھیڑ بکریاں وہاں کیوں نہیں چراتے جہاں ابوذویب کی بیٹی کی بکریاں چرتی ہیں۔ دن بدن ان انعامات اور برکات میں اضافہ ہوتا جاتا اور ہم خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دو سال کا عرصہ ختم ہو گیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑا دیا۔ اس عرصہ میں آپ کی نشوونما کی کیفیت نرالی تھی۔ دو سال میں آپ قوی اور توانا بچوں کی طرح ہو گئے۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ ایک روز میں حضورؐ کو گود میں لئے بیٹھی تھی کہ بکریوں کا ایک ریوڑ میرے قریب سے گزرا۔ ان میں سے ایک بکری آگے آئی اور سر مبارک کو بوسہ دیا پھر بھاگ کر دوسری بکریوں میں مل گئی۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مکہ کے سفر سے واپس پہنچے تو ہر گھر سے کستوری کی مہک آنے لگی۔ وہاں کے سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں دیوانے ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں کا مشاہدہ کرتے تو سو جان سے فدا ہونے لگتے۔ جب کسی کو کوئی بدنی تکلیف ہوتی وہ آتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ہتھیلی کو پکڑ کر تکلیف والی جگہ پر رکھتا۔ باذن اللہ تعالیٰ فوراً شفایاب ہو جاتا۔ اگر ان کا کوئی اونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی تو اس پر حضور کا دست مبارک پھیرتے وہ تندرست ہو جاتی۔ آپ کہتی ہیں کہ راحت و خوشحالی کے یہ دو سال گویا پل بھر میں بیت گئے۔ حضور کی روز افزوں برکات کے سائے میں جو مزے ہم لوٹ رہے تھے۔ اس کے باعث ہماری یہ خواہش تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عرصہ اور ہمارے ہاں اقامت گزیں رہیں۔ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ہم حضورﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے آئے لیکن ہمارا دل جدائی برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ میں نے سیدہ آمنہ سے گزارش کی۔ بہتر ہے کہ آپ اپنے فرزند گرامی کو مزید کچھ عرصہ کے لیے ہمارے پاس رہنے دیں وہاں کی آب و ہوا کا ان کی صحت پر خوشگوار اثر ہوگا۔ مکہ کی وبا زدہ فضا اور آلودہ ماحول سے ان کا دور رہنا ہی بہتر ہے۔ حضرت حلیمہ نے اس بات پر اتنا اصرار کیا کہ سیدہ آمنہ کو

ہاں کرنا پڑی۔ چنانچہ آپ پھر اس بخت بیدار کو اپنی آغوش میں لیئے شاداں وفرحاں اپنے قبیلہ میں واپس آ گئیں۔ حضور کی واپسی سے گھر گھر خوشی کے چراغ روشن ہو گئے۔ آپ کی رضاعی بہن شیما کی مسرت کی تو کوئی حد نہ تھی، کبھی کھلاتی، کبھی پلاتی، کبھی گیت گا گا کر دل بہلاتی کبھی محبت بھری لوریاں دیتی وہ معصوم بچی جن پاکیزہ کلمات سے حضور کو لوریاں دیتی مورخین نے اپنی کتب میں انہیں ثبت کر دیا ہے تاکہ آنے والی نسلیں بھی پیار و الفت کے ان خوبصورت جذبات سے فیضیاب ہو سکیں، وہ کہتیں۔

"اے میرے رب! میرے بھائی محمدؐ کو ہمارے لئے سلامت رکھ یہاں تک کہ میں آپ کو جواں گھبرو دیکھوں۔"

"یہاں تک کہ میں آپ کو اپنی قوم کا سردار دیکھوں۔ جس کی سب اطاعت کر رہے ہوں۔ اے میرے رب! اس کے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل و رسوا کر۔"

وَاعْطِهٖ عِزًّا یَدُوْمُ اَبَدًا

اور انہیں وہ عزت عطا فرما جو ابد تک باقی رہے

حضرت حلیمہ بتاتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے دو تین ماہ بعد ایک روز حضورؐ ہمارے مکانوں کے عقب میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے کہ دوپہر کے وقت اچانک آپ کا بھائی دوڑتا ہوا آیا وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ دو مرد جنہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا میرے قریشی بھائی کے پاس آئے پکڑ کر اسے زمین پر لٹا دیا اس کے شکم کو چاک کر دیا میں اور آپ کا باپ دوڑتے ہوئے آپ کی طرف لپکے ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں اور چہرہ مبارک کی رنگت زردی مائل ہے۔ آپ ﷺ کے باپ نے آپ ﷺ کو گلے لگا لیا اور پوچھا میرے بیٹے کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے بتایا میرے قریب دو آدمی آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور مجھے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا۔ پھر میرے شکم کو چیر دیا اس میں سے کوئی چیز نکالی اور اسے باہر پھینک دیا۔ پھر میرے پیٹ کو سی کر پہلے کی طرح کر دیا۔ ہم دونوں آپ کو اپنے ہمراہ لے کر واپس گھر آئے آپ کے باپ نے مجھے کہا اے حلیمہ! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو آسیب کا اثر ہو گیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ بچے کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیں۔ اس سے پہلے کہ آسیب کے اثرات ظاہر ہوں چنانچہ ہم آپ ﷺ کو لے کر سیدہ آمنہ کے پاس پہنچ

گئے۔ہمیں دیکھ کر سیدہ آمنہ گھبرا گئیں۔ پوچھا خیر تو ہے۔کل بڑے چاؤ سے لے گئی تھیں اور آج واپس بھی لے کر آ گئی ہو۔ہم نے کہا بخدا کچھ بھی نہیں ہوا ہم نے سوچا کہ جو ہمارا فرض تھا' وہ ہم نے بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر دیا۔اب بہتر ہے کہ ہم اس نونہال کو اس کے اہل خانہ کے حوالہ کر دیں اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔سیدہ آمنہ نے فرمایا مجھے سچ سچ بتاؤ کیا حادثہ رونما ہوا کہ تم نے اپنا ارادہ بدل لیا۔آپ نے اصرار کیا تو حلیمہ بتانے پر مجبور ہو گئیں اور شق صدر کا واقعہ سنایا۔آپ نے فرمایا اے حلیمہ! کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ میرے نور نظر کو شیطان کوئی اذیت پہنچائے گا۔بخدا ہرگز نہیں۔شیطان اس کے قریب بھی پھٹک نہیں سکتا تم دیکھو گی کہ میرے اس بچے کی نرالی شان ہو گی اور میرا یہ بچہ آفتاب بن کر چمکے گا۔

خدمت رضاعت کی برکت سے حضرت حلیمہ اور ان کے خاندان کو جو سعادتیں نصیب ہوئیں۔ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ان کی تنگ دستی خوشحالی میں بدل گئی۔قحط سالی کے باعث چارہ اور گھاس نہ ملنے کی وجہ سے سارے قبیلہ کے ریوڑ بھوک سے لاغر و نحیف ہو گئے تھے لیکن حضرت حلیمہ کا ریوڑ خشک سالی کے باوجود شام کو لوٹتا تو کھیریوں سے دودھ کی نہریں بہتیں۔ مزید برآں اس خدمت کے عوض جو شہرت دوام ان کو میسر آئی' وہ ہفت اقلیم کے کسی فرمانروا کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ان جملہ نعمتوں کے علاوہ سب سے بڑی نعمت جو انہیں بخشی گئی تھی وہ ایمان کی نعمت تھی۔جس نے ان کے دونوں جہاں سنوار دیئے۔حضرت حلیمہ کا سارا خاندان مشرف بہ اسلام ہو گیا۔حضرت حلیمہ کے ایمان کے بارے میں کتب حدیث و سیرت میں بہت سی روایات اور آثار موجود ہیں۔جن میں سے چند ہدیہ ناظرین ہیں۔

''ابن سعد روایت کرتے ہیں اور اس روایت کے راوی رجال صحیح کی مانند ہیں۔یہ روایت محمد بن منکدر سے مرسل ہے۔آپ کہتے ہیں ایک عورت نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔وہ عورت حضور ﷺ کو دودھ پلایا کرتی تھی جب وہ داخل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ماں! میری ماں! اپنی چادر اٹھائی اسے بچھایا اور اپنی چادر پر اپنی ماں کو بٹھایا۔''

2- حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ایمان کے بارے میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے۔جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

حافظ ابو محمد المنذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں لکھا ہے۔

حضرت حلیمہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں تھیں، وہ اسلام لائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کیں۔

قَالَ الْحَافِظُ اَبُوالْفَرَجِ الْجَوْزِیُّ رَحْمَةُ اللّٰہِ فِی الْحَدَائِقِ قَدِمَتْ حَلِیْمَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ خَدِیْجَةَ فَشَکَتْ اِلَیْہِ جَدْبَ الْبِلَادِ فَکَلَّمَ خَدِیْجَةَ فَاَعْطَتْھَا اَرْبَعِیْنَ شَاةً وَبَعِیْرًا ثُمَّ قَدِمَتْ اِلَیْہِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ فَاَسْلَمَتْ وَبَایَعَتْ وَاَسْلَمَ زَوْجُھَا الْحَارِثُ۔

حافظ ابوالفرج الجوزی رحمتہ اللہ علیہ الحدائق میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت حلیمہ بنت الحارث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئیں۔ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تھی۔ حلیمہ نے اپنی قحط سالی کی شکایت کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بارے میں سفارش کی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو چالیس بکریاں اور ایک اونٹ بطور ہدیہ فرمایا پھر حضور ﷺ کی بعثت کے بعد حاضر ہوئیں۔ آپ بھی ایمان لے آئیں اور ان کے خاوند حارث نے بھی اسلام قبول کیا اور دونوں نے حضورؐ کی بیعت کی۔"

قَالَ الْقَاضِیْ اَبُوالْفَضْلِ عَیَّاضٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لَمَّاوَرَدَتْ حَلِیْمَةُ السَّعْدِیَةُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَسَطَ لَھَا رِدَاءَہٗ وَقَضٰی حَاجَتَھَا فَلَمَّا تُوُفِّیَ قَدِمَتْ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَصَنَعَ لَھَا مِثْلَ ذٰلِکَ۔

"قاضی عیاض لکھتے ہیں حلیمہ سعدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھائی اور اس کی حاجت کو پورا کیا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا یعنی ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھائی اور جو انہوں نے مطالبہ کیا اس کو پورا کیا۔

"عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ حضرت حلیمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں تشریف لائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو گئے اور چادر مبارک بچھائی اور وہ

اس پر بیٹھیں۔"

ضیاء النبی میں یہ سابقہ روایات سبل الہدیٰ والرشاد سے منقول ہیں۔

حضرت حلیمہ کے خاوند اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضاعی باپ کا نام حارث ہے۔

ان کے ایمان لانے کا واقعہ ابن اسحاق نے یوں بیان کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کے بعد حارث مکہ مکرمہ حضور ﷺ کی ملاقات کے لئے آئے۔ قریش نے انہیں دیکھا اور کہا اے حارث! تم نے سنا کہ تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا کہتے ہیں۔ کفار نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ موت کے بعد ہمیں پھر اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ بنائے ہیں۔ نیکو کاروں کو جنت میں اور بدکاروں کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ اس نے قوم کے اتحاد کو پارا پارا کر دیا ہے۔ حارث حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میرے بیٹے! آپ کی قوم آپ کا شکوہ کیوں کرتی ہے پھر قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ اسے کہا تھا اس نے اسے دہرا دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا بیشک میں ایسا کہتا ہوں جب وہ دن آئے گا۔ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر آج کی گفتگو تمہیں یاد دلاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نے حارث کی آنکھیں کھول دیں اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اس کے بعد احکام الٰہی کی تعمیل کا حق ادا کر دیا۔

رضاعت کے سلسلے میں ایک بحث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے حضرت سیدہ آمنہؓ نے دودھ پلایا۔ اکثر محققین کی رائے میں حضرت آمنہ کے بعد ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے سات روز تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا۔ ثوبیہ کے علاوہ خولہ بنت منذر، ام ایمن، حلیمہ سعدیہ اور بنی سعد کی ایک اور خاتون بارے بھی بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا دودھ پلایا۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت حلیمہ نے سب سے زیادہ عرصہ لگاتار دودھ پلایا۔ اس کی مدت دو سال پر مشتمل بتائی جاتی ہے۔ پیر محمد کرم شاہ "ضیاء النبی" صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھتے ہیں کہ قریش اور دیگر رؤسا عرب کے ہاں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے والیوں کے حوالے کرتے تھے۔ اس کی متعدد وجوہ تھیں۔ علماء کرام نے وجوہات بیان کی ہیں جو قبل ازیں بیان ہو چکی ہیں۔

تقریباً تمام مورخین نے ثوبیہ اور حلیمہ سعدیہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان خواتین نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا اور تھوڑے نہیں کافی عرصہ پلایا تھا۔ بعض علماء اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا کی کسی تاریخ میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ کسی نبی کو اس کی ماں کے علاوہ کسی اور نے دودھ پلایا ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے حالات دیکھ لیں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہ ملے گی جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیمہ کے دودھ پلانے کی تائید کے طور پر پیش کیا جا سکے اور ایسا نظر آتا ہے کہ جیسے قدرت الٰہی کو اس امر پر اصرار شدید تھا کہ وہ نبی کو اس کی ماں ہی کا دودھ پلوائے۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات دیکھیں اور اندازہ کیجئے کہ کن ناسازگار حالات وواقعات میں ان کی ماؤں کو دودھ پلانے کے لیے ان تک پہنچایا گیا اور جب ایسا دیکھا کہ ماں کے پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے۔ تو خود ہی بچے کے انگوٹھے سے دودھ جاری کر دیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر بچے کو ماں کا دودھ دستیاب نہ ہو سکے تو کسی دوسرے طریقے سے شکم سیری ہو جائے۔ ان محققین کا کہنا ہے کہ سابق انبیاء کے طریقے اور اصول سے ہٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کے دودھ پلانے کو کیوں کر تسلیم کر لیا جائے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ یہ تسلیم شدہ ہو۔ "لحمہ الرضا کلحمة النسب" یعنی دودھ سے جو گوشت پیدا ہوتا ہے وہ نسب کے گوشت پوست کے مانند ہوتا ہے۔ مفردات امام راغب الصفہانی میں اس بحث کے حوالے سے یہ روایت بھی موجود ہے کہ "اور دودھ پینے سے وہ رشتہ ناجائز ہو جاتا ہے جو نسب سے جائز ہوتا ہے۔" ایسی صورت میں جب کہ ماں موجود تھیں، صحت مند تھیں اور بیان کردہ عہد رضاعت کے بعد تک زندہ رہیں تو یہی بات حقیقت کے قریب ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا اور ثوبیہ وحلیمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش وپرداخت کی۔

اس نقطۂ نظر کے حامی علماء اپنے موقف کی تائید میں بیسویں پارے کے چوتھے رکوع کی یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں کہ "ہم نے دودھ پلائے جانے کے سوال سے پہلے ہی تمام دائیوں کے دودھ کو موسیٰ کے لیے حرام کر دیا تھا" جب قرآن پاک یہ بات بیان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ماں کے علاوہ کسی کے بھی دودھ پینے سے بچانے کا اتنا اہتمام کیا تو یہ کیسے ہو سکتا

ہے کہ جس پر موسیٰ بھی رشک کریں، انہیں بعض ایسی عورتیں مثلاً توبیہ دودھ پلائیں جن کا اسلام بھی واضح نہیں۔

اختلاف رکھنے والے علماء بیان کردہ پہلی وجہ سے تو اسی بناء پر اختلاف کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کی وفات کے بعد حضرت آمنہ کو یہ حاجت یا تقاضا نہ رہا کہ وہ اپنے بچے سے فراغت پا کر حضرت عبداللہ کی خدمت کیلئے وقت نکال سکیں۔ ان کے پاس تو سارا وقت ہی اپنے بچے کی پرورش اور دیکھ بھال کے لیے تھا۔ اس کے علاوہ ان کی کوئی اور مصروفیت نہ تھی۔

ہاں یہ وجہ ضرور وزن رکھتی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر کی آبادی کی کثرت سے پیدا ہونے والی آلودگیوں سے بچانے اور صحرائی زندگی کی مشقتوں کا عادی بنانے کے لیے حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس بھیجا گیا ہو لیکن اس مقصد کے لیے آٹھ روز کے بچے کا بھیجا جانا درست معلوم نہیں ہوتا بلکہ بولنے اور چلنے پھرنے والی عمر زیادہ موزوں دکھائی دیتی ہے۔

اسی طرح ہڈیوں کی ساخت مضبوطی اور وراثتی طور پر ملنے والی جسمانی طاقت میں سے سائنسی اصول کے مطابق ماحول اور مشقت سے طاقت ضرور بڑھائی جا سکتی ہے مگر جسم کی ساخت اور ہڈیاں عموماً والدین سے ہی مشابہہ ہوتی ہیں تاہم اس دور کا عرب معاشرہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح سائنسی فکر نہ رکھتا ہو اور وہ اسی وجہ سے اپنے بچے صحرا نشینوں میں پلنے بھیج دیتے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی رسم و رواج کے پابند بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ خدا نے ان کی دنیا میں تشریف آوری سے لے کر وصال تک تمام حیات مبارک کو پہلے انبیاء کے مطابق ترتیب دے رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو جن ذمہ داریوں سے سرفراز کرتا ہے۔ ان کی تربیت بھی اسی انداز میں کرتا ہے۔ جس طرح انبیاء و خدا کے رسول کسی سے بھی تعلیم حاصل نہیں کرتے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر نبی نے پہلے پہل بکریاں چرائیں اس کام سے انہیں معلوم ہو جاتا تھا کہ جس طرح بکریوں کو بھیڑیوں سے بچانا ہے اور انہیں ادھر ادھر جانے سے بھی روکنا ہے۔ اسی طرح انہیں مخلوق خدا کو بھی شیطان کے فساد سے بچا کر سیدھے راستے پر رکھنے کا کام کرنا ہے۔ بہر حال اثنا عشریوں کے علاوہ تقریباً تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا۔ یہی درست ہے۔

❁ ❁

اقتباسات

کتب احادیث	
کتب سیر	
طبقات ابن سعد	
تاریخ ابن خلدون	علامہ ابن خلدون
البدایہ والنہایہ	ابن کثیر
تاریخ ابن ہشام	ابن ہشام
تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین سیوطی
مدارج النبوۃ	مولانا عبدالرحمٰن جامی
ضیاء النبی	پیر محمد کرم شاہ الازہری
تاریخ اسلام	مولانا محمد اکبر شاہ خان نجیب آبادی
امہات الامہ	مولوی نذیر احمد دہلوی
تذکار صحابیات	طالب ہاشمی
امہات المومنین	حکیم محمود احمد ظفر
آل رسول	پیر سید خضر حسین چشتی
زینب زینب ہے	م٬ صادق٬ مترجم حسن رضا غدیری

نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقاربؓ

☆ رسول کریم ﷺ کے عزیز و اقارب کی 20 پشتوں کا تعارف

☆ کیا نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقارب کو آپؐ کی نبوت کا علم تھا؟

☆ نبی کریم ﷺ کے گیارہ چچا اور چھ پھوپھیوں کا مفصل تعارف

☆ آپ کے سسرالی قرابت دار کون کون تھے؟ آپ کی اولاد، داماد اور نواسے نواسیاں کتنے ہیں؟

☆ رسول کریم ﷺ کے عزیز و اقارب بارے مستند بیانات اور بے شمار حوالے جو آپ تلاش کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں موجود ہیں۔

طٰہٰ پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی۔ راولپنڈی